سفینۂ نجم

﴿مجموعۂ مضامین﴾

افضل العلماء

حضرت الحاج مولانا سید نجم الدین علیہ الرحمہ

(سابق صدر مجلس علمائے مہدویہ ہند)

زیر اہتمام

مہدویہ فاونڈیشن (امریکہ)

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : **سفینۂ نجم** (مجموعہ مضامین)

نام مولف : افضل العلماء حضرت مولانا سید نجم الدین علیہ الرحمہ
سابق صدر مجلس علمائے مہدویہ ہند

کمپیوٹر کتابت : SAN کمپیوٹر سنٹر، صوبیدار امیر علی خاں روڈ (نئی سڑک)
چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔ سیل نمبر 9959912642

تعداد اشاعت : 500

سن اشاعت : مئی 2013ء

قیمت : 100 روپے

ناشر
مہدویہ فاونڈیشن (امریکہ)

ملنے کے پتے

(۱) مہدویہ فاونڈیشن (امریکہ)

(۲) ادارۂ تنظیم مہدویہ، 16-8-806، نیو ملک پیٹ، حیدرآباد

(۳) SAN کمپیوٹر سنٹر، صوبیدار امیر علی خاں روڈ (نئی سڑک) چنچل گوڑہ، حیدرآباد

(۴) A to Z Stationary مرکزی انجمنِ مہدویہ چنچلگوڑہ حیدرآباد

﴿انتساب﴾

اُن عقیدت مندوں کے نام

جو ایک عرصہ دراز سے

افضل العلماء حضرت مولانا سید نجم الدین صاحبؒ

کے مضامین کی اشاعت کی طرف توجہ دلاتے رہے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ یہ سعادت ہمیں حاصل ہوئی۔

جناب سید اسحاق صاحب اہل ہمناباد

نے

اپنے والدِ محترم

حضرت سید نجم الدین صاحب قبلہؒ اہل ہمناباد

(ابنِ حضرت سید سعد اللہ صاحب قبلہؒ اہل ہمناباد)

کے

ایصالِ ثواب کیلئے

اس کتاب کی اشاعت میں مالی تعاون کیا

اس کے لئے ادارہ ان کا مشکور ہے

فہرست مضامین

سلسلہ نشان	مضمون	صفحہ نمبر
1	پیش لفظ	7
2	اہلِ دل صاحبِ رُشد و ہدایت وفقیہہِ نکتہ داں	11
3	عرضِ ناشر	16
4	انک لعلٰی خلق العظیم	17
5	قرآن کس حیثیت سے معجزہ ہے	26
6	حضور اکرم ﷺ کی تاریخ وصال	28
7	اسلام میں تصور مہدویت	30
8	بعثت مہدیؑ احادیث کی روشنی میں	38
9	بعثت مہدیؑ کے بارے میں احادیث کی اہمیت	63
10	مہدویت عین اسلام ہے	68
11	خبر مغیب	82
12	مسئلہ اقرار وانکار	95
13	خصائص امامنا مہدی علیہ السلام اور احادیث	100
14	خاتم الاولیاء	109
15	مسئلۂ عصمت	114

16	تسویت خاتمین	121
17	حضرت مہدیؑ خاتم دین رسول اللہؐ ہیں	132
18	بارِامانت	135
19	ثم ان علینا بیانه (بیان قرآن)	145
20	ترک دنیا	159
21	ترک دنیا رہبانیت نہیں ہے	166
22	عزلت از خلق	178
23	مسئلہ دیدار	190
24	ماہر دواز جملہ مشرکاں نہ ایم	195
25	مذہب ما کتاب اللہ	206
26	بدنبال منکران مہدی نماز مگزارید	207
27	دوگانہ لیلۃ القدر	224
28	دوگانہ تحیۃ الوضو	248
29	آدابِ فقرا	251
30	حضرت بندگی میراں شاہ یعقوب حسنِ ولایتؓ	267
31	حضرت بندگی میاں سید علی ستونِ دینؓ	283
32	قدومِ ماہ رمضان	288

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

زندہ قومیں وہی ہوتی ہیں جو اپنے اسلاف کی قدر کرتی ہیں۔ ان کے کارناموں کی تشہیر کرتی ہیں اور اہلِ علم کی قدر افزائی کے لئے جس قدر اہتمام کرتی ہیں اور ان کی عزت و احترام کی پاسداری کے لئے جو اقدامات کرتی ہیں۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔

حیدرآباد نے ایسی بہت سی شخصیتوں کو جنم دیا ہے جنہیں دنیا کی کسی بھی ترقی یافتہ اور متمدن و مہذب قوم کے نامور ہیروں کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے بلکہ دوسری قوموں کے مشاہیر کو ان کی عظمت کے سامنے سرنگوں بھی کیا جا سکتا ہے۔ ایسی عظیم شخصیتوں میں جہاں حضرت علامہ سید نصرت علیہ الرحمہ ' حضرت علامہ شمسی علیہ الرحمہ' حضرت مولوی سید شہاب الدین علیہ الرحمہ' حضرت قائد ملّت علیہ الرحمہ' حضرت مولانا سعادت اللہ خان صاحب مندوزئی علیہ الرحمہ' حضرت ابوسعید سید محمود علیہ الرحمہ ہیں وہیں حضرت مولانا سید نجم الدین علیہ الرحمہ بھی ہیں۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ یہ حضرات ہماری ستائش و تعریف کے محتاج نہیں۔ انہوں نے جو کچھ بھی خدمت قوم و ملّت کے لئے انجام دی اس کا صلہ وہ اپنے رب سے ضرور پا رہے ہیں۔ اس لئے کہ انکا عمل جس ذات کی رضا جوئی کے لئے تھا وہ ایسے خدمت گزاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ لیکن ہمیں اپنے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیئے کہ ہم کس مقام پر کھڑے ہیں اور ہم نے ان حضرات سے کیا استفادہ کیا اور کہاں تک فیضیاب ہوئے ہیں۔ اور پھر تعجب بھی ہوتا ہے اور دکھ بھی جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری نئی نسل ماضی کے ورثہ سے اپنا رشتہ بڑی تیزی سے منقطع کرتے چلی آ رہی ہے۔ گو کہ اسلام شخصیت پرستی کا قائل نہیں ہے مگر وہ شخصیتوں کو گوشہ گمنامی میں پھینک دینے کا بھی ہرگز روادار نہیں ہے۔ **واعرفوا الهم فضلهم** ان کی عظمت کا اعتراف کرو۔

حضرت مولانا سید نجم الدین علیہ الرحمہ کو ابتدائی عمر سے ہی علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علم باطنی کے حصول کی تڑپ تھی اور اس طلب وحق کے جذبہ میں آخری وقت تک بھی کمی نظر نہیں آئی۔ اپنے نانا حضرت علامۃ العصر مولانا سید نصرتؒ کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا۔ بحر العلوم علامہ شمسیؒ اور حضرت مولانا سید شہاب الدینؒ سے اکتسابِ فیض اور علوم ظاہری اور علم باطنی حاصل کیا۔

حضرت مولانا سید نجم الدین علیہ الرحمہ چودھویں صدی ہجری میں علم وعرفان کی شمع روشن کی اور حق وصداقت کا چراغ فروزاں کیا۔ آپ نے فقر وتوکل میں کبھی بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا اور ہمیشہ عفو اور درگذر سے کام لیا۔ اُلجھے ہوئے مسائل کو بصیرت سے سلجھایا۔ حضرت نے فکر ونظر کے جو زاویئے پیش کئے' علم وتحقیق کا جو ڈول ڈالا اور مہدویت کے علوم وافکار کی تعبیر کا جو اسلوبِ جدید حضرت نے اختیار کیا وہ قابلِ ستائش ہے۔ قوم آپ کے اس عظیم کارنامہ کو کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتی۔

حضرت مولانا سید نجم الدینؒ نے تعلیمات امامنا علیہ السلام کو جس ڈھنگ سے پیش کیا اور اس کی تفہیم کے لئے جو طرز بیان اختیار کیا وہ ہماری تاریخ کا ایک نیا موڑ ہے جو ہر ایک کے لئے موزوں ہے۔ تبلیغی نقطہ نظر سے آپ کا یہ طرز بیاں کافی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت کے زبردست علمی کارنامے آپ کے مضامین ہیں جو دائرہ' المصدق' نور حیات' نور ولایت اور دوسرے پرچوں میں شائع ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ایک رسائل وکتابیں ہیں جو آپ کی عین حیات ہی میں شائع ہوئی ہیں۔

''تنویر الابصار'' حضرت کی ایک معرکتہ الآراء تصنیف ہے۔ قرآن پاک سے حضرت کی غیر معمولی دلچسپی کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ حضرت نے لوامع البیان (عربی) کا جو حصہ شائع ہوا تھا اس کا اردو ترجمہ ہاتھ پر لیا تھا۔ اس کام کے مکمل ہونے کے لئے صرف تین یا چار صفحات باقی تھے' علالت شروع ہوگئی اور یہ کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا۔ اس کے علاوہ معرکتہ الآراء کتابیں ثبوت مہدی (احادیث کی روشنی میں)' مہدویت عین اسلام ہے اور کئی ایک کتابیں ورسائل ہیں جو سادہ طرزِ بیان سے قوم میں پسند کئے جاتے ہیں۔ جہاں تک افتاء کا تعلق ہے اس بات میں آپ بلا شبہ ایک منفرد اور مثالی شخصیت تھے۔ آپ نے تن تنہا اس فن میں کئی بیش بہا خدمات عالم اسلام کے لئے سرانجام دی ہیں۔ اگر آپ کو بہت بڑے فقیہہ تھے' کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ عقل وفراست میں یکتا تھے۔ تمام فقہی مسائل پر عبور حاصل تھا۔ اور فہم

حدیث میں خاص درک رکھتے تھے۔ حضرت فقہ اور حدیث کے سلسلہ میں قرآن حکیم ہی کے اصول کو اپنا رہنما قرار دیا۔ کئی ایک فقہی مسائل کو حل کیا اور اس میں کامیاب ہوئے۔ غرض آپ کی ملّی و دینی خدمات ہر میدان میں ممتاز نظر آتی ہے۔

حضرت مولانا سید نجم الدین علیہ الرحمہ پابندِ شریعت بزرگ تھے۔ معرفت، توحید اور تحقیق میں کامل تھے۔ اکثر ذکر اللہ میں رہا کرتے تھے اور مسجد میں ہی زیادہ وقت گزارتے تھے۔ آپ کے اخلاقِ حسنہ کی بدولت ہر ایک بلا لحاظ عمر و مراتب آپ کے گرد جمع ہوتے تھے۔ آپ کو دنیا سے کوئی رغبت نہ تھی اور ایک سچے تارک الدنیا تھے جو تارک الدنیا ہوتا ہے اس کو نہ کوئی تمنا ہوتی ہے اور نہ کوئی خواہش اس زاویہ کی نگاہ سے ہم جب حضرت کی سیرت مبارکہ کے اوراق کو پڑھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ کو نہ کوئی تمنا تھی اور نہ کوئی خواہش، جو ایک سچے تارک الدنیا ہونے کی علامت ہے۔ حضرت کی گوناگوں صلاحیتوں اور قابلیتوں کے ساتھ ساتھ آپ کی فراست، حکمت، اخلاق نے آپ کو ہر ایک کے لئے دل آویز شخصیت بنادی تھی۔

حضرت مولانا سید نجم الدین علیہ الرحمہ ۲۲ر صفر المرام ۱۳۲۰ھ کو اس دنیائے فانی میں تشریف لائے۔ حضرت نے ۱۳ سال کی کم عمر میں والد بزرگوار حضرت سید محمود صاحب کے ہاتھ پر ترک دنیا فرمائی۔ ۲۲ر شوال المکرّم ۱۴۰۵ھ م ۱۱ر جولائی ۱۹۸۵ء کو ۸۵ سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ فرمائے۔ حظیرہ بندگی میاں شاہ قاسم مجتہد گروہؒ مشیر آباد میں تالاب کے جنوبی سمت واقع چبوترے میں تدفین عمل میں آئی۔ جب تک حیات رہی علم و عمل، رشد و ہدایت کے لئے خود کو قوم کے لئے وقف کردئے تھے۔ مسند ارشاد پر تقریباً ۶۸ سال جلوہ افروز رہے۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی اور فراہ مبارک کا سفر ۱۹۶۴ میں کیا اور خاتم ولایت کی بارگاہ میں حاضری دی۔ تاحیات کل ہند مجلس علمائے مہدویہ ہند کی صدارت پر فائز رہے۔

ماہنامہ نور ولایت نے حضرت علیہ الرحمہ کے دینی و مذہبی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ۱۵ر ستمبر ۱۹۸۵ء کا شمارہ شائع کیا تھا جس میں قوم کے دانشوروں نے مضامین کے ذریعہ اور شعراء نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ اس شمارہ کے اداریہ میں آپ کے مضامین اور فتوؤں کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔ جو قوم کے لئے ایک سرمایۂ علمی ثابت ہوگا اس کے علاوہ ماہنامہ نور ولایت نے

آپ کے چند مضامین کا مجموعہ جولائی ۱۹۸۹ء کے شمارہ میں شائع کیا تھا۔

الحمدللہ یہ خوش آئند بات ہے کہ دیر آید درست آید کے مصداق ۲۷ سال کے بعد مہدویہ فانڈیشن (امریکہ) کو حضرت علیہ الرحمہ کے سرمایۂ علمی کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس کتاب میں جملہ (۳۲) مضامین ہیں جو ماہنامہ نورحیات' نورولایت' المصدق میں شائع ہوئے ہیں ان مضامین کو ''سفینۂ نجم'' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ ہر مضمون جامع اور مکمل افہام وتفہیم کا انداز نہایت دلنشین اور متاثر کن ہے۔ ہر قاری اپنی علمی پیاس بجھا سکتا ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کے علمی کارنامے بے شمار ہیں ان میں سے ایک اہم کارنامہ بے شمار فتاوے ہیں جو آپ نے بحیثیت مفتی دئے ہیں زندگی کے ہر موضوع پر آپ کے فتاوے ہیں۔ انشاءاللہ یہ فتاوے بھی یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کے جائیں گے۔

یہ مضامین کا مجموعہ ہر قاری کو روحانی کیف اور قلبی سکون کے ساتھ تعلیمات وثبوت بعثت خلیفۃ اللہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی حقانیت کو پیش کر کے اقرار کی یقینی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

عالی جناب شیخ چاند ساجد صاحب کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ مصروفیات کے باوجود ان تمام مضامین کی پروف ریڈنگ فرمائی۔ ناسپاسی ہوگی اگر میں جناب ابوالفیض سید احمد عابد صاحب اور جناب سید نور محمد نظامی صاحب سان کمپیوٹر سنٹر کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں تعاون فرمایا۔ رب قدیر جزائے خیر عطا فرمائے اُن تمام کو جو اس کتاب کی اشاعت کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسلام کے ہر شیدائی کو اس کے مطالعہ سے پیاس بجھانے اور تصدیق کا شرف پانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

2 اپریل 2013ء

فقیر مقصود علی خان غفرلہ

جناب سید محمد مدثر مہدی صاحب
(بی۔کام)

اہلِ دل صاحبِ رُشد و ہدایت وفقیہہِ نکتہ داں

فرشتے پونچھ لیتے ہیں میرے رخسار سے آنسو
الٰہی! آج کس کی یاد میں شبنم فشاں ہوں میں

گروہ مہدویہ کے بزرگان اور اسلاف کے تعلق سے مخالفین بھی معترف ہیں کہ وہ پاکانِ حق اور آسمانی فرشتے تھے جنہیں زمین کی طہارت کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ یہ سلسلہ بفضل تعالیٰ جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔ ایسی ہی ایک ذات بابرکات صفاتِ عالیہ کی حامل ہستی اہل دل صاحبِ رشد و ہدایت' الحاج وزائر روضۂ خاتمینؐ' مولف تنویرالابصار وسابق صدر مجلس علمائے مہدویہ ہند' جدی' مولانا ومرشدنا افضل العلماء حضرت سید نجم الدینؒ کی تھی۔ مطلع ارض پر آپ کا ظہور ۲۲/صفر ۱۳۲۰ھ مطابق ۳۱/مئی ۱۹۰۳ء بروز شنبہ بعد عصر ہوا تھا اور یہ آفتاب ۲۲/شوال ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۱/ جولائی ۱۹۸۵ء بروز جمعرات بوقت شام بشری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ آپ حقیقتاً آفتاب دین تھے۔ ۱۳/ سال کی عمر میں آپ نے دنیا اور اس کی متاع کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہدیا۔ اور مسند عالیہ کے لئے دستِ قدرت نے آپ کو چن لیا۔ آپ نے ۱۳ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار علامہ میاں سید محمود میاں صاحب میاں اہل بچپڑی کے دستِ مبارک پر فریضہ ترکِ دنیا کی ادائی کی۔ بعدازاں اپنے ہی عم میاں سید موسیٰ سیدن میاں صاحب اہل دائرہ کلاں مقیم کڑپہ سے اپنے والد کے چہلم کے دن علاقہ کیا اس کے بعد حضرت میاں سید موسیٰ میاں صاحب کی اجازت سے تگریہ جئے پور راجھستان (بڑا دائرہ) کے ایک اہل اللہ اور بزرگ میاں سید عبدالوہاب عرف مچھو میاں صاحب سے صحبتی علاقہ کئے۔ حضرت مچھو میاں صاحب کے پردہ فرمانے کے ایک عرصہ بعد آپنے مرشد سے اجازت لیکر اپنے ماموں بحرالعلوم الحاج حضرت مولانا سید شہاب الدین صاحب قبلہ سے علاقہ صحبتی کر کے ان سے وابستہ رہے۔ رمضان ۱۳۴۰ھ سے آپ ہی کی صحبت میں صبح وشام بسر ہونے لگی۔ ۱۰/ شعبان ۱۳۴۱ھ کو مولوی سید یعقوب صدر محاسب پائیگاہ ابن حضرت مولانا سید نصرت

مولف کحل الجواہر کی صاحبزادی رجنا بی بی صاحبہ سے آپ کی شادی ہوئی۔ جن کے بطن سے ۳ صاحبزادے اور ۲ صاحبزادیاں ہوئے۔

۱۳۴۲ھ م ۱۹۳۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان کامیاب کیا پھر ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء کی سند حاصل کی جو حکومت ہند کی مسلمہ اور تاج برطانیہ کے نمائندے سے وائسرائے ہند کی دستخط سے اجراء کی گئی تھی۔ ان امتحانوں میں کامیابی کے بعد بھی جب تشنگی کا احساس باقی رہا تو اسی دوران اپنے وقت کی ممتاز شخصیت استاد الاساتذہ بحر العلوم علامہ سید اشرف شمسی علیہ الرحمہ سے علوم عقلی ونقلی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ فارسی، عربی منطق، کلام اور فلسفہ کے مضامین میں اکتسابِ فیض کیا۔ اپنے مرشد و ماموں پیران طریقت کی صحبت اور تربیت میں فقہ کی مختلف کتابیں اور خاص طور پر فقہ اہل سنت کی مشہور کتاب ہدایہ کی تکمیل کی اور ساتھ ہی ساتھ تفسیر اور حدیث شریفہ پر عبور حاصل کیا۔

۱۹۳۶ میں پہلی بار اور ۱۹۶۳ء میں دوسری بار آپ کو فریضۂ حج کی ادائیگی اور روضہ اقدس نبی آخر الزماں ﷺ پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ ڈسمبر ۱۹۶۴ء میں بارگاہ خاتم الاولیاء میراں سید محمد مہدی موعود علیہ السلام میں جبیں سائی کا شرف حاصل ہوا۔ اور ڈسمبر ۱۹۸۴ء میں باوجود علالت پیہم کے ذوق جبیں سائی کشاں کشاں آپ کو بھیلوٹ شریف (گجرات) لے گیا جہاں آپ نے دربارِ ثانی مہدیؑ میں حاضری دی۔ ۸۵ سالہ طویل شاہراہ حیات کے ابتدائی ۲۰ سال منہا بھی کر دیئے جائیں تو ۶۵ کا یہ طویل وقفہ جو آپ نے قوم کی خدمت کرتے ہوئے بسر کئے، مختلف حیثیتوں سے یادگار اور اہمیت کا حامل ہے۔ مدرسہ سجادگان کی داغ بیل، مجلس علمائے مہدویہ ہند کا استحکام وانصرام، مہدویہ رویت ہلال کمیٹی کی تشکیل اور ان سے بڑھ کر عملی میدان میں آپ کی مجتہدانا تحریرات تشنگانِ علم کی سیرابی کے سامان پیدا کرتی ہیں۔

۱۹۳۵ء میں جب ماہنامہ ''نگار'' کے مدیر نیاز فتح پوری نے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی آڑ میں مہدویہ عقائد پر بے جا اعتراضات کئے تو آپ نے اس جواب میں ڈمی سائز کا ایک ڈھائی سو صفحات کا رسالہ بنام ''تنویر الابصار'' تحریر کیا جس میں آپ نے واضح طور پر نشاندہی کی کہ کن کن مقامات پر مدیر ''نگار'' طعن وتشنیع، واقعات میں غلط بیانی، روایات میں تحریف لفظی ومعنوی، دلخراش طرز نگارش، عامیانہ استدلال سوقیانہ

تحریر دل آزار تنقید دل سوز افتراء وبہتان غرض معیار علم تو کسی معمولی آداب تحریر سے بعید بہت سے اخلاقی جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں۔اس کا مدلل جواب ''تنویر الابصار'' میں ہے اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے محسوس کریں گے کہ حقیقت میں شروع سے آخر تک متانت وسنجیدگی سے پڑھیں تو محسوس کریں گے کہ آداب تحریر کا کیا کہنا کہیں بھی دامنِ آداب وشائستگی ہاتھ سے چھوٹتی نظر نہیں آتی۔

آپ کے کئی مضامین قومی علمی جرائد کی شان دوبالا کرتے رہے ہیں۔ ماہنامہ'' نور حیات'' کے ابتدائی سالوں میں بیسوں فقہی ودینی مسائل پر فتاوے شائع ہوتے رہے۔ پھر بعض اہم عنوانات پر جو معرکتہ الآراء مضامین شائع ہوئے ہیں۔ان کی تعداد کا گنوانا خود ایک امر محال ہے۔ان میں بطور خاص مہدویت عین اسلام ہے' آداب الفقراء بعثتِ مہدیؑ' تسویت خاتمینؐ' ماہر دواز جملہ مشرکان نیست' کے ساتھ ساتھ دوگانہ لیلۃ القدر' مہدویہ میں یوم عاشورہ کی اہمیت' شرائط نکاح' یوروپ کا ذبیحہ جیسے بلند پایہ مضامین کے ساتھ سیرت بندگی میراں شاہ یعقوب حسن ولایتؒ اور بندگی میاں سید علی ستون دینؒ والے مضامین قبولیت عامہ حاصل کر چکے ہیں۔

مولانا کی بقید حیات میں ایک بار مولوی ابوالفتح سید جلال الدین صاحب یداللّٰہی مدیر'' نور حیات'' کی ڈاکٹر غلام دستگیر رشید صاحب سابق شعبہ صدر اردو عثمانیہ یونیورسٹی سے ملاقات ہوئی ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا کہ چند سال قبل انہوں نے (ڈاکٹر صاحب نے) حیدرآباد کے مشہور اخبار رہنمائے دکن میں'' علماء سے ایک استفسار'' عنوان کے تحت یہ دریافت کیا تھا کہ آخر اسلام میں نصاب کی شرط سونا یا چاندی ہی کیوں ٹھہرائی گئی؟ ان کا استفسار اخبار رہنمائے دکن کے علاوہ بعض دوسرے ممبئی اور بنگلور کے اخبارات میں بھی شائع ہوا تھا لیکن بدقسمتی سے کسی عالم دین نے اس کا جواب دینے کی زحمت نہیں اٹھائی۔بجز علامہ موصوف (مولانا سید نجم الدین) کے اور یہ جواب انہیں بے حد پسند آیا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ تحریر کے بیسوں اسلوب انداز اور اقسام ہیں لیکن سیدھی سادھی دل نشین تحریر لکھنا ہر ایک قلم کار کے بس کی بات نہیں۔ یہاں محنت اور دیدہ ریزی کی ضرورت پڑتی ہے۔ دو اور دو چار کی طرح وہ سیدھی بات کو ایسے پر لطف سیدھے الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ وہ ذہن سے چپک کر رہ جاتی ہے۔

آپ کی ذات میں حلم' انکساری' مستقل مزاجی' خلق ومروت' دیانت' خدا طلبی جیسے اوصاف حمیدہ

پنہاں تھے۔ ۱۹۵۰ء کے دہے میں جب نواب ماندور خاں صاحب انجمن مہدویہ کی صدارت سنبھالے تو ایک عرصہ تک آپ کو نائب صدارت پر متمکن کیا۔ اور آپ نائب صدر انجمن مہدویہ کے علاوہ تعلیمی دینی کمیٹی کی صدارت بھی سنبھالی تھی۔ اور اس کے بعد مرکزی انجمن مہدویہ کے زیر اہتمام سیرت امامنا مہدی علیہ السلام کی تالیفات کے سلسلے میں جو اجلاس منعقد ہوا کرتے تھے ان اجلاسوں میں مولانا اپنے عنوان سے متعلق مواد بصورت مقالہ پیش کرتے ہوئے دیگر ارکان مجلس سے رائے زنی اور تبصرہ کے لئے زور دیتے تھے جو آپ کی انکساری کا مظہر ہے۔

سپٹمبر ۱۹۷۳ء میں پارلیمنٹ میں ایک بل کا مسودہ ''قانون متنبیٰ'' پیش کیا تھا اس کی رائے زنی کے لئے ایک ذیلی کمیٹی قائم کی گئی تھی جس کو ''جائنٹ سلکٹیڈ کمیٹی'' کا نام دیا گیا تھا وہ کمیٹی حیدرآباد میں عام مسلمانوں (علماء وفضلاء) سے رائے لینے کے لئے اجلاس منعقد کررہی تھی تو حیدرآباد کے بعض علمنا کے ساتھ ساتھ مولانا کو بھی مولانا کامل شطاری صدر مجلس علمائے حیدرآباد کے توسط سے دعوت نامہ آیا تھا۔ ۲۵/سپٹمبر ۱۹۷۳ء کو مولانا اپنے بعض معاصرین کے ساتھ شریک اجلاس ہوئے تھے جو احاطہ اسمبلی ہال باغ عامہ جوبلی ہال میں منعقد ہوا تھا اور ایک میمورنڈم بھی پیش کیا تھا اور مدلل طریقے سے کمیٹی کو آگاہ کیا کہ مداخلت فی الدین سے باز رہے۔ ۱۹۸۳ء میں پالن پور سے ایک استفسار ہوا تھا کہ بنک کاری اور سودی لین دین کے بارے میں رہنمائی کی جائے۔ چنانچہ آپ نے ۳۳ صفحات پر آیات قرآنی' احادیث شریفہ اور سیرت امامؑ اور فقہ حنفیہ کی کتابوں سے اخذ کرتے ہوئے نہایت ہی عالمانہ اور مدلل فتویٰ دیا تھا۔ آپ کے نزدیک فی زمانہ ہندوستان پر دارالحرب کی اصطلاح کا اطلاق ہوتا ہے۔ یعنی غیر مسلم حکومت میں کسی مسلمان کو حکومتی یا غیر مسلم کی بنک سے یا حکومتی یا غیر مسلم کی انشورنس کمپنی سے اپنی جمع شدہ رقم سے حسب قواعد ادارہ رقم حاصل کرنا شرعاً ''ربا'' نہیں اور سود کا اس پر شرعاً اطلاق نہیں ہوتا۔

غرض آپ کے فتاویٰ کثرت سے ہیں۔ گروہ مہدویہ میں نکاح کے وقت جو چار شرائط سنائی جاتی ہیں اس تعلق سے استفسار پر آپ نے مبسوط نہایت ہی فصیح و بلیغ فتویٰ ہاتھ سے لکھے ہوئے تقریباً ۴۵ صفحات پر دیا ہے۔ علاوہ ازیں رویت ہلال کے تعلق سے فتویٰ دے کر آپ نے کئی غلط فہمیاں دور کیں۔

مسلسل ۶۵ سال مسند ارشاد پر آپ جلوہ افروز رہے اور آپ فرماتے تھے کہ گروہ مہدویہ کی فقیری اور مسندِ ارشادی پیشہ نہیں ہے ضرورت سے زیادہ اور بار بار نذرانہ قبول کرنے میں آپ کو تامل ہوتا تھا۔ یہ سمجھنا کہ اس مایہ ناز محبوب الٰہی کا آفتاب غروب ہوگیا صحیح نہیں ہے۔ یہ آفتاب دین پوری آب وتاب سے درخشاں ہے اور انشاءاللہ فیض بے پایاں ہمیشہ جاری رہے گا۔ جیسا کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے اور اپنے مدار پر گامزن ہے ہم سب کو طلوع وغروب کا تاثر دیتی ہے مگر حقیقتاً یہ اس کے محور کا چکر ہے' گردش ہے ورنہ آفتاب نہیں ڈوبتا وہ صرف اوجھل ہوجاتا ہے مگر اپنی آب وتاب سے درخشاں رہتا ہے۔

بہر حال جس برگزیدہ ہستی نے ۲۲/ شوال ۱۳۳۰ مطابق ۳۱/ مئی ۱۹۰۳ء روز شنبہ کو اس عالم آب وگل میں قدم رنجہ فرمایا تھا بالآخر ۲۳/ شوال ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۱/ جولائی ۱۹۸۵ء بروز جمعرات بوقت ۶ بجے شام بعد عصر داعی اجل کو لبیک کہا۔ خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ خاتمینؑ کے صدقہ میں اپنے دیدار سے اور قرب کی نعمتوں سے مالا مال کرے۔ آمین

پیر کامل کا ہمارے ہوگیا ہے انتقال
جس قدر اس سانحہ پر ہم کریں کم ہے ملال
دین کی خدمت میں اپنی عمر کی جس نے تمام
کر عطا دیدار تو مرحوم کو اے ذوالجلال

(شفقؔ حیدرآبادی)

☆☆☆

عرض ناشر

زیرنظر کتاب ''سفینۂ نجم'' مولانا حضرت سید نجم الدین صاحب قبلہ افضل العلماءؒ کے مضامین پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں کئی چھوٹے چھوٹے کتابچہ بھی شامل کردئے گئے ہیں اس لئے کہ حضرت کے کتابچے علمی اور تحقیقی کام کا ایسا حصہ ہے کہ قوم میں اتنی فصاحت وبلاغت کے ساتھ ان موضوعات پر کسی اور کا کام نہیں۔ اوران مضامین کی سلاست وروانی اپنی مثال آپ ہے۔ مضامین کئی رسالوں میں چھپ چکے ہیں اور کئی کتابچہ کی شکل میں شائع ہوکر مقبول بھی ہوئے۔ اس میں مصنف اور مضامین کے تعلق سے کچھ زیادہ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مماثل ہے۔

مہدویہ فاونڈیشن کی روایت رہی ہے کہ ہمارے علمی ورثہ کا کسی نہ کسی طرح تحفظ کیا جائے اوراس کو شش میں کئی ایک کام اس سے پہلے بھی اللہ کے فضل وکرم سے پایہ تکمیل کو پہنچے ہیں۔

زیرنظر کتاب کے علاوہ بعض تحریرات جو دینی مسائل اور فتاویٰ کی شکل میں حضرت سید نجم الدین صاحب افضل العلماء کا کام موجود ہے اورنور حیات میں شائع بھی ہوا تھا۔ ان کو بھی کتابی شکل دے کر شائع کیا جارہا ہے تاکہ عوام کو اپنے دینی مسائل ایک جگہ ہی مل جائیں۔

ہم ان تمام حضرات کا جنہوں نے ان مضامین کو اکھٹا کرنے اوراس کی اشاعت میں تعاون کیا جن میں حضرت مقصود علی خاں صاحب، جناب ابوالفیض سید احمد عابد صاحب، محترمہ اہلیہ حضرت ابوالفتح سید جلال الدین صاحب یداللہی مرحوم اور جناب سید نور محمد صاحب (سان کمپیوٹر) جناب شیخ چاند ساجد صاحب شامل ہیں، ان کے مشکور ہیں اوراللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان تمام کو اس کام کا اجر عطا کرے۔ آمین

ہمیں امید ہے کہ افرادِ قوم اس کتاب کے مطالعہ سے مستفید ہوں گے۔

سید عبداللہ اطہر
معتمد مهدویه فاونڈیشن

انک لعلیٰ خلق عظیم

سرور کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے اخلاق کی نسبت خامہ فرسائی ہمارے جیسے بے بضاعت شخص کا کام نہیں اور ہم سے ممکن نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق حسنہ وخصائل حمیدہ کو کماحقہ بیان کرسکیں وہ علمائے کرام جو دنیائے علم میں **کوس لمن الملکی** بجا چکے ہیں اور جنہوں نے اس دریائے ناپیدا کنار میں غواصی کی ہے ان میں سے کوئی بھی اس کی حقیقی تہہ کو نہیں پہنچ سکا۔ اور وہ بڑے بڑے مصنفین ومولفین جن کے باغ فضیلت سے گل چینی اور جن کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کا ہمیں فخر حاصل ہے آنحضرت ﷺ کے اخلاق حسنہ کو بالا ستیعاب چیز تحریر میں نہ لا سکے۔ سچ ہے جس کی شان میں خدائے تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ **انک لعلیٰ خلق عظیم** پھر کسی فرد بشر کی عموماً اور ہمارے جیسے ہیچمدان کی خصوصاً یہ طاقت کہاں کہ وہ اخلاق محمدی ﷺ کو کماحقہ بیان کرسکے لیکن عادتی بات ہے کہ جب کوئی شخص بحر ناپیدا کنارے کھڑا ہو تو اس کو سمندر کا بہت تھوڑا سا حصہ نظر آتا ہے اور وہ جو کچھ بھی دیکھ سکتا ہے وہ صرف اس کی حد بصر ہے پس اسی طرح ہم اس بحر ناپیدا کنار کی نسبت بھی صرف اسی قدر بیان کرسکتے ہیں جو اوپر کی مثال کی طرح ہمارے امکان میں ہے اور یقیناً ہم اپنی بساط کے موافق جو کچھ بھی خامہ فرسائی کریں وہ ہمارے لئے موجب سعادت ہے پس اس سعادت کے حصول کے لئے آنحضرت ﷺ کے خلق عظیم کی نسبت دوسروں کی طرح ہم بھی کچھ عرض کرنے کی جرات کرتے ہیں۔

اگر اس عنوان پر تفصیلی مباحث سے قطع نظر کیا جائے تو خلق عظیم کی نسبت اجمالی طور پر کئی حیثیتوں سے بھی بحث ہوسکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے خلق عظیم خدائے تعالیٰ کی رحمت ونعمت عظمیٰ ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فَبِمَا رَحمَةٍ مِّنَ الله لِنتَ لَهُم** (آل عمران ۱۵۹) یہ کچھ خدا کی رحمت ہے کہ تم ان کے لئے نرم دل ہوا گر تم سخت دل اور سخت گو ہوتے تو وہ تمہارے پاس سے پراگندہ ومنتشر ہوجاتے خلق عظیم آنحضرت ﷺ کا ایک ایسا معجزہ ہے جو دوسرے انبیاء علیہم السلام میں نہیں پایا جاتا۔ کیوں کہ حضرت سرور کائنات کی ذات اقدس تمام اخلاق حمیدہ واوصاف پسندیدہ کی جامع ہے کہ کوئی ایسا وصف یا فعل نہیں پایا جاتا کہ اس پر اصول فن اخلاق کے مطابق خلق حسن کا اطلاق ہوتا ہو اور وہ اس

وسیع دائرہ میں موجود نہ ہو اسی لئے بعض علمائے کرام و سیر نے بیان کیا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے دیگر تمام معجزات و کمالات وفضائل اور جملہ دلائل و براہین ثبوت نبوت سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تو صرف آپ کے اخلاق حسنہ ہی آپ کی نبوت کے ثبوت کے لئے کافی سے زیادہ ہیں۔ بعض صوفیائے کرام نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کی نسبت یہ دلچسپ بحث کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام خدائے تعالیٰ کی صفات میں سے ایک ایک اسم صفت کے مظہر ہیں اس سے ثابت ہوا کہ جو اخلاق ہر ایک نبی میں فرداً فرداً ملتے ہیں وہ سب رسول اللہ ﷺ میں جامعیت کے طور پر پائے جاتے ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضیٰ داری
آنچه خوباں همه دارند تو تنها داری

سعد بن ہشامؓ ایک صحابی ہیں فرماتے ہیں ''کہ ایک روز ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیسے تھے۔ انہوں نے کہا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا میں نے کہا جی ہاں میں قرآن پڑھتا ہوں۔ کہا بس قرآن رسول اللہ ﷺ کے اخلاق ہی ہے'' غرض یہ ہے کہ قرآن شریف رسول اللہ ﷺ کے اخلاق ہی کا تمام مجموعہ ہے اور کوئی ایسا خلق حسن نہیں جس کا ذکر اور جس کی تعلیم قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔ اور یہی مطلب ہے اس حدیث شریف کا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ **انی بعثت لا تمم مکارم الاخلاق** میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔ اس سے پہلے کہ رسول اللہ ﷺ کے خلق عظیم یا آپ کے خصائل وفضائل کے متعلق کچھ عرض کریں۔ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ ہر فضیلت کے مقابلہ میں ایک رزیلت بھی ہوتی ہے مثلاً سخاوت ایک فضیلت ہے اور اس کے مقابلہ میں بخل ایک رذیلت ہے یا شجاعت اور اس کے مقابلہ میں جبن یعنی نامردی۔ اب اصول فن اخلاق سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت ایک حالت متوسط کا نام ہے جس میں افراط وتفریط کا شائبہ نہ ہو اگر کسی فضیلت میں افراط وتفریط پائی جائے تو پھر وہ فضیلت' فضیلت نہیں رہے گی بلکہ رذیلت سے بدل جائے گی۔ فرض کرو سخاوت ایک فضیلت اور اخلاق حسنہ سے ہے۔ اس میں اگر افراط وتفریط ہوجائے تو یہی رذیلت ہوجائے گی۔ کیونکہ سخاوت اپنی حد سے کم ہوجائے تو اس کی بخل کہتے ہیں اور اگر اس سے بڑھ جائے تو یہی اسراف ہے اور یہ دونوں صفتیں مذموم ہیں یا شجاعت کو لیجئے کہ یہ بھی عمدہ صفت ہے اور منجملہ خلق حسن بھی حد سے کم

ہو جائے تو جبن ہوگئی۔ اور اگر حد سے بڑھ جائے تو اسی کا نام تہور ہے اور یہ دونوں صفتیں بھی مذموم ہیں تو ثابت ہوا کہ ہر ایک اخلاق حسنہ کے ساتھ دو رزیلتیں بھی لگی ہوئی ہیں جو افراط وتفریط سے پیدا ہوتی ہیں جب یہ صورت ہے تو ہر خلق حسن ایسا ہونا چاہئے کہ جس میں افراط ہو نہ تفریط بلکہ ایسا ہو جس طرح انسان کی حرارت عزیزی صحت بدن کے لئے اس حرارت کا ایک حال متوسط میں ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ یہی حرارت بڑھ جائے تو انسان محرور اور اگر کم ہو جائے تو مفلوج ہو جاتا ہے۔ اس قاعدہ کی بناء پر جب ہم رسول اللہ ﷺ کے جملہ اخلاق حسنہ سے ہر ایک خلق کو فرداً فرداً بھی جانچتے ہیں تو سبحان اللہ عام ازیں کے وہ آپ کے اقوال میں داخل ہو یا افعال میں اس قاعدہ کے بالکل مطابق پاتے ہیں اس میں افراط ہوتی ہے نہ تفریط یا یوں سمجھ لو کہ ایک ترازو ہے جس کے دونوں پلڑے برابر برابر ہیں۔ جو فضائل انسان میں پائے جاتے ہیں اس کی تین قسمیں ہوسکتی ہیں ایک وہبی دوسری کسبی تیسری ممتزج' وہبی وہ جو محض خدائے تعالیٰ کے عطا کردہ ہوں اور اس میں کسب کو دخل نہ ہو جیسے حسن و جمال' حسب ونسب وغیرہ' کسبی وہ جو آدمی کے کسب وکوشش سے حاصل ہو سکتے ہیں جیسے علم وغیرہ اور ممتزج وہ اخلاق ہیں جو من وجہ وہبی اور من وجہ کسبی ہوں مثلاً حلم' تواضع' سخاوت' شجاعت' عدل وغیرہ جب رسول اللہ ﷺ کے جملہ فضائل پر جو سراسر وہبی محض ہیں نظر غائر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اخلاق اس تقسیم کے لحاظ سے بھی بالکل مکمل ہیں۔ اور آپ کی ذات ستودہ صفات ان تینوں قسم کے فضائل کی جامع ہے چنانچہ یہاں بعض فضائل وخصائل اجمالی طور پر مذکور کئے جاتے ہیں۔

حسن صورت:۔ رسول اللہ ﷺ کے حسن و جمال اور تناسب اعضاء کے متعلق کثرت سے روایتیں آئی ہیں مثلاً براء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ خلیق تھے۔ آپ دراز قد تھے نہ کوتاہ قامت۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر خوبصورت کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک آفتاب ہے اور جب آپ تبسم فرماتے تو یہ معلوم ہوتا کہ آپ کے دندان مبارک سے نور نکل رہا ہے۔ ابن ابی ہالہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک ایسا چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔

شرف نسب:۔ واثلہ ابن اسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے

ابراہیم کی اولاد میں اسماعیل کو اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ میں قریش کو اور قریش میں بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں مجھ کو بزرگی بخشی ہے۔عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے تعالیٰ جملہ مخلوقات میں سے آدم کو اور بنی آدم سے عرب کو اور عرب میں قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں مجھ کو برگزیدہ کیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے آدم علیہ السلام کی صلب میں زمین پر اتارا۔پھر نوح وابراہیم علیہما السلام کی صلب میں منتقل کر دیا یہاں تک کہ میں پاک مردوں کی صلب اور پاک عورتوں کے رحم سے منتقل ہوتے ہوئے اپنے والدین تک پہنچا۔

حلم وعفو:۔رسول اللہ ﷺ کے حلم وعفو کے متعلق بہت سی روایتیں آئی ہیں اور بے انتہا اس کے نظائر ملتے ہیں اور یہ وہ صفات ہیں جن کی خدائے تعالیٰ نے آپ کو تعلیم دی ہے چنانچہ فرماتا ہے۔**خُذِا لعَفوَ وَامُر بِالعُرفِ** (الاعراف۱۹۹) الخ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے اس کے معنی دریافت فرمائے۔انہوں نے کہا جب تک خدائے تعالیٰ سے دریافت نہ کرلوں نہیں عرض کرسکتا۔جب وہ دوبارہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ جس شخص نے آپ سے قطع تعلق کرلیا اس کے ساتھ صلہ رحم کیجئے اور جس نے آپ کو اپنے عطیہ سے محروم رکھا اس کو عطاء فرمایئے اور جو آپ پر ظلم کیا اس کو معاف کر دیجئے۔غزوہ احد کا ذکر ہے جب اس لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوگیا آپ کے دندان مبارک کو عتبہ بن ابی العاص نے شہید کر دیا تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بہت ہی شاق گذرا۔انہوں نے حضرت کی خدمت میں یہ عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ آپ ان کے لئے خدا سے بددعا کیجئے آپ نے جواباً ارشادفرمایا۔**انی ما ابعث لعاناً اانماًبعثت رحمة اللهم اهد قومی انهم لا یعلمون** یعنی میں لعنت ملامت کرنے کے لئے نہیں بلکہ سرتا پا رحمت بن کر مبعوث ہوا ہوں۔اے اللہ تو میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ وہ جانتی نہیں ہے۔اللہ اللہ ایک وقت وہ تھا کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھے **رَبِّ لَا تَذَر عَلَی الاَرضِ مِن الکافِرِینَ دَیّاَرًا**۔یعنی اے بارخدایا تو زمین پر ایک بھی کافر کو مت چھوڑ سب کو ہلاک کر دے۔اور ایک وہ وقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کفار کے ہاتھوں طرح طرح کی تکلیفیں قسم قسم کی اذیتیں پہنچ رہی ہیں آپ کا چہرہ مبارک لہولہان ہوگیا ہے دندان

مبارک شہید ہوگئے ہیں۔آلام ومصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے مگر آپ فرماتے ہیں خداوندا تو میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ ناواقف ہے اور پھر عذر معذرت دیکھئے کیا خوب ہے۔ارشاد فرماتے ہیں۔ انھم لا یعلمون یعنی اے بارالٰہی اگر وہ قوم مجھ سے جنگ کرتی ہے میرے یار واصحاب کو قتل کرتی ہے میرے چہرہ کو زخمی کرتی ہے اور میرے دانتوں کو توڑتی ہے تو اس کا کیا قصور ہے وہ یہ جانتی نہیں ہے کہ میں تیرا رسول برحق ہوں۔لبید بن اعصم نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر سحر (جادو) کر دیا تھا لوگوں نے آپ کو اس کی اطلاع دی۔وحی کے ذریعہ بھی آپ مطلع کر دیئے گئے کہ آپ پر سحر کیا گیا ہے مگر باوجود قدرت کے آپ نے اس کو اف تک نہیں فرمایا چہ جائیکہ بدلہ لیا جاتا اس قسم کی بیسیوں روایتیں ہیں جس سے آپ کے حلم وعفو کا ثبوت ملتا ہے۔

سخاوت:۔عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے خاص کر رمضان میں تو آپ کی سخاوت کی یہ حالت ہوتی کہ ایک آندھی ہے کہ چل رہی ہے۔حضرت علیؓ جب کبھی آپ کا وصف بیان کرتے تو فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی سب سے زیادہ کشادہ دل سب سے زیادہ راست گو سب سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والے اور سب سے زیادہ نرم دل تھے۔انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے کچھ سوال کیا آپ نے اس کو اس قدر بکرے دئے کہ ان سے ایک وادی بھر سکتی تھی۔عباسؓ کو آپ نے اس قدر سونا عطاء فرمایا کہ وہ اٹھا نہیں سکتے تھے۔ایک مرتبہ نو دہزار درہم کہیں سے آگئے تھے آپ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کر دئے یہاں تک کہ وہ سب ختم ہوگئے۔ایک شخص نے آپ سے کسی مقدار معین کا سوال کیا۔آپ نے فرمایا اسوقت تو میرے پاس نہیں ہے ہاں تو میرے نام قرض لے لے میں اس کو ادا کردوں گا۔حضرت عمر فاروقؓ اس وقت وہاں موجود تھے کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ جس بات پر آپ قادر نہیں ہیں خدا نے آپ کو اس کی تکلیف نہیں دی ہے رسول اللہ ﷺ کو یہ ناگوار گذرا مگر ایک انصار نے کہا یارسول اللہ ﷺ جو کچھ اس وقت حاضر ہو دیدیجئے اور کمی کا خیال نہ فرمایئے۔یہ سن کر آپ نے تبسم کیا اور آپ کے چہرۂ مبارک سے مسرت پائی گئی اور فرمایا کہ مجھے بھی منجانب اللہ یہی حکم ہوا ہے۔

شجاعت:۔رسول اللہ ﷺ میں شجاعت کی صفت انتہائی طور پر پائی جاتی ہے چنانچہ حضرت انسؓ

فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ حسین، سخی، شجیع تھے۔ براءؓ سے پوچھا گیا کہ تم غزوہ حنین میں بھاگ گئے تھے انہوں نے کہا ہاں ہم سے یوں ہی ہوا۔لیکن رسول اللہ ﷺ کا قدم پیچھے نہیں ہٹا تھا۔ میں نے اس روز دیکھا کہ آپ ایک سفید خچر پر سوار اور ابوسفیان اس کی لگام پکڑے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انا النبی و انا ابن عبدالمطلب میں نبی ہوں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں دشمن ہم پر ٹوٹ پڑتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کو پناہ میں لے لیتے اور آپ ہی سب سے زیادہ دشمن کے قریب تھے۔عمران بن حصین کہتے ہیں کہ کوئی ایسی جنگ نہیں جس میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے تلوار نہ اٹھائی ہو۔حضرت نے حسب ذیل غزوات میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ہے۔ بدر، احد، خندق، مصطلق، خیبر، منتج، حنین، طائف۔

حسن معاشرت و وسعت اخلاق:۔قیس ابن سعد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے مکان تشریف لائے جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو سعد نے سواری حاضر کی اور مجھ سے کہا کہ تم بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جاؤ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سوار ہونے کے لئے فرمایا۔لیکن میں نے انکار کیا اس پر فرمایا کہ تم سوار ہو کر چلو یا واپس ہو جاؤ اس کی ضرورت نہیں کہ میں تو سوار ہوں اور تم میرے ساتھ پیادہ پا چلو۔قیس کہتے ہیں کہ خلاف ادب سمجھ کر میں سوار نہیں ہوا اور واپس ہو گیا۔ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص صاحب اخلاق نہیں تھا جب کبھی آپ کے اصحاب یا اہل بیت یا کوئی اور شخص بھی آپ کو پکارتا تو آپ اس کے جواب میں لبیک (حاضر ہوا) فرماتے۔جو شخص آپ کی ملاقات کی غرض سے یا اپنی کسی ضرورت کے لئے آتا تو اس کو اس وقت تک رخصت نہ فرماتے جب تک وہ خود رخصت نہ ہوتا۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا کبھی آپ نے مجھے اف تک نہیں فرمایا۔اور کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا۔عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تبسم کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔

شفقت و رحمت:۔رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس دنیا و اہل دنیا کے لئے سراسر رحمت کاملہ ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین ہم نے تمہیں اہل عالم کے

لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور سینکڑوں واقعات ملتے ہیں جس سے آپ کی شفقت ورحمت کا ثبوت ملتا ہے جن میں سے ایک دو پر اکتفا کیا جاتا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری امت پر شاق نہ گذرتا تو انہیں حکم (حکم وجوب) دیتا کہ ہر وضو کے وقت مسواک کرلیا کریں۔ ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب آپ کی قوم نے جھٹلایا تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کفار نے جو کچھ بدزبانی کی ہے اور تکلیفیں پہنچائی ہیں وہ سب خدائے تعالیٰ جانتا ہے اور ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتہ) کو حکم دیا ہے کہ آپ کے احکام کی تعمیل کرے۔ ملک الجبال نے بھی عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ حکم دیں اگر آپ فرمائیں تو آخشیین (دو پہاڑ کے نام) کو ابھی ان پر گرادوں مگر چونکہ رسول اللہ کی ذات تمام اہل عالم کے لئے عام اس سے کہ وہ مومن ہوں یا کافر۔ انس ہو یا جن۔ فقیر ہوں یا غنی ایک مجسم رحمت ہے اس لئے آپ نے جواباً ارشاد فرمایا نہیں اس طرح ہلاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے امید ہے کہ خدائے تعالیٰ ان سے ایک ایسی قوم کو پیدا کرے گا جو خدائے واحد کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرے گی۔

ایفائے عہد وصلہ رحم:۔ حضرت عبداللہ بن ابی الحماءؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے ایک مرتبہ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ آپ یہیں ٹھیریئے میں ابھی آتا ہوں۔ اس کے بعد بالکل بھول گیا تین روز کے بعد یاد آنے پر گیا تو معلوم ہوا کہ آپ اسی مقام پر تشریف فرما ہیں جہاں تین روز پہلے آپ کو چھوڑا تھا آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا تو نے مجھے بہت تکلیف دی میں متواتر تین روز سے اسی جگہ پر انتظار کررہا ہوں۔ ابوالطفیل کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی آپ نے نہایت عزت واحترام سے اپنی چادر مبارک پر اس کو بٹھلایا میں نے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا یہ آپ کی رضاعی ماں ہیں۔ ابولہب کی ایک لونڈی تھی جو مکہ معظّمہ میں رہتی تھی اور جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا آپ کی عادت تھی کہ مدینہ منورہ سے اس کے لئے کچھ نہ کچھ بھیجا کرتے تھے جب وہ مرگئی تو آپ نے پوچھا کیا اس کے کوئی رشتہ دار ہیں (صلہ رحم کے لئے) کہا گیا نہیں ہیں۔

تواضع: رسول اللہ ﷺ باوجود اپنی علو منزلت ورفعت ومرتبت کے سب سے زیادہ متواضع تھے ابوامامہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم آپ کی تعظیم کیلئے اٹھ کھڑے

ہوئے۔آپ نے فرمایا ایسا کیوں اٹھتے ہو جس طرح ایک عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کو اٹھا کرتے تھے۔ میں ایک بندہ ہوں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک بندہ کھاتا ہے۔اور یوں ہی بیٹھتا ہوں جس طرح ایک بندہ بیٹھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مریضوں کی مزاج پرسی کرتے جنازہ کے ساتھ ساتھ چلا کرتے۔ غلاموں کو جواب دیتے صحابہ کے ساتھ ایسے گھل مل کر بیٹھتے کہ تمیز ناممکن ہوتی جب تک سب بیٹھتے آپ بھی بیٹھتے رہتے۔حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں کیا ہے۔ میں صرف ایک بندہ ہوں یہ کہو کہ خدا کے بندے ہیں اور اس کے رسول۔آپ فرمایا کرتے تھے مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔ نیز فرماتے تھے کہ مجھے یونس بن متی سے افضل اور موسیٰ بن عمران سے بہتر مت سمجھو۔ایک شخص آپ سے یوں مخاطب ہوا یا خیر البریہ۔اے دنیا کے بہترین شخص۔آپ نے فرمایا وہ ابراہیم علیہ السلام تھے۔ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز بازار کو تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا آپ نے بازار سے ایک زیر جامہ خریدا دوکاندار نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دینا شروع کیا۔آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا اس طرح عجمی اپنے بادشاہوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں اس کے بعد چاہا کہ میں زیر جامہ کو اٹھالوں اور آپ کے مکان تک لے چلوں۔مگر آپ نے منع کیا اور فرمایا کہ اپنی چیز کو آپ ہی اٹھانا چاہئے۔

عدل وامانت:۔رسول اللہ ﷺ بعثت سے پہلے بھی **اعدل الناس. آمن الناس** یعنی سب سے زیادہ انصاف کرنے والے اور امانت دار مشہور تھے نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کے معاند ومخالف تھے وہ بھی آپ کو امین کہا کرتے تھے چنانچہ بنائے کعبہ کے بعد حجر اسود کے اٹھانے میں جو نزاع ہوئی تھی اور یہ قرار پایا تھا کہ سب سے پہلے جو شخص آئے گا وہی اس کا مستحق ہوگا اور جب رسول اللہ ﷺ ہی سب سے پہلے اس جگہ تشریف لائے تو انہوں نے کہا **هذا محمد. هذا من رضياً به** . یہ محمد ہے یہ امین ہے ہم اس سے راضی ہیں ربع بن خشیم کہتے ہیں کہ نبوت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ اپنے مقدمات کے تصفیہ کے لئے آپ کو حکم یا سرپنچ بنایا کرتے تھے۔

عفت وصداقت:۔علی المرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ہم تم کو نہیں جھٹلاتے لیکن تم نے جو نئی نئی باتیں نکالی ہیں۔(مراد ہے قرآن۔ایمان۔توحید۔بعثت وغیرہ)

ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ایک روایت ہے کہ جنگ بدر کے روز اخنس بن شریک نے ابوجہل سے کہا اے ابا الحکم یہاں کوئی اور شخص نہیں ہے جو ہماری گفتگو سن سکے۔ یہ تو کہدے کہ محمد تیرے خیال میں جھوٹے ہیں یا سچے۔ ابوجہل نے کہا کہ خدا کی قسم محمد بہت سچے ہیں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں رسوم جاہلیت میں سے دومرتبہ سے زیادہ کسی فعل کے کرنے کا ارادہ نہیں کیا اور جب کبھی قصد کرتا تو منجانب اللہ کچھ نہ کچھ موافعات پیدا ہوجاتے اور پھر اس کے بعد کبھی قصد نہیں کیا۔ یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے منصب نبوت سے مجھے سرفراز فرمایا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک کبھی کسی اجنبی عورت کو نہیں لگا۔

زہد:۔ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمانے تک متواتر دوروز سیر ہوکر کھانا نہیں کھایا۔ اور کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس روز رحلت فرمائی ہے اس دن میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کو انسان کھا سکے ہاں اس محراب میں تھوڑے سے گیہوں پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا اے عائشہؓ مجھے کہا گیا ہے کہ اگر میں چاہوں تو بطحا ومکہ میرے لئے سونے سے بھر دیا جائے۔مگر میں ے عرض کی یا پروردگار میں ایک روز بھوکا رہتا ہوں۔ اور ایک روز کھایا کرتا ہوں جس روز بھوکا رہتا ہوں تیری درگاہ میں گریہ وزاری کرتا ہوں اور جس روز کھاتا ہوں تیری حمد وثناء کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ خدائے تعالیٰ فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو ان پہاڑوں کو آپ کے لئے سونے کے بنادیتا ہوں آپ جہاں کہیں رہیں یہ بھی آپ کے ساتھ رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے تھوری دیر توقف کیا پھر فرمایا یا جبرئیل دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس شخص کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں ان دونوں کو وہی شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ ایک بحر ذخّار ہیں جس کی تاہ نہیں ملتی ایک سمندر ہیں جس کا کنارہ نہیں ملتا۔ ممکن نہیں کہ اس مختصر مضمون میں اس سب کا ذکر جمیل ہوسکے۔ لہذا اسی پر اکتفا کرکے یہہ کہتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔

و صل الله علی نور کروشد نور ها پیدا
زمین از حب او ساکن فلک در عشق او پیدا

☆☆☆

قرآن کس حیثیت سے معجزہ ہے؟

اسلام کو دنیا میں ظہور پذیر ہوئے تیرہ سو برس سے زیادہ زمانہ گزرا اس عرصہ میں ایک نہیں دو نہیں ہزاروں آفتاب علم نے افق اسلام پر طلوع ہوکر دنیا واہل دنیا کو منور کر دیا۔ جس کی نورانی چمک دھمک سے آنکھیں اب تک خیرہ ہیں۔ اسی اسلام میں بیسوں فرقے اور ہر فرقہ میں صدہا امامِ وقت علماء وفضلاء گزرے ہر مسئلہ کی تحقیق کی گئی' ہر اعتقاد کی جانچ پڑتال ہوئی۔ اسی طرح قرآنی تحقیقات میں بھی وہ وہ جدت طرازیاں اور موشگافیاں کی گئیں جس کے دیکھنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید قرآنی تحقیقات ختم ہوگئیں لیکن قرآن چونکہ خدا کا کلام ہے اور کلام اس کی صفت ہے۔ اس لئے اس کے حقائق ومعارف کی کوئی انتہا نہیں' یہی وجہ ہے کہ صرف ایک قرآن کی ہزارہا تفاسیر اور ہر ایک تفسیر کی صدہا جلدیں ہونے کے باوجود دنیا کے ہر ایک گوشہ سے یہی آواز سنائی دیتی ہے کہ ''**القرآن لا تفنی عجائبه ولا تنقضی غرائبه**'' یعنی قرآن کے عجائب وغرائب ختم ہونے ہی کو نہیں آتے ہر زمانہ میں ہر عہد میں ہر وقت دنیائے اسلام میں یہ آواز بھی صدائے بازگشت کی طرح گونجتی رہی کہ قرآن کا جواب نہیں ہوسکتا۔ اور اس حد تک تو سب متفق ہیں لیکن جب یہ سوال پیش ہوتا ہے کہ کس لحاظ سے کس حیثیت سے کس وجہ سے جواب نہیں ہوسکتا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اختلاف نمایاں ہے اور مختلف جوابات دیئے جاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ قرآن میں پیشین گوئیاں ہیں اور یہ کام طاقت بشری سے باہر ہے اس لحاظ سے یہ معجزہ ہے' کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ممکن ہے لیکن جب کوئی اس کا قصد کرتا ہے تو وہ منجانب اللہ باز رکھا جاتا ہے' غرض کوئی کچھ کہتا ہے کسی کی کچھ رائے ہے مگر بالآخر فرقہ اشاعرہ کی اس رائے پر تمام دنیا نے صاد کر دیا کہ فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے قرآن کا جواب نہیں ہوسکتا۔

یہ تو خیر اور بحث ہے کہ کیا فصاحت وبلاغت بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کو خدائے برتر کا کارنامہ قرار دیا جاسکے جس پر آج تیرہ سو برس سے سینہ کا ویان ہو رہی ہے۔ اور حیرت یہ کہ کسی

فردِ بشر کو اس کا خیال تک نہیں آیا کہ اس سوال کا جواب اُسی سے کیوں دریافت نہ کیا جائے جس نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ سنئے قرآن ہی اس کا مدعی ہے اور وہی اس کے جواب دینے پر آمادہ ہے۔

جب خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس کی نظیر ناممکن ہے تو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ وہ اس کی فضیلت وکرامت میں کون کون سے اوصاف بیان کرتا ہے۔ قرآن شریف سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اس میں اس کے مختلف اوصاف کثرت سے ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً خدائے تعالیٰ نے اس کو رہنما، ناصح، نور، حکیم، واضح، بشیر، نذیر سب کچھ فرمایا۔ لیکن کہیں نہیں فرمایا کہ یہ فصیح و بلیغ بھی ہے۔ اور وہی وصف نظر انداز کر دیا گیا جو تیرہ سو سال سے مدار اعجاز قرار دیا گیا ہے۔ کیا بلحاظ ہدایت وحکمت اور کیا بحیثیت تزکیۂ نفس وموعظت قرآن کی نظیر مل سکتی ہے؟ جب نہیں مل سکتی تو کیا وجہ ہے کہ اس کو معجزہ نہ قرار دیا جائے اور وہ وصف داخل اعجاز کیوں ہو جس میں قرآن ساکت وصامت ہے اس سے یہ مطلب نہیں کہ قرآن فصیح و بلیغ نہیں یا فصاحت و بلاغت میں اس کا جواب ہوسکتا ہے۔ حاشاء وکلا اس کا جواب ہوا نہ ہوسکتا ہے۔ اس وصف میں قرآن کی نظیر ملی نہ قیامت تک مل سکتی ہے۔ یہ صحیح کہ فصاحت و بلاغت میں قرآن کا جواب ناممکن ہے یہ بھی صحیح کہ قرآن اس وصف کے لحاظ سے ایک معجزہ ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہوسکتا کہ اس وصف کے علاوہ کسی اور لحاظ سے معجزہ نہیں ہوسکتا۔ خود قرآن شاہد وناطق ہے کہ وہ ہدایت کے لحاظ سے معجزہ ہے۔

قل فأتوا بكتاب من عندالله هواهدىٰ منهمااتبعه ان كنتم صادقين یعنی کہہ دو اے محمدؐ کہ کوئی کتاب جو ان دونوں کتابوں (قرآن وتوریت) سے زیادہ ہدایت کرنے والی ہے لا دو تو میں اسی کی اتباع کرتا ہوں اگر تم راست گو ہو۔ (القصص ۴۹)

اس آیہ کریمہ کے لحاظ سے کیا یہ ممکن نہیں کہ قرآن مجید ہدایت کی حیثیت سے بھی معجزہ قرار دیا جائے جبکہ اس خصوص میں کتب منزلہ کے سوا کوئی اور کتاب اس کا جواب نہیں ہوسکتی۔

☆☆☆☆☆

حضور اکرم ﷺ کی تاریخِ وصال

رسول اللہ ﷺ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ یکم ربیع الاول سے ۱۲/ربیع الاول تک ۱۔۲۔۸۔۹۔۱۲ تک مختلف تاریخیں بیان کی جاتی ہیں۔ اس اختلاف کے باوجود دو باتیں یقینی طور پر معلوم ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے جب آخری حج ادا فرمایا جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں تو یوم العرفہ یعنی ۹/ذالحجہ کو جمعہ تھا۔

(۲) دوسری بات یہ کہ وفات شریف دوشنبہ کو ہوئی۔

ان دونوں باتوں میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے۔ اس لئے وفات شریف کی جو بھی تاریخ قرار دی جائے وہ یوم دوشنبہ ہونا ضروری ہے۔ عام طور پر تاریخ کے بارے میں مشہور روایت جو زبان زد خاص وعام ہے وہ ۱۲/ربیع الاول ہے۔ یہ واقدی کی روایت ہے۔ علامہ قسطلانی نے بھی مواہب میں ابن رجب کے حوالہ سے اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ مگر یہ تاریخ محل تامل ہے۔ کیونکہ جب ۹/ذالحجہ کو جمعہ تھا تو یہ بات سہولت کے ساتھ دریافت کی جاسکتی ہے کہ ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کا دن کونسی تاریخوں میں آتا ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ ماہ ذوالحجہ، ماہ محرم اور ماہ صفر تینوں مہینے اُنتیسے یا تیسے یا بعض انتیسے اور بعض تیسے فرض کئے جائیں تو کسی صورت میں بھی ۱۲/ربیع الاول کو دوشنبہ نہیں آتا۔ حالانکہ یوم وفات دوشنبہ ہونا ضروری ہے۔ البتہ ان تینوں مہینوں میں کوئی دو مہینے ۲۹ دن کے اور ایک مہینہ ۳۰ دن کا فرض کیا جائے تو اس صورت میں یوم دوشنبہ یکم ربیع الاول اور ۸/ربیع الاول کو۔ اور اگر تینوں مہینے انتیسے قرار دیئے جائیں تو روز دوشنبہ ۲/ربیع الاول اور ۹/ربیع الاول کو آتا ہے اس لئے وصال شریف کی تاریخ ۱۲/ربیع الاول تو کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی۔

تاریخ وصال کے تعین میں ایک اور طرح سے بھی بحث وتحقیق کی جاسکتی ہے وہ یہ کہ جس

طرح یوم وفات دوشنبہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے اسی طرح یہ امر بھی متفق علیہ ہے کہ مزاج اقدس کی علالت کا آغاز صفر کے آخری چہارشنبہ کو ہوا ہے۔ البتہ مدت علالت میں اختلاف ہے۔ بعض کے پاس تیرا' اور بعض کے پاس چھ دن ہے۔ جنہوں نے مدت علالت تیرہ دن قرار دی ہے ان کے پاس آخری چہارشنبہ ۲۹ رصفر کو تھا اور پنجشنبہ کو یکم ربیع الاول تھی اس حساب سے انہوں نے ۱۲ ربیع الاول یوم دوشنبہ کو تاریخ وفات قرار دی۔ لیکن یہ استدلال قطعاً غلط ہے۔ بنائے غلطی یہ ہے کہ جب ۹ رذی الحجہ کو جمعہ تھا تو کسی صورت میں بھی صفر کا آخری چہارشنبہ ۲۹ رکو نہیں آتا بلکہ ۲۵ ر یا ۲۶ رصفر کو آئے گا۔ اور علالت کے تیرہ دن ۱۲ ربیع الاول کو نہیں بلکہ ۸ ر یا ۹ ربیع الاول کو پورے ہوں گے اس لئے بعض اہل سیر نے ۸ راور بعض نے ۹ ربیع الاول تاریخ وفات قرار دی ہے۔

بعض مورخین ومحدثین کے پاس مدت علالت چھ یوم ہے۔ اس لحاظ سے جب آخری چہارشنبہ ۲۵ ر یا ۲۶ رصفر کو آتا ہے تو مدت علالت پہلی یا دوسری ربیع الاول کو پوری ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے امام سہیلی نے جنہوں نے سب سے پہلے ۱۲ رتاریخ کو تغلیط کی ہے۔ تاریخ وفات یکم ربیع الاول قرار دی ہے۔ اور بعض قدیم تاریخوں میں دوم ربیع الاول ہے۔ چنانچہ تاریخ طبری' تاریخ یعقوبی' تاریخ مسعودی میں اور نیز محدث کبیر امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ۲ ربیع الاول رکھی ہے۔ اور خود واقدی سے بھی ایک روایت ۲ ربیع الاول کی ملتی ہے۔ ۸ راور ۹ رکے مقابلہ میں یکم ودوم درایۃً وروایۃً صحیح ہیں بلکہ دوم ربیع الاول اصح ہے۔ اور اکثر مورخین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ مہدویہ کے پاس یہ تذبذب اور یکم ودوم کا اختلاف اس طرح رفع ہوگیا ہے کہ امامنا حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرس مبارک کا اہتمام دوسری ربیع الاول کو فرمایا ہے۔ لہذا رسول اللہ ﷺ کے وصال شریف کی صحیح تاریخ ۲ ربیع الاول ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلام میں تصورِ مہدیت

تمام اسلامی احکامات اور تعلیمات کا ماخذ قرآن مجید اور احادیث شریفہ ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے ارشادات اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے جو بات ثابت ہو وہ مسلمان کے لئے واجب الاعتقاد اور واجب التعمیل ہے' کیونکہ فرامین خدا اور رسول ہی مسلمانوں کے منتہائے سوال ہیں' خدا اور رسول کے حکم سے جو بات ثابت ہو اس پر ایمان لانا اور اس کو سچ جاننا ضروری ہے۔ اور تمام عقائدِ اسلامی اور اعمال اسی اصول پر مبنی ہیں۔ مثلاً توحید' نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کی فرضیت' بت پرستی اور شراب کی حرمت۔ اسی طرح آخرت اور اس کے متعلقات جیسے جنت' دوزخ' حوضِ کوثر' عذابِ قبر' قیامت اور اس کے علامات جیسے آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا' دابتہ الارض کا خروج' حشر' نامۂ اعمال' میزان' صراط وغیرہ۔ غرض بہت سے ایسے عقائد اور اعمال ہیں کہ ہم سب مسلمان ان پر اسی لئے ایمان لاتے ہیں کہ یہ باتیں خدا اور رسول ﷺ کے حکم سے ثابت ہیں۔ جن عقائد و اعمال کے سچ ہونے کا مسلمان یقین کامل اور اعتقاد جازم رکھتے ہیں' ان کے منجملہ بعض ایسے ہیں کہ قرآن شریف میں صاف وصریح طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض بالاجمال اشارتاً مذکور ہیں۔ اور احادیث حضرت رسالت پناہی سے ان کی تفصیل ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ کے بارے میں قرآن مجید میں صرف اس قدر حکم دیا گیا ہ کہ ''**اقیموا الصلوٰۃ' آتوا الزکواۃ**'' نماز پڑھو اور زکواۃ دو۔ مگر یہ تفصیل کہ نماز کس طرح پڑھی جائے اور ارکان کی ترتیب کیا ہو۔ اس کے فرائض وواجبات' سنن ومستحبات اور مکروہات اور نواقضات کیا ہیں۔ اور اسی طرح زکوٰۃ کون ادا کریں اور کب ادا کریں اور کس چیز سے کس مقدار میں ادا کریں یہ تمام تفصیلات احادیث ہی سے ثابت ہوتے ہیں' حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت یا آپ کی مہدیت موعودہ کا مسئلہ بھی قرآن مجید سے اسی طرح ثابت ومتحقق ہے جس طرح کتب سماویہ سے حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت انبیائے سابقین کی بشارتوں سے ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں۔

اخبر بمجیه فی الکتب السماویة کما ذکر فی التوراة جاء الله من طور سیناواشرق من سعیروا ستعلن من جبال فاران.

یعنی خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر کتب آسمانی میں دی ہے' چنانچہ توریت کی ایک آیت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ طور سینا سے آیا سعیر سے چمکا اور فاران کی پہاڑیوں سے نکلا۔

اس آیت توریت میں طور سینا سے خدا کے آنے سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور سعیر سے خدا کے چمکنے سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور فاران سے خدائے تعالیٰ کی آمد سے حضرت رسول اللہ ﷺ کا مبعوث ہونا مراد ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کی متعدد آیات میں امام مہدی علیہ السلام کی بعثت کا اشارۃً ذکر کیا گیا ہے اور احادیث شریفہ سے اس کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

افمن کان علی بینة من ربه (جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے بیّنہ پر ہے) **قل هذه سبیلی ادعوا الی الله علی بصیرة انا ومن اتبعنی** (محمد کہدو کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بصیرت پر بلاتا ہوں اور وہ شخص جو میرا تابع ہے) **فسوف یاتی الله بقوم** الخ (قریب ہے خدائے تعالیٰ ایک قوم کو لائے گا یا ایک قوم کے ساتھ خود آئے گا) توریت کی آیت کے صرف ایک ہی معنی ہیں کہ اللہ طور سینا سے آیا۔ سعیر سے چمکا اور فاران یعنی مکہ کی چوٹی سے نکلا' لیکن قرآن مجید کی آیت'' **یاتی الله بقوم**'' میں دو احتمال ہیں اگر قوم کی با کو ہائے تعدیہ لیں تو معنی یہ ہیں کہ اللہ ایک قوم کو لائے گا اور اگر بائے مصاحبت لیں تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ ایک قوم کے ساتھ آئے گا۔ مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت میں قوم سے بندہ کی گروہ مراد ہے۔

ان آیات میں مفسرین کے اختلافات اور ان کے رطب و یابس وتاویلات سے قطع نظر ہمارے پاس خط کشیدہ الفاظ سے امام مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس' اور ان کے گروہ مراد ہے۔ ان آیات اور دوسری متعدد آیت کے بارے میں حضرت مہدی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ فلاں آیت میں فلاں لفظ سے تمہاری ذات مراد ہے۔ چونکہ حضرت مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ اور معصوم عن الخطا ہیں۔ آپ کے فرمان اور واجب الاذعان کے مقابلہ کسی

مفسر کا قول کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ہم ان آیات پر جن کی تعداد ۱۵۔۲۰ تک پہنچتی ہے۔ تفصیلی بحث کو کسی اور وقت پر موقوف رکھتے ہیں۔ اس وقت احادیث حضرت رسالت پناہی ﷺ کی روشنی میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ آغازِ اسلام سے مہدیت اور مہدویت کا کیا تصور رہا ہے۔

(۱) امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مہدی میری عترت سے اولاد فاطمہؓ سے ہیں۔

(۲) ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ مہدی، ہم اہل بیت میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں ایک ہی رات میں صلاحیت پیدا کر دے گا۔

(۳) ابن ماجہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مہدی اولادِ فاطمہؓ سے ہیں''

(۴) ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی میری اولاد سے ہیں، پیشانی روشن اور بینی بلند ہوگی۔ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسا کہ ظلم وجور سے بھر جائے گی سات سال تک مالک رہیں گے۔

(اس حدیث شریف میں تمام روئے زمین مراد نہیں بلکہ صرف وہ زمین مراد ہے جہاں آپ مبعوث ہوں گے اور وہاں کے لوگ آپ کی بیعت سے مشرف ہوں گے۔ عدل وانصاف سے ایمان اور ظلم وجور سے کفر وطغیان مراد ہے)

(۵) طبرانی اور ابونعیم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک میری اہل بیت سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو مبعوث نہ کرے گا جس کا نام میرے نام اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے جیسا ہوگا۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، جس طرح ظلم وجور سے بھری ہوگی۔

(۶) امام احمد بن حنبلؒ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہ آئے گی جب تک میری اہل بیت سے ایک شخص مالک نہ ہو جائے جو بلند پیشانی اور سطواں ناک والا ہوگا۔ زمین کو عدل سے بھر دے گا، جس طرح ظلم سے بھری ہوگی، سات سال زندہ رہے گا۔

(۷) ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بالفرض دنیا ختم ہونے کو ایک ہی دن باقی رہ جائے گا تو خدائے تعالیٰ اس ایک دن کو اس قدر دراز فرمادے گا کہ میری اہل بیت سے ایک شخص مبعوث ہوجائے جس کا نام میرے نام کے اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا۔

(۸) امام احمد بن حنبلؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ امت ہرگز ہلاک نہ ہوگی جس کے اول میں' میں ہوں اور عیسیٰ ابن مریم اس کے آخر میں ہیں اور مہدی درمیان مدت میں ہیں۔

(۹) طبرانی نے عوف بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اہل بیت سے وہ نکلے گا جس کو مہدی کہتے ہیں پس اگر تم اس کو پاؤ گے تو اس کی اتباع کرو۔ اور ہدایت یافتہ ہوجاؤ۔

(۱۰) ترمذی نے روایت کی ہے کہ ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ ہمیں ڈر تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی حدث (فتنہ) ہو۔ پس ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ مہدی میری امت سے نکلے گا۔ پانچ یا سات یا نو سال زندہ رہے گا۔

اس حدیث کے مطابق پہلی مرتبہ مکہ معظّمہ میں ۹۰۱ھ میں دعویٰ مہدیت کے بعد نو سال دوسری مرتبہ احمد آباد میں ۹۰۳ھ میں دعویٰ کے بعد سات سال اور تیسری مرتبہ بڑلی میں ۹۰۵ھ میں دعویٰ موکدہ کے بعد حضرت مہدی علیہ السلام کی حیات طیبہ پانچ سال رہی۔

(۱۱) ابن ماجہ' حاکم اور ابونعیم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند فتنوں کا ذکر کرکے فرمایا کہ پھر اس کے بعد خدا کے خلیفہ مہدی آئیں گے' جب تم کو مہدی کی خبر ملے تو ان کے پاس جاؤ۔ اور ان سے بیعت کرو اگر تم کو برف پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے کیوں کہ وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہیں۔

اس حدیث شریف سے مہدی علیہ السلام سے بیعت کرنا فرض ثابت ہورہا ہے کیونکہ حضرت کے الفاظ ''اس سے بیعت کرو'' فرضیت پر دلالت کرتے ہیں اور برف پر سے رینگتے ہوئے

جانے کے حکم سے فرضیت کی تائید ہورہی ہے۔اور یہ الفاظ کو وہ ''اللہ کے خلیفہ ہیں'' فرضیت کی علّت پر دلالت کرتے ہیں۔پس مہدی علیہ السلام کا خلیفہ ہونا اور آپ سے بیعت فرض ہونا اس حدیث سے ثابت ہے۔

یہ چند حدیثیں مشتے نمونہ از خروارے ہیں حالانکہ مہدی علیہ السلام کی بعثت کے بارے میں جو احادیث شریف وارد ہیں۔وہ دوسرے احکام ومسائل میں وارد شدہ احادیث سے بلحاظ کثرت روایت اور کثرت تعداد اور بلحاظ جامعیت بہت زیادہ ہیں۔تعداد احادیث کی نسبت محدثین کی رائیں مختلف ہیں۔جس کو جس قدر حدیثیں ملیں اس نے اسی قدر تعداد لکھ دی۔ملا علی قاری نے ''المشرب الوردی'' میں لکھا ہے کہ مہدی علیہ السلام کے بارے میں تین سو حدیثیں مروی ہیں۔احادیث مہدی علیہ السلام کثیر التعداد میں صحابہؓ سے مروی ہیں۔ان میں ایسے جلیل القدر صحابہ بھی ہیں جن کی روایت مرجح سمجھی جاتی ہے اور صحابہ کی اتنی تعداد اور دوسرے مسائل میں کم پائی جاتی ہے' ان احادیث کو جن جلیل القدر محدثین نے اپنی اپنی صحاح ومسانید یا مجموعہ احادیث میں روایت کیا ہے ان میں مشہور مشہور محدثین اور ائمہ حدیث شامل ہیں۔

ان محدثین نے احادیث مہدی علیہ السلام کو اپنی صحاح ومسانید میں کتاب الفتن یا کتاب القیامہ کے تحت لکھا ہے' اور بعض نے ظہور مہدی کا خاص باب باندھا ہے۔ان تمام حدیثوں کی طرح جو عموماً تمام اسلامی احکام' اسلامی عقائد اور اسلامی اعمال کا ماخذ ہیں۔مہدی علیہ السلام کی متعلقہ احادیث بھی حدیث کی اکثر کتابوں میں موجود ہیں۔بعض علمائے اہلِ سنت نے ان احادیث کے مجموعے تیار کئے ہیں جو خاص حضرت مہدیؑ کی شان میں وارد ہیں۔علمائے اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ مہدی علیہ السلام کے متعلق جو احادیث حضرت رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں کہ وہ تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔چنانچہ امام قرطبی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ سے مہدی علیہ السلام کے بارے میں راویوں کی کثرت کے ساتھ متواتر ومستفیض اخبار وارد ہیں۔اور نیز یہ کہ مہدی علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے ہیں''

ابن حجر مکی نے القول المختصر میں لکھا ہے۔''بعض حفاظ ائمہ حدیث کا قول ہے کہ مہدی علیہ

السلام کا آل رسول علیہ السلام سے ہونا تواتر اً مروی ہے۔''

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔

''مہدی علیہ السلام کے متعلق متواتر المعنی کثیر احادیث وارد ہیں'' (باب الساعۃ)

پھر لکھتے ہیں: ''مہدی علیہ السلام کے اہل بیت رسول اللہ ﷺ اولاد فاطمہؓ سے ہونے کی احادیث تواتر معنوی کی حد تک پہنچ گئی ہیں''

ملا علی قاری نے المشرب الوردی میں لکھا ہے۔

''مہدی علیہ السلام کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے متواتر اخبار وارد ہیں اور یہ کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے ہیں''

اہل سنت کا متفقہ اعتقاد ہے کہ خبر متواتر سے قطعی اور یقینی علم حاصل ہوتا ہے اس کے ماننے پر آدمی مجبور ہے اور اس کا رد کرنا ممکن نہیں ہے۔ اصول الشاشی میں لکھا ہے کہ

''متواتر موجب علم قطعی ہے' اس کا رد کرنا موجب کفر ہے''

خبر متواتر سے معتزلہ علم قطعی و یقینی کے قائل نہیں بلکہ علم اطمینانی کے قائل ہیں' اہل سنت ان پر کفر کا اطلاق کرتے ہیں۔ اصول یزدوی میں لکھا ہے۔

''یہ کہنا کہ متواتر سے علم اطمینانی حاصل ہوتا ہے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا باطل قول ہے اور کفر تک پہنچاتا ہے''

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اصولِ حدیث کے ضابطہ کے لحاظ سے اخبارِ متواتر کے راویوں کے ضعف وقوت سے بحث نہیں کی جاتی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

والمتواتر لا یبحث عن رجالہ (شرح نخبۃ الفکر)

یعنی ''متواتر کے راویوں سے بحث نہیں کی جاتی''

اس کے باوجود مورخ ابن خلدون نے بے شمار احادیث مہدی علیہ السلام کے منجملہ چند احادیث پر ردوقدح کر کے ان کو ضعیف قرار دینے کی کوشش کی اور سرے سے وجود مہدی کا انکار کر دیا اور اس کی اتباع دوسرے لوگوں نے بھی کی چنانچہ سر سید احمد خاں نے اپنے رسالہ ''مہدی آخر

الزماں'' میں احادیث مہدی کو ایک من گھڑت قصہ قرار دیا۔

ابن خلدون کا جواب مہدویوں میں سے علامہ سید اشرف سمنانی علیہ الرحمہ نے دیا ہے جو اردو زبان میں ''اصلاح الظنون'' کے نام سے چھپ گیا ہے۔ علمائے اہل سنت میں ہندوستان کے مشہور عالم اور پیر طریقت جناب اشرف علی صاحب تھانوی ابن خلدون کا جواب اردو میں لکھا جو ان کے مطبوعہ مجموعہ تالیفات میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ شام کے ایک فاضل جلیل علامہ شیخ محمد بن احمد صدیق نے ابن خلدون کے اعتراضات کا جواب زبان عربی میں لکھا جو '' ابراز الوھم المکنون'' کے نام سے دمشق میں چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔

ابن خلدون کی یہ جراءت دیدنی ہے کہ احادیث صحیحہ کا انکار کر دیا حالانکہ اس سے بہت پہلے علامہ حافظ ابن تیمیہؒ نے احادیث مہدی کی صحت کو تسلیم کر لیا ہے یہ احادیث ان کے پاس قابل حجت اور وہ ظہور مہدی کے منتظر ہیں' اپنی کتاب منہاج السنہ میں لکھتے ہیں:

احادیث المھدی معروفة رواھا الامام احمد وابوداؤد والترمذی

یعنی'' ظہور مہدی کے بارے میں جن احادیث سے حجت لی جاتی ہے وہ احادیث صحیح ہیں۔ ابوداؤد' ترمذی اور امام احمد وغیرہ نے ان احادیث کی روایت کی ہے''

مقام غور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہور مہدی کی خبر دی ہے اور متواتر ہونے کی وجہ سے وہ قطعی و یقینی ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے اخبار فرامین میں یہ تاکید پائی جاتی ہیں کہ جب تک اس کا ظہور نہ ہوگا قیامت نہ آئے گی'' (مسند امام احمد)

''جب تک وہ مبعوث نہ ہو دنیا ختم نہ ہوگی'' (طبرانی)

''بالفرض دنیا ختم ہونے کو ایک دن بھی باقی رہ جائے تو خدائے تعالیٰ اس ایک دن کو اتنا دراز فرما دے گا کہ اس میں مہدی کا ظہور ہو سکے'' (ابوداؤد)

اور آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو یہ تاکید فرمائی کہ

''تمہارے اور اس خلیفۃ اللہ کے درمیان برف کا سمندر بھی حائل ہو تو برف پر رینگتے جاؤ اور اس سے بیعت کرو'' (ابن ماجہ)

ان فرامین کے باوجو کیا کوئی مرد مسلم یہ جراءت کرسکتا ہے کہ حضرت خاتم النبیین مخبر صادق ﷺ نے جس کے ظہور کو اس قدر ضروری فرمایا ہے کہ وہ ایک من گھڑت قصہ ہے۔ حالانکہ انہی تاکیداتِ رسالت پناہی اوراس قطعیت کی وجہ تمام اہل اسلام الا ماشاءاللہ وجود مہدی علیہ السلام کے ضروری ہونے پر متفق ہیں اور اہل سنت علمائے محققین نے اس کی تصدیق فرمادی ہے۔ چنانچہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں لکھا ہے۔

اختلف الناس فی امر المهدی فتوقف جماعة واحالوا العلم الی عالمه واعتقدوا انه واحد من اولادفاطمة بنت رسول الله ﷺ یخرج فی اٰخر الزماں

یعنی'' مہدی کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے ایک جماعت نے توقف کیا اور اس علم کو اس کے عالم (اللہ) پر چھوڑ دیا اوراس بات کے معتقد ہوئے کہ مہدی اولاد فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سے ایک ہے' جو آخر زمانہ میں نکلیں گے۔

علامہ سعدالدین تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں۔

فذهب العلماء الی انه امام عادل من ولد فاطمةؓ یخلقه الله متٰی شاء ویبعثه نصرة لدینه

یعنی''' علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مہدی ایک امام عادل اولاد فاطمہؓ سے ہیں' اللہ تعالیٰ جب چاہے گا انہیں پیدا کرے گا' اوراپنے دین کی نصرت کے لئے مبعوث فرمائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ بعثتِ مہدی کا مسئلہ اسلامی عقائد کا ایک ضروری جزو ہے اور تمام اسلامی فرقے ضرورت بعثت مہدی علیہ السلام کے معتقد ہیں۔ البتہ اگر اختلاف ہے تو صرف تعین شخصی میں کہ وہ موعودِ رسول اللہ کونسی ذات اقدس ہے۔

ہم مہدوی آیات واحادیث کی روشنی میں یقین واثق اوراعتقاد جازم رکھتے ہیں کہ حضرت امامنا سید محمد جونپوری مہدی موعود خلیفۃ اللہ' معصوم عن الخطا اور خاتم ولایت محمدیہ ہیں' موعودِ خدا اور رسول آپ ہی کی ذات اقدس ہے۔

☆☆☆☆☆

بعثتِ مہدی احادیث کی روشنی میں

بحرالعلوم علامہ عبدالعلی ملک العلماء ''اشراط الساعۃ'' میں لکھتے ہیں۔

احادیثے که ال اند برخروج امام مهدی کثیر اند که مبلغ آں بتواتر معنوی رسیده است.

ترجمہ: جو حدیثیں کہ امام مہدیؑ کی بعثت پر دلالت کرتی ہیں بہت ہیں اور تواتر معنوی کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ محدثین اور علمائے امت احادیث مہدی علیہ السلام کے بارے میں تواتر کے قائل ہیں اور یہ صحیح بھی ہے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو احادیث مروی ہیں اگر ہر طبقہ کے راوی کثیر ہوں (جن کی کم از کم حد چار ہے) تو ایسی حدیث کو متواتر کہتے ہیں۔ اگر تمام سلسلہ ہائے روایت میں انہی الفاظ سے روایت ہوئی ہو تو ایسی حدیث کو متواتر اللفظ والمعنی کہیں گے۔ اور اگر تمام طریق اسناد میں الفاظ متحد نہ ہوں لیکن سب کا مضمون یا معنی و مطلب متحد ہو تو ایسی احادیث متواتر المعنی کہلاتے ہیں اور ان دونوں احادیث یعنی متواتر باللفظ و متواتر بالمعنی کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ احادیث شریفہ جو وجود مہدی علیہ السلام پر دلالت کرنے والی ہیں اپنی کثرتِ تعداد اور کثرت رواۃ کے باعث متواتر کی کسی نہ کسی تعریف میں ضرور داخل ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محدثین اور امہ اصول کا یہ مسلمہ ضابطہ ہے کہ حدیث متواتر سے علم یقینی واضطراری حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ہر مسلمان اس امر کے یقین کرنے پر مجبور ہے کہ جو الفاظ یا جو مفہوم اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے اس کی نسبت حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف صحیح ہے اور اہل سنت کا یہ ضابطہ ہے کہ جس قول و فعل یا امر کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف یقینی طور پر صحیح ثابت ہو جائے تو ہر مسلمان پر اس کی صحت کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی ''شرح نخبۃ الفکر'' میں لکھتے ہیں:

وھٰذا کون المتواتر مفیداً للعلم الیقین ھوالمعتمد لان خبرالتواتر یفید العلم الضروری و ھوالذی یضطر الانسان الیہ بحیث لایمکن دفعہ

ترجمہ: یہ مسئلہ یعنی خبر متواتر سے علم یقینی کا فائدہ حاصل ہونا مذہب مختار ہے۔ کیونکہ خبر متواتر سے علم ضروری حاصل ہوتا ہے جس کے ماننے پر آدمی مضطر و مجبور ہے کہ اس کا رد کرنا ممکن نہیں۔

چونکہ حدیث متواتر سے جو مفہوم ثابت ہو رہا ہے اس کی نسبت آنحضرت ﷺ روحی فداہ کی طرف قطعاً صحیح ہوتی ہے اور اس سے ایسا علم یقینی واضطراری حاصل ہوتا ہے کہ اس کا انکار ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی لئے اصول حدیث کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ حدیث متواتر کا انکار کفر ہے۔ چنانچہ علامہ نظام الدین شاشی ''اصول الشاشی'' میں لکھتے ہیں کہ:

ثم المتواتر یوجب العلم القطعی و یکون ردہ کفراً

ترجمہ: حدیث متواتر موجب علم قطعی ہے اور اس کا رد کرنا کفر ہے۔

اس کے برخلاف معتزلہ خبر متواتر سے علم اطمینانی حاصل ہونے کے قائل ہیں۔ اس کے جواب میں اہل سنت کی طرف سے ''ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی'' میں لکھا ہے۔

و من ھٰھنا ظھران العلم الحاصل بالمتواتر علم قطعی کالعیان الاکما ظن المعتزلۃ انہ یوجب علم طمانیۃ و اطمینان لاحتمال الکذب.

ترجمہ: اس سے ظاہر ہے کہ متواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ معائنہ کی طرح قطعی علم ہے اور معتزلہ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ احتمالِ کذب کی وجہ سے خبر متواتر سے علم اطمینانی حاصل ہوتا ہے۔

اصولِ فقہ کی مشہور کتاب ''اصول بزدری میں معتزلہ کے اس خیال کی نسبت لکھا ہے کہ:

وھٰذالقول بان المتواتر یوجب علم طمانیۃ لایقین قول باطل یودی الی الکفر.

ترجمہ: یہ کہنا کہ متواتر سے علم اطمینانی حاصل ہوتا ہے، علم یقینی نہیں باطل قول ہے جو کفر تک پہنچاتا ہے۔

چنانچہ احکام اسلامی میں اس کی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں مثلاً معراج، مسح خفین، عذابِ قبر، ترتیب صلوٰۃ غرض کئی مسائل ہیں جو قرآن شریف میں صراحتاً درج نہیں ہیں اور کسی متواتر اللفظ حدیث سے بھی ان کا ثبوت نہیں۔ لیکن جن متواتر بالمعنی احادیث سے ان کا ثبوت ملتا ہے ان سب کے جزو

مشترک سے یہی مفہوم مستنبط ہوتا ہے کہ مسائل مذکورہ یعنی معراج، مسح خفین، عذابِ قبر، ترتیب الصلوٰۃ قطعی ویقینی ہیں۔ اسی لئے کتب عقائد وعلم کلام میں یہ مسائل اس حیثیت سے مذکور ہوئے ہیں کہ ان کی صحت کا اعتقاد رکھانا ہر مسلمان پر لازم اوران کا انکار موجبِ کفر ہے۔

پس ان ہی مسائل کی طرح مہدی علیہ السلام کی بعثت بھی احادیث متواترہ سے ثابت ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان کے لئے ضروری الاعتقاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قریباً تمام اسلامی فرقے الا ماشاءاللہ ضرورت بعثت مہدی علیہ السلام کے معتقد ہیں۔

منطقی طور پران اقوال سے یہ مقدمات ثابت ہوتے ہیں کہ:

(۱) وجود مہدی علیہ السلام حدیثِ متواتر سے ثابت ہے۔

(۲) جو بات احادیث متواترہ سے ثابت ہو وہ قطعی ویقینی ہے اس کا رد یا انکار ناممکن اور موجب کفر ہے

ان دونوں مقدمات سے یہی نتیجہ برآمد ہوا کہ

''وجود مہدی علیہ السلام از روئے احادیث قطعی ویقینی ہے جس کا رد کرنا موجب کفر اور نا ممکن ہے۔''

پس کوئی مسلمان نہ اس میں تامل وانکار کرسکتا ہے نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام کا عقیدہ ہی سرے سے قابلِ قبول نہیں ہے۔ حالانکہ اس موعود رسول اللہ کا ظہور ضروری ہونے کی تاکیدات احادیث میں پائی جاتی ہیں کہ

جب تک اس کا ظہور نہ ہو قیامت نہ آئے گی۔ جب تک وہ مبعوث نہ ہو دنیا ختم نہ ہوگی۔

اگر دنیا ختم ہونے کو ایک دن یا ایک رات ہی باقی رہ جائے تو خدا تعالیٰ اس ایک دن یا ایک رات ہی کو اتنا دراز فرمادے گا کہ اس میں اس کا ظہور ہو جائے۔

امت کو یہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ: تمہارے اوراس خلیفۃ اللہ کے درمیان برف بھی حائل ہو تو تم برف پر سے رینگتے ہوئے جاؤ اوراس سے بیعت کرو۔

کیا کسی کی عقل باور کرسکتی ہے کہ مخبر صادق ﷺ نے جس ذات کے ظہور کو اس قدر ضروری اوراہم فرمایا ہے وہ ایک غیر ضروری مسئلہ بن جائے۔ حالانکہ یہ احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے۔

اصول حدیث کا ایک اور ضابطہ ہے کہ اخبارِ متواترہ کے راویوں کے ضعف وقوت سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ فاسقوں اور کافروں کی روایت بھی اگر حد تواتر تک پہنچ جائے تو موجبِ یقین اور موجبِ عمل ہوتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر اعسقلانی شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں:

والمتواتر لا يبحث عن رجاله بل يجب عليه العمل لا يجابه اليقين وان ورد عن الفساق بل عن الكفره.

متواتر کے راویوں سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ بغیر بحث کے اس پر عمل کرنا واجب ہے کیونکہ وہ موجبِ یقین ہے اگر چہ فاسقوں بلکہ کافروں سے روایت ہوئی ہو۔

لیکن بعض ایسے اصحاب نے جو نہ محدث ہیں اور نہ اصولِ حدیث سے کافی واقفیت رکھتے ہیں اس مسلمہ ضابطہ کے خلاف احادیث متواترہ میں بھی ضعف وقوت کی بحث کرنے کی غلطی کی ہے۔ اور اپنے زعمِ باطل میں بعض احادیث کے راویوں کی نسبت جرح وطعن کر کے اور بعض تاریخی واقعات سے احادیث کے مضمون کو تطبیق دینے کی کوشش کر کے نتیجہ نکالا کہ احادیث مہدی بنائی ہوئی اور موضوع ہیں۔ حالانکہ معترضین نے جن وجوہ و دلائل پر اپنی اس غلط رائے کی بنا رکھی ہے' انہی وجوہ و دلائل پر سرسری طور پر غور کرنے سے ان کا یہ بیان کئی وجوہ سے مخدوش ثابت ہوتا ہے مثلاً

ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق جس قدر احادیث وارد ہیں ان کثیر احادیث میں سے چند حدیثوں کی نسبت ان معترضین نے ردوقدح کی ہے اور ان کے راویوں پر جرح وطعن ہونا ظاہر کیا ہے۔ اگر ان کی رائے کے موافق فرضاً وتقدیراً ان احادیث کو مجروح ہی مان لیا جائے تو پھر بھی کئی حدیثیں ایسی رہ جاتی ہیں جن کی کوئی تغلیط نہیں ہوئی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جب تک کُل کی کُل احادیث جو اس بارے میں وارد ہیں مجروح نہ ثابت ہوں نفسِ وجود مہدی علیہ السلام بے اصل نہیں ثابت ہوسکتا۔ کیونکہ ایک حدیث بھی صحیح ثابت ہوجائے تو نفسِ وجود ثابت ہونے کے لئے کافی ہے چنانچہ اکثر فقہی مسائل صرف ایک ایک حدیث ہی سے ثابت کئے گئے ہیں۔ خلافت کا سا اہم مسئلہ جب کہ انصار ومہاجرین میں مابہ النزاع تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صرف ایک حدیث پیش کرنے سے تصفیہ پا گیا اور انصار کو مسکت کر دیا۔ اسی طرح اور بہت سے احکام اور قضایا ایک ایک دو دو حدیث پر ہی مبنی ہیں۔

جن احادیث پر رد و قدح کی گئی ہے ان کے بعض خاص سلسلہ پر بحث کی گئی ہے حالانکہ مہدی علیہ السلام کی اکثر حدیثیں ایسی ہیں جن کو متعدد محدثین نے اپنی صحیح ومسانید وغیرہ میں مختلف سلسلہ روایت سے تخریج کی ہے۔ پس اگر فرض کرلیا جائے کہ معترضین نے جن خاص محدثین کے سلسلہ کو مخدوش ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ صحیح بھی ہے تو اس سے صرف وہی سلسلۂ روایت ضعیف ثابت ہوگا اور دوسرے سلسلہ ہائے روایت پر جن میں وہ مطمون ومجروح اشخاص داخل نہیں ہیں۔ اس کا کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ پس جب تک تمام سلسلہ ہائے روایت واسناد مجروح ومخدوش ثابت نہ کئے جائیں نفسِ حدیث مجروح نہیں ہوسکتی۔ اور جب تک نفسِ حدیث مخدوش نہ ہو وہ مفہوم جو اس حدیث سے مستنبط ہورہا ہے کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔

اکثر طعن وجرح ایسی ہے جو سطحی طور پر غور کرنے سے صحیح قائم نہیں رہ سکتی اور اس جرح کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ کئی راویوں کی نسبت جرح کے ساتھ ان کی تعدیل بھی معترض نے درج کی ہے۔ جس سے حسبِ ضابطہ **المثبت مقدم علی النافی فی جرح** کا اثر خود کم ہوجاتا ہے۔

بعض جرحین ایسی ذکر کی گئی ہیں جن سے خاص احادیث مہدی علیہ السلام پر کچھ اثر نہیں پڑسکتا۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ فلاں حدیث مشکوٰۃ اور مشہور محدث حاکم کی ہے' مستدرک' میں ایک سو حدیثیں موضوع ہیں۔ اس جرح سے خود یہ ثابت ہورہا ہے کہ حاکم کی مستدرک میں جو کئی ہزار حدیثیں ہیں ان میں سے ایک سو کے سوا باقی سب صحیح ہیں۔ اور یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ یہ حدیث بھی انہی سو حدیثوں میں ہے۔ اس سے اس خاص حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ اور اگر اس سے حاکم کی مستدرک کی کل مندرجہ احادیث کو ضعیف ثابت کرنا مقصود ہو تو یہ اصولِ حدیث کے خلاف ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو پھر حدیث کی کوئی کتاب بھی قابلِ اسناد نہیں قرار دی جاسکتی کیونکہ کتب صحاح نسائی' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' حتیٰ کہ بخاری ومسلم میں جو سب سے زیادہ صحیح مانی جاتی ہیں' بہت سی ایسی حدیثیں ملتی ہیں۔ پس نتیجہ یہ ہوگا ان میں بعض ضعیف ہونے کی وجہ سے ان کی بھی تمام احادیث قابلِ وثوق نہ رہیں گی اور یہ اصولِ حدیث کے خلاف ہے۔

اصولِ حدیث کا ایک ضابطہ یہ ہے کہ ''**الجرح مقدم علی التعدیل**'' اس کے یہ معنی

لئے گئے کہ ہر جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ حالانکہ وہی جرح تعدیل پر مقدم ومرجع ہوتی ہے۔ جو مبین ہو مبہم نہ ہو جارح (جرح کرنے والا) خود عادل ہو اور جن وجوہ واسباب کی وجہ سے یہ جرح کی گئی ہے ان کا عارف ہو۔ پس جب تک جارحین کی عدالت ثابت نہ کی جائے ان کی جرح موثر ومرجح نہ ہوگی۔

غرض ظہور مہدی علیہ السلام کی بشارت جن بے شمار احادیث سے دی گئی ہے وہ احادیث بھی دوسری تمام حدیثوں کی طرح حدیث کی انہی کتابوں میں موجود ہیں۔ جو احادیث کا منبع سمجھی جاتی ہیں۔ معترضین نے مہدی علیہ السلام سے متعلقہ جن چند احادیث کے راویوں پر جس قسم کی جرح وطعن کا ذکر کیا ہے خود انہی کے جیسے راویوں سے جن پر اسی قسم کے طعن ہیں اور بہت سی حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ اور نیز ان احادیث سے احکام کا استخراج کیا گیا ہے۔ جب ایسے ہی راویوں سے روایت کی ہوئی حدیثیں دوسرے احکام میں مقبول سمجھی گئی ہیں تو محض اسی قسم کے مضامین سے مہدی علیہ السلام کی حدیثیں بنائی ہوئی یا موضوع قرار نہیں دی جاسکتیں۔ اگر ایسا کیا جائے تو پھر حنفیہ اور دیگر اہل مذاہب کے بے شمار مسائل من گھڑت کہانی ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان کی بنیاد ایسی ہی احادیث پر ہے جن کے راویوں پر اسی قسم کے ضعف و واہی ہونے کا طعن کیا گیا ہے۔ غرض ابن خلدون اور اس کے ہمنواؤں نے بے شمار احادیث مہدی علیہ السلام کے منجملہ معدودے چند احادیث پر ردوقدح کر کے ان کو غلط قرار دینے کی جرات کی اور نتیجہ نکالا کہ احادیث مہدی بنائی ہوئی اور موضوع ہیں اور سرے سے وجود مہدی کا انکار کر دیا۔

ابن خلدون کا جواب مہدویوں میں سے علامہ سید اشرف شمسیؒ نے دیا ہے جو اردو زبان میں اصلاح الظنون کے نام سے چھپ گیا ہے۔

علمائے اہل سنت میں سے ہندوستان کے مشہور ومستند عالم اور پیر طریقت جناب اشرف علی تھانوی نے ابن خلدون کا جواب اردو میں لکھا جو ان کے مطبوعہ تالیفات میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ شام کے ایک فاضل شیخ محمد بن احمد صدیق نے ابن خلدون کے اعتراضات کا جواب زبانِ عربی میں لکھا جو "**ابراز الوهم المكنون من كلام ابن خلدون**" کے نام سے دمشق میں چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔

مولوی مناظر احسن الگیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ نے بھی ابن خلدون کے بیان کو غلط قرار دینے اور مسلمانوں کو دھوکہ دہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ "مکاتیب امام غزالی" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''اس قسم کا مغالطہ جس سے ابن خلدون نے مسلمانوں کے نظریہ مہدیت کو مضمحل کرنے میں کام لیا تھا ابن خلدون نے اپنی تاریخ کو مقدمہ میں اس کا تذکرہ کر کے کہ آئندہ مہدی علیہ السلام کی شکل میں مسلمانوں کو ایک نجات دہندہ ملے گا اس خیال کو اس نے غیر عقلی قرار دیا ہے۔''

اس کے بعد ابن خلدون کے خیال کے معقول تردید کرنے کے بعد لکھا

'' مہدی کے متعلق حدیث کی کتابوں میں جو روایتیں ہیں ان پر ابن خلدون نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کی بھی محدثانہ حیثیت سے کوئی وقعت نہیں ہے۔ اور مہدی کا عقیدہ اہلِ سنت والجماعت کا ایک مسلمہ عقیدہ ہے (صفحہ ۱۳)

مورخ ابن خلدون نے دعویٰ تو یہ کیا ہے کہ بعثتِ مہدی علیہ السلام کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں وہ موضوع ہیں۔ اور اس دعویٰ پر بطور دلیل ان احادیث کو بے اصل ثابت کرنے کے لئے چند حدیثوں کو منتخب کر کے ایک ایک دو دو راویوں پر جرح کی ہے۔ لیکن بادی النظر میں ہر دیکھنے والے پر واضح ہوسکتا ہے کہ اکثر و بیشتر راویوں پر ضعف وغیرہ کی جرح ظاہر کی گئی ہے۔ حالانکہ اصول حدیث کی رو سے کسی حدیث کا راوی مجروح ہونے سے وہ حدیث ضعیف کہلائی ہے موضوع اور بنائی ہوئی نہیں ہوجاتی۔ پس روایت کے ضعیت حدیث اور موضوع حدیث میں ترتّبِ احکام کے اعتبار سے بہت فرق ہے۔ ہر راوی سے متعلق جو جرح کی گئی ہے وہ بھی کسی حد تک صحیح ہے یہ ایک طویل بحث ہے۔ اگر ہر حدیث کی اسناد و روایت اور راویوں کی جرح وتعدیل' احادیث کے ضعف وقوت' تعارض وتطابق کی تفصیلی بحث فن رجال اور اصولِ حدیث کے مطابق کی جائے تو مضمون طویل ہونے کے علاوہ ایک علمی بحث ہونے کی وجہ سے عام طور پر دلچسپ نہیں ہوسکتا۔

غرض مباحث مذکورہ سے کسی قدر واضح ہوگیا کہ بعثتِ مہدی علیہ السلام احادیث متواتر المعنی سے ثابت ہے اور دوسری احادیث کو وہ اہمیت اور خصوصیت حاصل نہیں ہے جو احادیث مہدی علیہ السلام کو حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ائمہ دین کی مرتّبہ اصول وعقائد کی کتابوں میں بعثتِ مہدی علیہ السلام کا ذکر ضرور پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مسئلہ مہدیت ہر مسلمان کے لئے ضروری الاعتقاد ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے بہت ساری پیشین گوئیاں فرمائی ہیں جن کا وقوع ضروری ہے۔ ان کے منجملہ

مہدی علیہ السلام کی حدیثیں بھی آنحضرت ﷺ کی گویا پیشین گوئی ہے جس کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اخبار معصوم میں نسخ لازم آئے گا اور اخبار معصوم میں نسخ ناجائز ہے۔ اس حیثیت سے بھی اس کا وقوع ضروریاتِ دین سے ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

مسلمانوں کا ایک بہت بڑا گروہ امام مہدی علیہ السلام کا آمد کا منتظر ہے لیکن ان لوگوں نے مہدی علیہ السلام کی بعثت کی چند علامتوں اور شرطوں پر مشروط کیا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہونے کی وجہ سے ان میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ ایک شخص میں جمع ہوسکیں ورنہ ضدّین کا جمع ہونا لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے۔۔ جن لوگوں نے مہدی علیہ السلام کی بعثت کو جن شرطوں پر مشروط کیا ہے انہوں نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ جو اخبار و احادیث آئندہ ایک شخص کی بعثت کو ثابت کرتی ہیں وہ اپنے حقیقی اور لغوی معانی پر منطوق ہوئی ہیں یا ان کے معانی مجازی ہیں۔ جب اس پر غور نہیں کیا تو لامحالہ مغالطہ میں رہے۔

مثلاً بعض حدیثیں یہ بتاتی ہیں کہ مہدی علیہ السلام مکہ میں پیدا ہوں گے اور دوسری حدیثیں ثابت کرتی ہیں کہ امام علیہ السلام مدینہ میں پیدا ہوں گے۔ ان دونوں میں ضد ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام مل کر آئیں گے اور بعض حدیثوں سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری کے بہت بعد عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ ان دونوں روایتوں میں ضد ہے۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں سب لوگ مومن و مسلمان ہوجائیں گے۔ اور قرآن مجید کی آیات سے ثابت ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگ ایمان لاتے چنانچہ فرمایا۔ **ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعاً** (یونس ۹۹) اس آیت سے ثابت یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت اس طرح جاری نہیں ہوئی کہ سب لوگ مسلمان ہوجائیں۔ پس ظاہر ہے کہ ان دونوں مفہوموں میں ضد ہے۔ غرض اس گروہ منتظر نے جن احادیث کو مجی مہدی علیہ السلام کے شرائط ٹھیرایا ہے وہ آپس میں اضداد ہیں ان کے معانی پر غور کرنا اشد ضروری ہے۔

احادیث شریفہ کی روشنی میں ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مہدی موعود علیہ السلام جو موعودِ رسول اللہ ﷺ ہیں مبعوث ہوئے اور وفات پائی۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ دعویٰ فرمایا کہ میں مہدی موعود ہوں مگر مہدیت کا مسئلہ بعض لوگوں کے زعم فاسد میں اختلافی ہے۔

ایک فریق کا بیان ہے کہ مہدی کوئی دوسرے شخص نہیں بلکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور چونکہ وہ ہدایت یافتہ ہیں لہذا ان کی شان میں لفظ مہدی وارد ہے۔ چنانچہ اس فریق نے حدیث **لا مهدی الاعیسیٰ** ؑ سے استدلال کیا ہے۔

دوسرے فریق کا یہ مقولہ ہے کہ قرآن شریف ہماری ہدایت کے لئے کافی ہے اور دین کامل ہو چکا ہے۔ اس صورت میں ہماری ہدایت کے لئے کسی امام معصوم کی ضرورت نہیں ہے۔

تیسرا فریق ضرورتِ بعثت کا قائل ہے اور قیامت تک مجی مہدی کا منتظر ہے۔ اس فریق کا بیان ہے کہ جو حدیثیں مہدی علیہ السلام کی بعثت کو ثابت کرتی ہیں ان سے مجی عیسیٰ علیہ السلام مراد ہے چنانچہ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو سنن ابن ماجہ میں مروی ہے۔

عن انس ابن مالک عن النبی ﷺ انه قال لا مهدی الا عیسیٰ ا بن مریم.

یعنی انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی نہیں ہے مگر عیسیٰ بن مریم۔ اس حدیث کی وجہ سے ان کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ نے مہدی فرمایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث **لا مهدی الا عیسیٰ ابن مریم** قابل حجت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے اسناد میں ضعف ہے۔ چنانچہ محدث حاکم کا بیان ہے کہ محمد بن خالد جو اس روایت کے اسناد میں ہے مجہول اور مضطرب بھی۔ کیونکہ کبھی اس اسناد کو حضرت امام شافعیؒ کی طرف منسوب کرتا ہے اور کبھی ابان بن صالح کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے کہ ابان بن صالح نے حسن بصریؒ سے روایت کی ہے۔ لیکن محدثِ ابن صلاح کہتے ہیں کہ ابان بن صالح کو حسن بصری سے سماعت نہیں ہے۔ علامہ ذہبی نے ''میزان'' میں لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ محمد بن خالد مجہول ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے متواتر حدیثیں مروی ہیں کہ مہدی علیہ السلام اہل بیت رسول اللہ ﷺ ہیں جب یہ امر متواتراً ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام اہلِ بیت رسول اللہ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ابن مریم ہونا بھی خبر منصوص اور متواتر ہے تو اس وجہ سے بھی حدیث **لا مهدی الا عیسیٰ ابن مریم** ضعیف اور ناقابلِ احتجاج ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیثِ صحیح سے جس کو محدثین سلسلہ الذہب کہتے ہیں یہ ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام وسطِ امت میں ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام آخرِ امت میں۔ تو اس سے ثابت ہے کہ حدیث لامہدی الاعیسیٰ ابن مریم صحیح نہیں ہے۔

صحیح یہی ہے کہ مہدی علیہ السلام اولادِ فاطمہؓ سے وسطِ امت میں مبعوث ہوں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ابن مریم ہیں آخر زمانہ میں آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ اس ضعیف بلکہ موضوع حدیث سے استدلال کر کے بعض لوگوں نے جو نہ اولادِ فاطمہ سے ہیں اور نہ عیسیٰ ابن مریم ہیں مہدیت اور مسیحیت کا دعویٰ کیا ہے۔

جن لوگوں کا بیان ہے کہ قرآن شریف ہدایت کے لئے کافی ہے لہذا رسول اللہ ﷺ کے وجود باجود کے بعد کسی امام معصوم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کر دی اور جب دین رسول اللہ میں ترقی اور زیادتی نہیں ہوسکتی تو پھر امام مہدی کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قرآن مجید بنفسہٖ امتِ محمدیہؐ کی ہدایت کے لئے کافی ہے تو یہ خیال بداہتہً غلط ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے اکثر احکام مجمل اور مبہم ہیں۔ عام امت محمدیہؐ اس کے مفہومات کے موافق عمل نہیں کرسکتی۔ اس صورت میں قرآن شریف ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور حج کرو۔ مگر ان کی تفصیل حالت بیان نہیں کی گئی۔ پس فرائض مذکورہ پر عمل کرنے کے لئے قرآن مجید کی تعلیم وارشاد کافی نہیں ہے۔ جب مکلّف نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو ممکن نہیں ہے کہ اس سے یہ فرض ادا ہو سکے۔ کیونکہ اس کو یہ علم نہیں کہ ہر نماز کا وقت کب سے کب تک ہے۔ اگر قرآن شریف میں اوقات کا ذکر ہے بھی تو اس طور پر نہیں ہے کہ ایک جاہل یا متوسط معلومات کا آدمی اوقاتِ صلوٰۃ کے صرف مفہوم کو دیکھ کر نماز پڑھ سکے۔ قرآن مجید سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ہر نماز کی کتنی رکعتیں ہیں ہر نماز میں فرائضِ داخلی کیا ہیں اور ان کے فرائض خارجی کونسے ہیں۔ اور پھر قرآن مجید سے ہیّت نماز کا تفصیلی حال معلوم نہیں ہوسکتا۔

روزے کی بھی یہی حالت ہے کہ وقت کے اعتبار سے مبہم ہے۔ اگر چہ قرآن شریف میں ابتدائی وانتہائی وقت کا بیان موجود ہے تاہم لیل کی ابتداء میں دخول غایت اور خروج غایت کی جو بحث

کی جاتی ہے وہ نحوی اصول پر مبنی ہے۔جس سے عام امتِ محمدیہؐ بالکل ناواقف ہے۔پس روزہ رکھنا اور روزہ کھولنا دشوار ہوگا۔

زکوٰۃ کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اس کی تفصیل اور ہر ایک جنس کی مقدار زکوٰۃ کا حال قرآن کریم میں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔پس آیاتِ زکوٰۃ سے آدمی ادائے زکوٰۃ کے لئے تیار نہیں ہوسکتا۔فرض حج ادا کرنے میں بھی بہت سے جھگڑے ہیں جن کا بیان کتبِ فقہ میں کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ حج کی آیتیں اس کے مناسک وارکان کی تفصیل کے لئے ناکافی ہیں۔

غرض عوام تو عوام ہیں علماء اور ائمہ مجتہدین بھی رسول اللہ ﷺ کے بیان کے بغیر نماز پڑھ سکتے ہیں نہ روزہ رکھ سکتے ہیں نہ زکوٰۃ دے سکتے ہیں نہ حج کر سکتے ہیں۔اسی واسطے حدیث رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت نے کتبِ فتاویٰ کی تدوین کی جس طرح فقہی مسائل کی تعمیل کے لئے عوام کے مقابلہ میں ہدایت قرآن کافی نہیں ہے۔اسی طرح مسائل اعتقادی کے لئے بھی قرآن شریف عوام کے لئے کافی نہیں ہے۔بلکہ عقائد کے بعض ایسے مسائل ہیں کہ علماے راسخین بھی ان کی تفہیم سے قاصر ہیں۔اور یہ ضابطہ مقرر کر دیا کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ان کی کیفیات کی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔چنانچہ مسئلہ میزان' نامۂ اعمال' عبورِ صراط وغیرہ کی یہی حالت ہے۔مسائل صفات جو متشابہات ہیں' ان میں تو سخت مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔بعض مسائل ایسے ہیں کہ ائمہ مجتہدین سے بھی ان کا تصفیہ ممکن نہیں بلکہ صحابہ بھی متحیر ہیں۔حضرت عمر فاروقؓ نے مسئلہ ربا کی پیچیدگیوں کو دیکھ کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور ربا میں شافی بیان نہیں کیا گیا۔غرض جن لوگوں نے مطلقاً یہ بات کہی کہ قرآن ہدایت کے لئے کافی ہے اور عوام قرآن کو دیکھ کر اس پر عمل کر سکتے ہیں' غلط ہے۔اگر کمالِ دین سے یہ غرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو شریعت رسول اللہ ﷺ پر اتاری ہے ارشادات وحقائق کے اعتبار سے کامل ہے تو یہ بات قابلِ تسلیم ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کا دین ناسخِ ادیان ہے تو ضرور ہے کہ شریعتِ رسول اللہ ﷺ مذکورہ اعتبارات سے کامل ومکمل ہو اور نہ اس کا اثر ختمیت پر پڑے گا کیونکہ نقصانِ ارشاد کی حالت میں اختتامِ نبوت بے معنی ہے لیکن یہ امر بھی لائقِ اظہار ہے کہ کمالِ دین تنزیل کے اعتبار سے مکمل ہے عمل کے اعتبار سے

مسلم نہیں ہے۔ یعنی تکمیلِ دین باعتبار تنزیل ہے باعتبار تبلیغ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صرف احکامِ شریعت کی تبلیغ فرمائی۔ لیکن احکامِ ولایت کی تبلیغ کو جو متعلق بحقیقت تھے امام معصوم حضرت مہدی علیہ السلام پر موقوف رکھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف کے معانی کو جن کا تعلق احکام ولایتِ محمدی سے ہے خدا تعالیٰ کے منشاء اور مراد کے موافق بیان کرنا خاص مہدی علیہ السلام کا کام ہے۔ صرف مہدویہ کا یہ مذہب نہیں ہے کہ محققین اہلِ سنت کا بھی یہی مذہب ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی صدر الدین قونوی اور عبدالرزاق کاشانی جیسے اولیائے کرام نے **ثم ان علینا بیانه** کی تفسیر کرتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ یہ بیان قرآن جو احکامِ ولایتِ محمدیہ سے متعلق ہے بزبانِ مہدی ہوگا۔

بات صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سینۂ اطہر میں دو علم تھے ایک ظاہر قرآن کا علم جس کو شریعت کہتے ہیں۔ دوسرا باطن قرآن کا علم جس کو حقیقت کہتے ہیں۔ شریعت کا رسولِ کریم ﷺ نے عام بیان فرمایا اور تمام دنیا اس سے فیض یاب ہوئی' آج تک ہو رہی ہے۔ اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ مگر علم حقیقت جو سینۂ اقدس میں موجزن تھا اور جو بلا واسطہ جبرئیلؑ مقام **او ادنیٰ** میں **لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملک مقرب ولانبی مرسل** کی حالت میں سرورِ کائنات ﷺ کے حوالہ ہوا تھا اور **اوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ** سے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا عام بیان نہیں فرمایا اور اس علم کی عام دعوت و تبلیغ نہیں فرمائی چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔

حفظت من رسول الله وعائین فامّا احدهما فبثثته واما الآخر فلو بثثته لقطع هذا البلعوم

میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو علم حاصل کئے ہیں ایک تو میں نے تمہارے سامنے بیان کر دیا اور اگر دوسرا علم بھی بیان کروں تو تم لوگ میری گردن کاٹ دو گے۔

علامہ شہاب الدین قسطلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ **المراد به علم الاسرار المصئون عن الاغیار المختص بالعلماء بالله من اهل العرفان**

یعنی اس علم سے مراد' علم اسرار ہے جو اغیار سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اور صرف ان علماء باللہ

سے مخصوص ہے جو اہل عرفان ہیں۔اس سے ثابت ہے کہ بجز خاص خاص اصحاب کے جن میں صلاحیت واہلیت تھی۔حضرت نے عام طور پر ان احکام کو بیان نہیں فرمایا۔

محققین اہل سنت بھی قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف احکام نبوت کو بیان فرمایا اور احکام ولایت یعنی حقیقت کی عام دعوت نہیں فرمائی۔کیونکہ زمانہ نبوت احکامِ ولایت کے بیان کرنے کا مانع تھا۔چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ ''شرح فصوص الحکم'' میں فرماتے ہیں۔

لانّه صلی الله علیه وسلم غیر مامور بکشف الحقائق والا سرار کخاتم الولایة بل کان مامورا لبسرها

رسول اللہ ﷺ خاتم ولایت کی طرح حقائق واسرار کے اظہار پر مامور نہ تھے' بلکہ آپ کو مقام تشریع میں اسرارِ ولایت کے چھپانے کا حکم دیا گیا تھا۔

مہدی علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات سرتاپا ولایت تھی مگر رسول اللہ ﷺ احکامِ ولایت کے بیان کرنے پر مامور نہ تھے بندہ مامور ہے۔

غرض رسول اللہ ﷺ نے مخصوص اصحاب کو جن میں اہلیت وصلاحیت تھی ان اسرار وحقائق کی تعلیم دی۔

اس تعلیمِ خصوصی کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ اولیائے کرام کے مشہور خانوادے مثلاً قادریہ' چشتیہ' سہروردیہ وغیرہ وغیرہ سب کسی نہ کسی صحابی کرام کے واسطے سے ذاتِ اقدس رسالت مآب ﷺ تک پہنچتے ہیں۔لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ﷺ نے عام طور پر اسرار حقائق کو بیان نہیں فرمایا بلکہ احکام ولایت کی عام دعوت وتبلیغ کو حضرت مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس پر موقوف فرمایا۔ اور مہدی علیہ السلام نے بھی فرمایا:

'' حق تعالیٰ که مارا فرستاده است مخصوص برائے دین است که آں احکام و بیان که تعلق به ولایت محمدی دار وبواسطۂ مهدی ظاهر شود''

یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے خاص اسی لئے بھیجا ہے کہ وہ احکام وبیان جو ولایتِ محمدیہؐ سے متعلق ہیں مہدی کے ذریعہ ظاہر ہوں۔

غرض آیت کریمہ **الیوم اکملت لکم دینکم** کے لحاظ سے دین اسلام بالکل کامل ومکمل ہے، مگر قرآن مجید علم شریعت اور علم حقیقت دونوں کو شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے احکامِ شریعت کی تبلیغ کی اور احکام حقیقت کے بیان کو **علیٰ سبیل الدعوۃ مہدی علیہ السلام** پر موقوف رکھا۔ اسی وجہ سے بعثتِ مہدی ضروریاتِ دین سے ٹھیری۔ اور ایسی ضروری قرار دیا کہ اس کے بغیر قیامت نہ آئے گی۔ اور مہدی علیہ السلام سے بیعت کرنے کو اس قدر ضروری قرار دیا کہ برف پر سے رینگنا پڑے تو تب بھی جاؤ اور ان سے بیعت کرو۔ کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ ہیں اور مہدی علیہ السلام کو خاتم دین فرمایا۔ چنانچہ نعیم بن حماد اور ابونعیم سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے عرض کیا **یارسول اللہ ﷺ آمنّا آل محمد المھدی ام من غیر نا قال لا بل منّا یختم اللہ بہ الدین کما فتحہ بنا.**

کیا مہدی ہم آلِ محمد ہی سے ہوں گے یا ہمارے غیر سے؟ فرمایا نہیں بلکہ آلِ محمدؐ سے ہوں گے خدا تعالیٰ ان پر دین کو ختم کرے گا جس طرح ہم سے شروع کیا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام خاتم دین رسول اللہ ہیں۔ یعنی جب تک احکام ولایت کی عام دعوت تبلیغ نہ ہو دین ختم نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مہدی علیہ السلام کو وفات کے وقت خدائے تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ اس آیت کا بیان کریں۔ **اکملت لکم دینکم**۔ یعنی آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو دین بلحاظ تنزیل مکمل تھا اور جس کی شریعت کے احکام بیان ہو چکے تھے آج احکام ولایت بیان ہو کر بلحاظ تبلیغ بھی مکمل ہو گیا۔

پس جن لوگوں کا خیال ہے کہ دین کامل ہو چکا اب کسی امام معصوم کی یا مہدی موعودؑ کی بعثت کی ضرورت نہیں ہے، یہ خیال صحیح نہیں۔ جب تک مہدی علیہ السلام کی بعثت نہ ہو، دین مکمل نہیں ہوسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا **یختم اللہ بہ الدین** یعنی خدائے تعالیٰ مہدی پر دین کو ختم کرے گا۔ غرض مہدی علیہ السلام احکام ولایت کو بیان کر کے دین کو ختم کریں گے۔

ان دو گروہ کے علاوہ جن کا تفصیلی ذکر اوپر کیا گیا ہے کہ ان میں ایک گروہ حضرت عیسیٰ ہی کو مہدی سمجھتا ہے۔ اور دوسرا گروہ قرآن مجید کے بعد مہدی کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ تیسرا گروہ ہے جو امام مہدیؑ کے مبعوث ہونے کا منتظر ہے۔ مگر جس امام برحق کا ہم نے اقرار کیا ہے اس کا انکار کرتا ہے۔

انہی لوگوں کا گروہ بہت بڑا نظر آتا ہے۔ اس گروہ کا بعثتِ مہدی کا انتظار کرنا بعض غیر صحیح، ظنّی اور ضعیف احادیث کا اعتبار کر لینے اور بعض احادیث کی غلط تعبیر کر کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ مثلاً مہدی علیہ السلام تمام دنیا کے بادشاہ ہوں گے۔ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر دجال کو قتل کریں گے۔ تمام دنیا کو دینِ اسلام اور نورِ ایمان سے منور کر دیں گے وغیرہ جن کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بعثتِ مہدی علیہ السلام کی تین طریقہ سے خبر دی ہے۔

(۱) اول یہ کہ مہدی علیہ السلام کی بعثت ضروریاتِ دین سے ہے۔

(۲) دوم یہ کہ مہدی علیہ السلام دافعِ ہلاکتِ امّت ہیں۔

(۳) سوم یہ کہ مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں اور آپ سے بیعت ضروری ہے۔

بعثتِ مہدی علیہ السلام ضروریاتِ دین سے ہونے کا بیان یہ ہے کہ دینی امور کی ضرورت نفسانی خیالات پر مرتب نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کا مرتب ہونا اخبار مغیبہ کے سیاقات اور دلالات اور ان کے صیغوں پر ہوا کرتا ہے۔ پس اگر اخبار مغیبہ میں عام ازیں کہ وہ کسی امر سے متعلق ہوں کوئی تاکیدی حکم یا خبر موجود ہو اور وہ خبر یا حکم امر دین ہو یا اس سے متعلق ہو تو وہ ضروریاتِ دین سے شمار کیا جائے گا۔

اس ضابطہ کے موافق مہدی علیہ السلام کی بعثت کے احادیث میں غور کرنا چاہئے کہ ان کی دلالت اور ان کا سیاق کس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر اس میں آپ کے پیدا ہونے کی ضرورت ثابت ہو جائے تو بلاشبہ اس بات کا اعتراف واجب ہوگا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کا آنا اور مہدیت کا دعویٰ کرنا ضروریاتِ دین میں داخل ہے۔

پس مناسب ہے کہ مجی مہدی علیہ السلام کے بارے میں ان احادیث میں سے کچھ حدیثیں جن میں امام علیہ السلام کی بعثت کی ضرورت بتائی گئی ہے یہاں بیان کی جائیں۔

امام بیہقی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے

عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لو لم یبق من الدنیا الا یوم یبعث الله رجلا من اهل بیتی یملا ها عدلا کما ملئت جوراً

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دنیا کے ایام سے ایک دن بھی باقی رہے گا تو اللہ تعالیٰ اسی دن میں میری اہل بیت سے (یعنی فاطمۃ الزہراؓ کی اولاد سے) ایک شخص کو پیدا کرے گا جو زمین کو عدل (یعنی ایمان) سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور (یعنی کفر وعدوان) سے بھری ہوئی تھی۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ

ان رسول الله ﷺ قال لولم يبق من الدنيا الا يوم لطول الله ذاک اليوم حتىٰ يلى رجل من اهل بيتى يواطى اسمه اسمى

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دنیا کے ایام سے ایکدن بھی باقی رہ جائے تو خدا تعالیٰ اس دن کو بڑھائے گا تا آنکہ ایک شخص میری اہل بیت سے حاکم (خلیفہ) ہوجائے۔جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔

امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے کہ:**عن عبد الله ابن مسعودؓ قال قال رسول الله ﷺ لا تقوم الساعة حتى يلى رجل من اهل بيتى يواطى اسمه اسمى**

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ میری اہل بیت سے ایک شخص جس کا نام میرے نام کے جیسا ہوگا خلیفہ نہ ہوجائے

حافظ ابونعیم نے صفت مہدی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ لا تذهب الدنيا حتى يبعث الله تعالىٰ رجلا من اهل بيتى يواطى اسمه اسمى واسم ابيه اسم ابى يملا ء ها قسطاًء وعدلاً كما ملئت ظلماً وجوراً

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کا اس وقت تک اختتام نہ ہوگا جب تک کہ میری اہل بیت سے ایک شخص مبعوث نہ ہوجائے جس کا نام میرے نام کے جیسا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہوگا۔یہ شخص دنیا کو عدل سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی۔

حافظ ابونعیم نے حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ لو لم يبق من الدنيا الا يوم واحد' يبعث الله فيه رجلا اسمه اسمى وخلقه خلقى يكنى ابا عبد الله

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر دنیا کا ایک دن بھی باقی رہے گا تو اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو

پیدا کرے گا جو میرا ہم نام ہوگا اور میرے خلق کے مشابہہ ہوگا اور ابوعبداللہ کنیت کرے گا۔

امام احمد نے اپنی مسند ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ

قال رسول الله ﷺ لا تقوم الساعة حتى تملأ الارض ظلماً وعدوانا ثم يخرج رجل من عترتي او من اهل بيتي من يملأ ها قسطاً وعدلا كما ملئت ظلماً وعدواناً

آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی تا آنکہ دنیا ظلم وعدوان سے نہ بھر جائے گی، پھر میری عترت یعنی اہل بیت سے ایک شخص مبعوث ہوگا جو زمین کو عدل سے ایسا بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم سے بھری ہوئی تھی۔

ان احادیث کا قدرِ مشترک یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اہلِ بیت سے ایک شخص کا مبعوث ہونا امر ضروری ہے۔ ان احادیث میں شخص منتظر کے مختلف اوصاف بتائے گئے ہیں، یعنی حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابوسعید خدریؓ کی حدیثوں میں ضرورتِ بعثت اس صفت کے ساتھ بتلائی گئی ہے کہ وہ شخص جو اہل بیت رسول ﷺ سے مبعوث ہونے والا ہے۔ زمین سے ظلم دور کرے گا اور عدل سے بھر دے گا۔ اور جو حدیث ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ ضرورتِ بعثت کے علاوہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کو ولایت وخلافت بھی حاصل ہوگی اور رسول اللہ ﷺ کا ہمنام ہوگا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت بھی ابوہریرہؓ کی روایت کی مثبت ہے کہ جب تک وہ مبعوث نہ ہو قیامت نہ آئے گی۔ وہ میری اہلِ بیت سے ہے اور خلیفہ ہوگا۔ حذیفہؓ کی روایت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ ضرورتِ بعثت کے علاوہ وہ رسول کریم ﷺ کا ہمنام اور ہم خلق ہوگا۔

ان احادیث میں اگرچہ حضرت مہدی علیہ السلام کا اسم گرامی موجود نہیں ہے مگر شخص منتظر مہدی علیہ السلام کے سوا دوسرا شخص نہیں ہے۔ کیونکہ احادیث مہدی خبر مغیب ہیں اور خبرِ مغیب میں ہر جگہ تصریح کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اخبارِ رسول اللہ ﷺ جو تورات وانجیل میں مذکور ہیں ان میں رسول اللہ ﷺ کے نام میں تصریح نہیں ہے۔ بلکہ صرف اشارات وکنایات سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ تورات میں مذکور ہے کہ ''خداوند جبلِ فاران سے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ خروج فرمائے گا۔ اور نیز وہ خداوند اخوۃِ موسیٰؑ سے ہوگا'' ان میں نام کی صراحت نہیں ہے۔ اسی طرح انجیل کے اخبار

بھی جو آنحضرت ﷺ کی شان میں ہیں ان کی بھی یہی حالت ہے یعنی ان میں بھی رسول اللہ ﷺ کا نام موجود نہیں ہے۔ بلکہ اشارات وکنایات کے پیرایہ میں آنحضرت کی آمد کا ذکر کیا گیا ہے۔

اسی طرح ان احادیث میں اگرچہ مہدیؑ کا نام موجود نہیں ہے مگر اس مضمون کی دوسری روایتیں اور ہیں' ان میں مہدی کا نام موجود ہے چنانچہ ان میں سے بعض روایتیں یہ ہیں:۔

امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ:۔

عن ام سلمةؓ قالت سمعت رسول الله ﷺ المهدی من عترتی من اولاد فاطمة

ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مہدی میری عترت یعنی اولادِ فاطمہؓ سے ہے۔

ابوداؤد کی ایک اور حدیث ہے کہ:۔

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول الله ﷺ المهدی اجلی الجبهةاقنی الانف یملأ الارض قسطاً وعدلا کما ملئت ظلماً وجوراً یملک سبع ستین.

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی روشن پیشانی والا' اونچی ناک والا' ہوگا' زمین کو عدل سے بھر دے گا جیسا کہ ظلم سے بھری ہوئی تھی۔ سات سال مالک رہے گا۔

امام احمد' ابوداؤد اور ابونعیم نے روایت کی ہے کہ

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول الله ﷺ ابشرکم بالمهدی یبعث فی امتی علیٰ اختلاف من الناس و زلزال فیملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملأت ظلماً وجوراً

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو مہدی کی خوشخبری دیتا ہوں جو لوگوں میں اختلاف اور تزلزل واقع ہونے کے وقت میری امت میں مبعوث ہوں گے اور دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی۔

ان حدیثوں سے ثابت ہے کہ وہ شخصِ منتظر دراصل مہدی ہیں کیونکہ جو اوصاف اس شخصِ منتظر کے ہیں وہ ان احادیث میں بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ قسط وعدل سے زمین کا بھر جانا اور شخصِ منتظر سے مہدی مراد ہیں۔ اس کے علاوہ ائمہ حدیث نے ضرورتِ بعثتِ شخصِ منتظر کی احادیث کو باب

المہدی میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حافظ ابونعیم، اور دار قطنی وغیرہ نے ایسا ہی کیا ہے۔ پس نقادانِ حدیث کی تعین و تشخیص تصریح سے کم نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ بیت رسول اللہ ﷺ سے جو شخص موعود بالبحث ہے اس کا وجود ضروری ہے اور احادیثِ ضرورت بعثت میں اگر چہ اسم گرامی جناب مہدی موعود علیہ السلام کا موجود نہیں ہے مگر شخصِ منتظر دراصل مہدی کے سوا دوسرا شخص نہیں ہے۔ غرض مہدی علیہ السلام کی بعثت ضروریاتِ دین سے ہے۔ اور چونکہ مہدی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس دافع ہلاکت امّت ہے۔ اس وجہ سے بھی بعثتِ مہدی علیہ السلام ضروری قرار پاتی ہے۔ چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں عبداللہ بن عباسؓ سے اور کنز العمال میں حضرت علیؓ سے اور نیز مشکوٰۃ میں باختلاف الفاظ یہ روایت ہے۔

قال رسول الله ﷺ لن تهلک امة انا فی اولها وعیسیٰ ابن مریم فی آخرها والمهدی فی وسطها

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ امت ہرگز ہلاک نہ ہوگی جس کے اول میں ہوں اور عیسیٰ ابن مریم اس کے آخر میں ہیں اور مہدی درمیانِ امت میں ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ مہدی دافع ہلاکت امّت ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کی طرح مہدی علیہ السلام کو دافعِ ہلاکت فرمایا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کی طرح دافعِ ہلاکتِ امت کا ظہور بھی ضروری ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ امت کے وسط میں ہوگا۔ اس حدیث صحیح سے اجتماع مہدی و عیسیٰ کے تخیل کی خاص طور پر نفی ہو رہی ہے۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعثتِ مہدی کے تین طریقہ سے خبر دی ہے۔ ایک یہ کہ بعثتِ مہدی ضروریاتِ دین سے ہے۔ دوم یہ کہ مہدی دافع ہلاکت امّت ہیں ان دو کا بیان تو ہو چکا، تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ مہدی خلیفۃ اللہ ہیں اور آپ سے بیعت ضروری ہے۔ چنانچہ محدث حاکم، ابن ماجہ، اور ابونعیم نے روایت کی ہے کہ:۔

عن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ یقتتل عند کنزکم ثلاثة کلهم ابن خلیفة لا یصیر الی واحد منهم ثم تطلع الرایات من قبل المشرق فیقتلونکم قتلالم

یقتلة قوم ثم یجیئ خلیفة الله المهدی. فاذا سمعتم به فاتوه فبایعوه ولوحبواً علی الثلج فانه خلیفة الله المهدی.

ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے خزانہ کے پاس تین آدمی جو خلیفہ کی اولاد سے ہوں گے جھگڑیں گے لیکن ایک بھی اس پر قابض نہ ہو سکے گا۔ پھر اس کے بعد مشرق کی طرف سے جھنڈیاں نمودار ہوں گی پس وہ لوگ تم کو ایسا قتل کریں گے اب تک کسی قوم نے ایسا قتل نہ کیا ہوگا۔ پھر اس کے بعد خدا کے خلیفہ مہدی آئیں گے۔ جب تم کو مہدی کی خبر ملے تو ان کے پاس جاؤ اور ان سے بیعت کرو اگرچہ تم کو برف پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ مہدی خلیفۃ اللہ ہیں اور آپ کے ہاتھ پر بیعت واجب ہے۔ کیونکہ اس حدیث شریف میں لفظ ''فبایعوہ'' موجود ہے۔ اور لفظ بایعوہ صیغہ اَمر ہے اور صیغۂ امر جب کسی قرینۂ صارفہ کے بغیر کہا جائے تو اس سے وجوب وفرض مراد ہوتا ہے۔ غرض اس حدیث سے منصوصاً ثابت ہو رہا ہے کہ مہدی علیہ السلام سے بیعت فرض ہے۔ چنانچہ **فبایعوہ** کے الفاظ اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں اور **ولو حبواً علی الثلج** سے اس فرضیت کی مزید تاکید ہوتی ہے۔ اور **فانه خلیفة الله** کے الفاظ اس فرض کی توجیہہ پر دلالت کرتے ہیں۔ پس مہدی کا خلیفۃ اللہ ہونا اور آپ سے بیعت فرض ولازم ہونا اس حدیث سے ثابت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو خلیفۃ اللہ ہوگا خطا سے معصوم ہوگا۔ اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے۔ **المهدی منی یقفوا ثری ولا یخطی** یعنی مہدی میری اولاد سے ہیں، میرے نقشِ قدم پر چلیں گے اور خطا نہ کریں گے۔

اور نیز حدیث '' **لن تهلک امتی**'' جو اوپر گذری اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مہدی علیہ السلام امّت محمدیہ سے ہلاکت کو دور کردیں گے۔ اس صورت میں بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت ضروری ہے او آپ کی اتباع فرض ہے ورنہ ہلاکت کی نفی دشوار ہے۔ کیونکہ وسطِ امت میں آپ کی بعثت جو حدیثِ مذکور میں منصوص ہوئی ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ امت محمدیہؐ آپ کی اقتداء کرے اور آپ کے فرامینِ قدسیہ پر عمل کرے ورنہ محض بیعت غیر ضروری ہے پس آپ کی اقتداء نفی ہلاکت کا سبب ہے پس تاوقتیکہ آپ کی اقتداء نہ کی جائے ہلاکت کی نفی دشوار نہیں بلکہ ناممکن ہے غرض اس جہت

سے بھی آپ کی اتباع فرض ہے۔

ان احادیث شریفہ سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں یعنی امام مہدی علیہ السلام خاتمِ دین ہیں، خلیفۃ اللہ ہیں، تابعِ تام رسول اللہ ﷺ ہیں اور خطا سے معصوم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی طرح دافع ہلاکتِ امت ہیں۔ دنیا آپ کی بعثت کے بغیر ختم نہ ہوگی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ہمنام ہوں گے۔ غرض ان حدیثوں کا خلاصہ یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک ذات مقدس کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ جو خلیفۃ اللہ خاتم دینِ رسول اللہ دافع ہلاکتِ امت، رسول اللہ ﷺ کا ہمنام اور مہدی کے لقب سے ملقب ہے۔

غرض مہدی علیہ السلام کی بعثت کے بارے میں جس قدر احادیث شریفہ وارد ہیں ان سب کا قدر مشترک یہی ایک امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد فاطمۃ الزہراؓ کی اولاد سے ایک امامِ معصوم کی بعثت ضروری ہے۔ جو ناصرِ دین رسول اللہ اور دافع ہلاکتِ امتِ محمدیہؐ ہوگا۔ کیونکہ آپ کی بعثت کے تعلق سے جس قدر علائم و آثار مروی ہیں ان سب میں صرف مہدی علیہ السلام کا اولادِ فاطمہؓ سے ہونا احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

عن ام سلمةؓ قالت سمعت رسول اللهﷺ يقول المهدى عن عترتى من ولدفاطمة

ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مہدی میری عترت سے یعنی اولادِ فاطمہؓ سے ہے۔

ابن ماجہ نے روایت کی ہے: **عن سعيد ابن المسيبؒ قال كنا عند، ام سلمةؓ فتذاكرنا المهدى فقالت سمعت رسول الله ﷺ يقول المهدى من ولدفاطمة**

سعید ابن المسیبؒ نے کہا کہ ہم ام سلمہؓ کے پاس تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ مہدی اولادِ فاطمہؓ سے ہے۔

ابونعیم نے روایت کی ہے کہ:

ان النبى ﷺ قال لفاطمة المهدى من ولدک (العرف الوردی)

رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؓ سے فرمایا کہ مہدی تیری اولاد سے ہے۔

ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ:

ان النبی ﷺ قال البشری یا فاطمة المهدی منک (ایضاً)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہؓ تجھے بشارت ہو کہ مہدی تجھ سے ہے۔

ملا علی قاری نے **المشرب الوردی فی مذهب المهدی** میں لکھا ہے کہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی علیہ السلام امام حسنؓ کی اولاد سے ہیں اور بعض حدیثوں سے پایا جاتا ہے کہ امام حسینؓ کی اولاد سے ہیں۔ مثلاً طبرانی نے معجم کبیر میں اور ابونعیم نے علی ہلالی سے روایت کی ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ والذی بعثنی بالحق ان منهما یعنی الحسن والحسین مهدی هذا لامة

اس خدا کی قسم ہے جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اس امت کے مہدی ان دونوں یعنی حسنؓ اور حسینؓ کی اولاد سے ہوں گے۔

ابوداؤد نے اور نعیم بن حماد نے کتاب الفتن میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے۔

انه نظر الی ابنه الحسن فقال ان ابنی هذا سیدک اسماه النبی ﷺ سیخرج من صلبه رجل یسمیٰ اسم بنیکم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے فرزند امام حسنؓ کو دیکھا اور فرمایا کہ یہ میرا فرزند سید ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، قریب میں اس کے صلب سے ایک شخص نکلے گا جس کا نام تمہارے نبی کا نام ہوگا۔

صاحب عقد الدرر نے اور امام سیوطی نے العرف الوردی میں لکھا ہے کہ:۔

عن ابی وائل قال نظر ا علی الحسین فقال ان ابنی هذا سیدکما سمّاه رسول الله ﷺ سیخرج من صلبه رجل باسم نبیکم

اس حدیث کا بھی وہی ترجمہ ہے جو اوپر کی حدیث کا ہے صرف حسن اور حسین کا فرق ہے۔

حافظ ابوالقاسم نے اپنی معجم میں اور حافظ ابونعیم اصبہانی اور حافظ ابوعبداللہ نعیم بن حماد نے کتاب الفتن میں روایت کی ہے کہ:

عن ابن عمرؓ قال یخرج رجل من ولد الحسین من قبل المشرق ولو

استقبلة الجبال الهدمها و اتخذفيها طرقا.

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا' حسینؓ کی اولاد سے ایک شخص مشرق کی طرف سے نکلے گا' اگر پہاڑ بھی اس کے سامنے آجائیں گے تو ان کو گرادے گا اور ان میں راستہ پیدا کرلے گا۔

اس اختلافِ روایات کی وجہ سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ:

قد نظاهرت الاحاديث البالغة حد التواترفی كون المهدی من اهل البيت من ولد فاطمة وقد وردنی فی بعض الاحاديث كونه من اولاد الحسنؓ وفی لبعضها من اولاد الحسينؓ سلام الله عليهم اجمعين وقدوردنی الاحاديث الغربية انّه من والد العباس.

احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ امام مہدی اہلِ بیت سے یعنی اولادِ فاطمہ سے ہیں بعض حدیثوں میں اولادِ حسن سے اور بعض میں اولادِ حسینؓ سے ہونے کا ذکر ہے۔ اور بعض غریب احادیث میں ہے کہ مہدی اولادِ عباسؓ سے ہیں۔

ابن حجر ہیتمی لکھتے ہیں کہ: **ولد منافات بينها اذلامانع من اجتماع الاحوالات فی شخص من جهات مختلفة**

ایک شخص میں مختلف احوال متعدد جہتوں سے پائے جانا ممکن ہے۔

اس غریب اور شاذ روایت سے قطع نظر کہ مہدی علیہ السلام ہیں آپ کا اولاد فاطمہؓ سے ہونا قطعی ویقینی ہے۔ علمائے امت کا اسی پر اتفاق ہے۔ چنانچہ علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:

ذهب العلماء الیٰ انه امام عادل من ولد فاطمة

علماء کا اتفاق ہے کہ مہدی علیہ السلام امام عادل اور اولادِ فاطمہؓ سے ہیں۔

چونکہ امامنا حضرت مہدی علیہ السلام امام حسینؓ کی اولاد سے ہیں اس لئے وہی حدیث صحیح ہے جس میں امام حسینؓ کی اولاد سے ہونے کا ذکر ہے۔

مہدی علیہ السلام کے حلیہ کے بارے میں جو حدیثیں آئی ہیں ان میں چند یہ ہیں

رویانی اور ابونعیم نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ

قال رسول الله ﷺ المهدی رجل من ولدی لونه لون عربی وجسمه

اسرائیلی علی خده الایمن خال کأنه کوکب دری

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی میری اولاد سے ایک شخص ہیں' ان کا رنگ عربی اور جسم اسرائیلی ہوگا ان کے دائیں رخسار پر ایک روشن خال ستارہ کی طرح چمکتا رہے گا۔

حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ

قال المهدی کث اللحیة اکحل العینین فی وجه خال فی کتفه علامة النبی صلی الله علیه وسلم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مہدی گھنی داڑھی اور سرمگیں آنکھوں والے ہوں گے چہرہ پر خال اور شانہ پر نبی ﷺ کی علامت ہوگی۔

ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللهﷺ المهدی منی اجلی الجبهة اقنٰی الانف یملاء الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلما وجورا یملک سبع سنین

ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی مجھ سے ہیں' روشن پیشانی والے' بلند بینی ہوگی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے' جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر گئی تھی۔ سات سال تک حکومت کریں گے۔

ان احادیث میں جو حلیہ بیان کیا گیا ہے بعینہ یہی حلیہ امامنا مہدی علیہ السلام کا تھا جس کا ذکر ہماری کتب نقلیات میں موجود ہے۔

سب سے پہلے حضرت نے مکہ معظّمہ میں ۹۰۱ ھ میں دعویٰ فرمایا جس سے مدت دعوت ۹ سال ہوتی ہے۔ اور پھر احمد آباد میں ۹۰۳ ھ میں دعویٰ مہدیت کا اعادہ فرمایا اور وفات شریف ۹۱۰ ھ تک سات سال دعوت رہی۔

امام ترمذی ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ:

قال خشینا ان یکون بعد نبینا حدث فسألنا النبی ﷺ فقال ان فی امتی المهدی یخرج یعیش خمساً او سبعاً او تسعاً الخ

اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں مثلاً

☆ مہدی علیہ السلام اہل بیت رسول اللہ ﷺ سے ہیں۔

☆ آپ تمام دنیا کے مالک ہوں گے یعنی آپ کو دعوت عام افراد انسانی پر ہوگی۔

☆ آپ کا نام رسول اللہ ﷺ کا نام اور آپ کے والدین کا رسول اللہ ﷺ کے والدین کے نام کے جیسا ہوگا۔

☆ اموال کو بالسویہ تقسیم فرمائیں گے۔

☆ آپ کے زمانہ میں لوگ متاعِ دنیا سے مستغنی رہیں گے۔

پس ان تمام اوصاف سے آپ متصف تھے آپ کے زمانہ میں تقسیم بالسویہ ہوتی تھی اور آپ کے متبعین میں تقسیم بالسویہ کا عمل درآمد جاری ہے۔ اور چونکہ آپ نے ترکِ دنیا کو فرض فرمادیا ہے اس لئے جب آپ کے مصدقین ترک دنیا کرتے ہیں تو ان کے دل غنی ہوجاتے ہیں۔ دنیا کی محبت ان کے دل سے فنا ہوجاتی ہے اور مالِ دنیا سے ان کو بے نیازی ہوجاتی ہے ان کے دل حسرت ویاس سے پاک ہیں۔ نہ وہ ماہوار لیتے ہیں نہ منصب وجاگیر رکھتے ہیں اپنے بوسیدہ لباس اور فقر وفاقہ میں مست ہیں۔ یہ فیض اور یہ قناعت آپ کی تصدیق کا نتیجہ ہے۔ اور اب بھی آپ کے مصدقین میں موجود ہے۔

باقی آثار وعلامات اخبار احاد سے مستنبط ہیں اور ان کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ اسی کی طرف امامنا حضرت مہدی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"در احادیث اختلاف بسیاراست ۔این صحیح شدن مشکل است هر حدیثے که موافق باکتاب خدا وحالِ این بنده باشد آں صحیح است"

یعنی احادیث میں بہت اختلاف ہے اور ان کا صحیح ہونا مشکل ہے جو حدیث قرآن مجید اور بندہ کے حال کے موافق ہو وہ صحیح ہے (عقیدہ شریفہ)

پس مہدی علیہ السلام کا صرف اولاد فاطمہؓ سے ہونا قطعی اور یقینی ہے۔

☆☆☆☆☆

بعثت مہدیؑ کے بارے میں

احادیث کی اہمیت

تمام اسلامی احکامات اور تعلیمات کا ماخذ قرآن مجید اور احادیث شریفہ ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے ارشادات اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے جو بات ثابت ہو وہ ہر مسلمان کے لئے واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہے کیونکہ فرامین خدا اور رسول ہی مسلمانوں کے لئے منتہائے سوال ہیں۔ خدا اور رسول کے حکم سے جو بات ثابت ہو اس پر ایمان لانا اور اس کو سچ جاننا ضروری ہے۔ تمام اسلامی عقائد و اعمال اسی اصول پر مبنی ہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد احادیث رسالت پناہی اور احناف داہ کی روشنی میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ بعثت مہدی علیہ السلام سے متعلق جو احادیث شریفہ وارد ہیں ان کی کیا حیثیت ہے۔ ان میں اکثر ایسی صحیح و مستند ہیں کہ ان احادیث کی رو سے مہدی علیہ السلام کی بعثت ضروری ہونے کا اعتقاد رکھنا ہر مسلمان کے لئے لازم اور ضروری ہے۔

مہدی علیہ السلام کی بعثت کے بارے میں جو احادیث شریفہ وارد ہیں وہ دوسرے اسلامی احکام و مسائل میں وارد شدہ احادیث سے بہ لحاظ کثرتِ تعداد اور بلحاظ جامعیت بہت زیادہ ہیں۔ صحیح تعداد قرار دینے کی نسبت محدثین مختلف البیان ہیں جس کو جس قدر حدیثیں بہم پہونچی اس نے اسی قدر تعداد بیان کر دی۔ ملا علی قاری نے المشرب الوردی فی مذہب المہدی میں احادیث مہدی کی تعداد تین سو تک بتائی ہے۔ یہ احادیث مہدی علیہ السلام جن کثیر التعداد صحابہؓ سے مروی ہیں ان میں ایسے جلیل القدر صحابہ بھی ہیں جن کی روایت مرجح سمجھی جاتی ہے اور صحابہ کی اتنی کثیر تعداد دوسرے مسائل میں کم پائی جاتی ہے چنانچہ بعثت مہدی علیہ السلام کے بارے میں جن اصحاب کرام سے احادیث شریفہ مروی ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

علی ابن ابی طالبؓ۔ حسین ابن علیؓ۔ عبداللہ ابن مسعودؓ۔ عبداللہ ابن عباسؓ۔ عبداللہ ابن عمرؓ۔ جابر بن عبد اللہؓ ابو ہریرہؓ۔ ابوایوب انصاریؓ۔ عمار ابن یاسرؓ۔ ثوبانؓ ابوذر غفاریؓ۔ ابن مالکؓ۔ عبدالرحمٰن ابن عوفؓ۔ قرۃ ابن ایاس۔ علی الہلال۔ کعب۔ ابوامامہ۔ عبداللہ ابن حارث۔ قیس ابن جابر۔ قرۃ المزنی۔ ابوالطفیلؓ

اسی طرح احادیث مہدی علیہ السلام کو جن جلیل القدر محدثین نے اپنی اپنی صحاح ومسانید میں یا مجموعہ احادیث میں روایت کیا ہے ان کی تعداد ۳۰۔۳۵ تک پہنچتی ہے اور ان میں مشہور، مشہور محدثین اور آئمہ حدیث شامل ہیں۔ مثلاً امام احمد حنبلیؒ۔ ابوداؤدؒ۔ ابن ماجہؒ ترمذی۔ حاکم۔ طبرانی۔ ابونعیم۔ نعیم ابن حماد۔ دارقطنی۔ باوردی ابویعلیٰ۔ بزاد۔ ابن عساکر۔ ابن مندہ۔ دویانی۔ ابوحزیمہ۔ ابوعوانہ ابوالحسن خزلی۔ عمرو ابن شیبہ۔ عامر۔ ابوبکر مقری۔ خطیب۔ ابن سعد۔ محاملی۔ ابوعمرو ابن الدانی۔ ابن الجوزی۔ ابوغنم الکوفی۔ ابوالحسن المناوی۔ ابوبکر الاسکاف۔ ابن کثیر۔ قرطبی۔ حسن ابن ابی سفیان وغیرہ۔

احادیث مہدی علیہ السلام کے مقابلہ میں دوسرے اسلامی عقائد واعمال سے متعلق جو احادیث وارد ہیں ان کی روایت بعض صحابہ سے کی گئی ہے اور ان احادیث کا بعض، بعض محدثین نے ذکر کیا ہے ان کو وہ اہمیت وعظمت حاصل نہیں جو احادیثِ مہدی علیہ السلام کو حاصل ہے اس کے برخلاف مذکورہ اصحاب کرامؓ کی روایت سے محدثین عظام نے اپنی اپنی تالیفات میں کتاب الفتن یا کتاب القیامہ وغیرہ کے تحت احادیث مہدی کا ذکر کیا ہے اور بعض نے ظہورِ مہدی کا خاص باب باندھا ہے اس کے علاوہ کئی مشہور محدثین اور علمائے اہل سنت نے ان احادیث کے مجموعے تیار کئے ہیں۔ اور ان میں صرف بالفرض ''دنیا ختم ہونے کو ایک دن بھی باقی رہ جائے تو خدائے تعالیٰ اس ایک دن کو اتنا دراز کرے گا کہ اس میں مہدی کا ظہور ہو سکے'' (ابوداؤد) آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو یہ تاکید فرمائی ہے کہ ''تمہارے اور اس خلیفۃ اللہ کے درمیان برف کا سمندر بھی حائل ہو تو برف پر سے رینگتے ہوئے جاؤ اور اس سے بیعت کرو'' (ابن ماجہ)

ان فرامین کی موجودگی میں کیا کوئی مرد مسلم یہ جرأت کر سکتا ہے کہ حضرت خاتم النبین سید المرسلین ﷺ نے جس کے ظہور کو اس قدر ضروری فرمایا ہے وہ ایک من گھڑت قصّہ ہو جائے حالانکہ ان ہی احادیث متواترہ اور ان ہی تاکیدات کی بناء پر تقریباً تمام فرقہ ہائے اسلامیہ حضرت مہدی علیہ السلام کی ضرورت بعثت کے قائل ہیں۔ اگر ان میں اختلاف ہے تو یہی کہ اس پر عظمت وجلال مفہوم کا مصداق کونسی ذاتِ اقدس ہے۔

مہدوی قائل ہیں کہ اس ذاتِ اقدس کا ظہور ہو گیا اور مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ اس کا منتظر ہے پس بعثت مہدی علیہ السلام کا مسئلہ اسلامی عقائد کا ایک ضروری جزو ہے۔

ہم مہدوی آیات و احادیث کی روشنی میں یقین واثق اور اعتقاد جازم رکھتے ہیں کہ امامنا

حضرت سید محمد (جونپوری) مہدی موعود خلیفۃ اللہ معصوم عن الخطا اور خاتم ولایت محمدیہ ہیں۔

حضرت مہدیؑ خاتمِ دین ہیں: حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ مہدی علیہ السلام پر دین کو ختم کرے گا۔ اسی لئے متکلمین مہدی علیہ السلام کو خاتم دین سے اور محققین خاتم الاولیا یا خاتم ولایت محمدیہ ﷺ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مہدی علیہ السلام احکامِ ولایت کا بیان کر کے دین کو ختم کریں گے۔ یعنے قرآن شریف کے معانی کو جن کا تعلق احکامِ ولایت مہدی سے ہے خدائے تعالیٰ کے منشاء و مراد کے موافق بیان کرنا خاص مہدی علیہ السلام کا منصب ہے۔

صرف مہدویہ کا یہ مذہب نہیں بلکہ محققین اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، صدرالدین قونوی اور عبدالرزاق کاشانی وغیرہ اولیائے کرام نے آیت کریمہ " **ثم ان علینا بیانه** " کی تفسیر کرتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ یہ بیان قرآن جو احکامِ ولایت محمدیہ ﷺ سے متعلق ہے بزبانِ مہدی ہوگا۔

بات صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سینۂ اطہر میں دو علم تھے۔ ایک ظاہر قرآن کا علم جس کو شریعت کہتے ہیں دوسرا باطن قرآن کا علم جس کو حقیقت کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے شریعت کا عام بیان فرمایا اور تمام دنیا اس سے فیض یاب ہوئی، آج تک ہو رہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ مگر علم حقیقت جو سینۂ اقدس میں موج زن تھا اور جو بے واسطۂ جبرئیل علیہ السلام مقامِ " **اوادنی** " میں " **لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملک مقرب ولا نبی مرسل** " کی حالت میں سرور کائنات کے حوالہ ہوا تھا اور " **اوحی الیٰ عبده ما اوحیٰ** " سے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کا عام بیان نہیں فرمایا اور اس علم کو عام دعوت و تبلیغ نہیں فرمائی۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ " رسول اللہ ﷺ سے میں نے دو علم حاصل کئے ہیں ایک تو میں نے تمہارے سامنے بیان کر دیا اور اگر دوسرا علم بھی بیان کر دوں تو تم لوگ میری گردن کاٹ دو گے" علامہ قسطانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

المراد منه علم الاسرار المصئون من الاغیار المختص بالعلما بالله من اهل العرفان

یعنے ''اس علم سے علم اسرار مراد ہے جو اغیار سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور صرف اُن علما باللہ سے مخصوص ہے جو اہل عرفان ہیں'' اس سے ثابت ہے کہ خاص 'خاص اصحاب کے سوا رسول اللہ ﷺ نے عام طور پر ان احکام کو بیان نہیں فرمایا۔

محققینِ اہل سنت بھی قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف احکامِ نبوت کو بیان فرمایا۔ اور احکامِ ولایت یعنے حقیقت کی عام دعوت نہیں فرمائی کیونکہ زمانہ نبوت احکامِ ولایت کے عام بیان کے لئے موزوں نہ تھا۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ شرحِ فصوص الحکم میں فرماتے ہیں۔

'' **لا نه ﷺ غير مامور بكشف الحقايق والاسرار لخاتم الولايت بل كان مامور ً بسترها** ''

یعنے ''رسول اللہ ﷺ خاتمِ ولایت کی طرح حقایق واسرار کے اظہار پر مامور نہ تھے بلکہ آپ کو مقام تشریع میں اسرارِ ولایت کے چھپانے کا حکم دیا گیا تھا''

غرض رسول اللہ ﷺ نے مخصوص اصحاب کو جن میں اہلیت وصلاحیت تھی اسرار وحقایق کی تعلیم دی۔ اس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ اولیائے کرام کے مشہور خانوادے مثلاً قادریہ' چشتیہ' سہروردیہ' نقشبندیہ وغیرہ وغیرہ سب کسی نہ کسی صحابیٔ مکرم کے واسطے سے ذاتِ اقدس رسالت مآب ﷺ تک پہنچتے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت رسالت مآب نے عام طور پر ان اسرار وحقایق کو بیان نہیں فرمایا بلکہ احکامِ ولایت کی عام دعوت وتبلیغ کو حضرت مہدی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس پر موقوف رکھا۔ امامنا حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ ''مجھے خدائے تعالیٰ نے خاص اسی لئے بھیجا ہیکہ وہ احکام وبیان جو ولایتِ محمدیہ سے متعلق ہیں مہدی علیہ السلام کے ذریعہ ظاہر ہوں''

آیت کریمہ '' **اليوم اكملت لكم دينكم** '' کے لحاظ سے دینِ اسلام بالکل کامل ومکمل ہے۔ مگر قرآن مجید احکام شریعت اور احکامِ حقیقت دونوں شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے احکام شریعت کی تبلیغ کی اور احکام حقیقت کے بیان کو علیٰ سبیل الدعوۃ مہدی علیہ السلام پر موقوف رکھا اسی واسطے بعثت مہدی ضروریات دین سے ٹھری۔ اور رسول اللہ ﷺ نے بعثت مہدی کو ضروری قرار دی فرمایا کہ بعثتِ مہدی کے بغیر قیامت نہ آئے گی۔ اور مہدی علیہ السلام سے بیعت کرنے کو اس قدر ضروری قرار دیا کہ ''برف پر سے رینگ کر جانا پڑے تو جاؤ اور ان سے بیعت کرو کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ اور مہدی ہیں''

اور مہدی علیہ السلام کو خاتمِ دین فرمایا چنانچہ نعیم بن حماد اور ابونعیم نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ

امنا آل محمد المهدی ام من غیر نا قال لا بل منا یختم الله به الدین کما فتحه بنا "

یعنے ''کیا مہدی ہم آلِ محمد سے ہوں گے یا ہمارے غیر سے؟ فرمایا نہیں بلکہ آلِ محمد سے ہوں گے خدائے تعالیٰ ان پر دین کو ختم کرے گا جس طرح ہم سے شروع کیا ہے''

اس حدیث سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام خاتمِ دین رسول اللہ ہیں۔ جب تک احکامِ ولایت کی عام دعوت وتبلیغ نہ ہو دین ختم نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ مہدی علیہ السلام کو وفات کے وقت خدائے تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ آیت "**اکملت لکم دین کم**" کا بیان کریں یعنے آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا جس کا مطلب یہ ہے جو دین بلحاظِ تنزیل مکمل تھا اور جس کی شریعت کے احکام بیان ہو چکے تھے وہ آج احکامِ ولایت بیان ہو کر بلحاظ تبلیغ بھی مکمل ہو گیا۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ دین کامل ہو چکا اب کسی امامِ معصوم کی یا مہدی موعودؑ کی بعثت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ جب تک مہدی موعودؑ کی بعثت اور احکام ولایتِ محمدیہ کی تبلیغ نہ ہو دین مکمل نہیں ہوسکتا۔ اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ "**یختم الله به الدین**" یعنے خدائے تعالیٰ مہدی پر دین کو ختم کرے گا۔

غرض بہ فرمانِ رسالت پناہی روحی فداہ مہدی علیہ السلام احکامِ ولایت کو بیان کر کے دین کو ختم کریں گے اور دین اسلام بلحاظِ تبلیغ مکمل ہوگا۔

پس ہم مہدوی آیات واحادیث کی روشنی میں یقین واثق اور اعتقادِ جازم رکھتے ہیں کہ امامنا حضرت سید محمد (جونپوری) مہدیؑ موعود خلیفۃ اللہ معصوم عن الخطا خاتم ولایتِ محمدیہ خاتمِ دین رسول اللہ ہیں

☆☆☆☆☆

مہدویت عین اسلام ہے

حضرت خاتم النبین سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کی ضرورت اور آپ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لئے جس طرح آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات، اہل زمانہ کے حالات، آپ کی پراثر حکمت احکام وارشادات، انبیائے سابقین کی بشارات وغیرہ جن جن دلائل سے استدلال کیا جاتا ہے بعینہ اسی طرح حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت اور ضرورت پر بھی ان تمام امور سے بحث کی جاسکتی ہے۔ لیکن ہم اس وقت یہاں صرف خدا و رسولؐ کے احکام سے بحث کریں گے۔ کیونکہ فرامین خدا اور رسول ہی منتہائے سوال اور تمام مسلمانوں کے لئے واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہیں۔

خدا اور رسولؐ کے حکم سے جو بات ثابت ہو اس پر ایمان لانا اور اس کو سچ جاننا ضروری ہے اور تمام اسلامی عقائد و اعمال اسی اصول پر مبنی ہیں۔ مثلاً توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کی فرضیت، بت پرستی اور شراب وغیرہ کی حرمت، آخرت اور اس کے متعلقات جیسے جنت، دوزخ، حوض کوثر، عذاب قبر، قیامت اور اس کے علامات جیسے آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا، دابۃ الارض کا خروج، حشر، نامۂ اعمال، میزان، صراط وغیرہ۔ غرض بہت سے ایسے عقائد و اعمال ہیں کہ ہم سب مسلمان ان پر اس لئے ایمان لاتے ہیں کہ یہ باتیں خدا اور رسولؐ کے حکم سے ثابت ہیں۔

جن عقائد و اعمال کے سچ ہونے کا مسلمان یقین کامل اور اعتقاد جازم رکھتے ہیں، ان کے منجملہ بعض ایسے ہیں کہ قرآن شریف میں صاف وصریح طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض بالاجمال اور اشارۃً مذکور ہیں اور احادیث رسالت پناہی سے ہی ان کی تفصیل ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ کے بارے میں قرآن مجید میں اس قدر محکوم ہے کہ "**اقیمو الصلوۃ و آتوالزکوۃ**" یعنی نماز پڑھو اور زکوۃ دو۔ لیکن یہ تفصیل کہ نماز کس طرح پڑھی جائے؟ ارکان نماز کی تفصیل کیا ہے اس کے فرائض سنن و مستحبات اور مکروہات ونوافضات کیا ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کون ادا کرے، کب ادا کرے، اور کس چیز سے کس مقدار میں ادا کرے۔ یہ تمام تفصیلات احادیث ہی سے ثابت ہوتے ہیں۔

مہدی علیہ السلام کی بعثت بھی قرآن شریف سے اسی طرح ثابت ہوتی ہے جس طرح کتب

سماویہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت انبیائے سابقین کی بشارتوں سے متحقق ہوتی ہے لیکن ان آیات قرآنی سے کسی اور وقت بحث کی جائے گی۔ جن میں امام موعود کی بعثت کی خبر پائی جاتی ہے۔ آج کی صحبت میں صرف اصول حدیث وفرامین رسالت پناہی ﷺ کی روشنی میں یہ لکھنا مقصود ہے کہ بعثت مہدی علیہ السلام سے متعلق جتنی حدیثیں آئی ہیں وہ موضوع اور بنائی ہوئی نہیں ہیں بلکہ وہ ایسی صحیح اور مستند ہیں کہ ان احادیث کی رو سے مہدی علیہ السلام کی بعثت ضروری ہونے کا اعتقاد رکھنا ہر مسلمان کے لئے لازم و مستحکم ہے اور مہدویت عین اسلام ہے۔

مہدی علیہ السلام کی بعثت کے بارے میں کثیر احادیث شریفہ وارد ہیں

(۱) امام ابوداؤد نے ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا **المهدی من عترتی من ولد فاطمة.** مہدی میری عترت سے اولاد فاطمہ سے ہے۔

(۲) ترمذی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ **خشینا ان یکون بعد نبیناحدث فسالنا النبی علیه السلام قال ان فی امتی المهدی یخرج بعیش خمسا او سبعا او تسعا** الخ یعنی ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ ہمیں ڈر تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی فتنہ ہو۔ پس ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ مہدی میری امت میں سے نکلے گا۔ پانچ یا سات یا نو سال زندہ رہے گا۔

اس حدیث کے مطابق پہلی مرتبہ مکہ معظّمہ میں ۹۰۱ھ میں دعوۂ مہدیت کے بعد ۹ سال دوسری مرتبہ احمد آباد میں ۹۰۳ھ میں دعوۂ مہدیت کے بعد سات سال اور تیسری مرتبہ بڑلی میں ۹۰۵ھ میں دعوۂ مہدیت کے بعد پانچ سال حضرت مہدی علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ رہی۔

(۳) ابن ماجہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا **المهدی منااهل البیت یصلحه الله فی لیلة** مہدی ہم اہلبیت سے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں ایک ہی رات میں صلاحیت پیدا کردے گا۔

(۴) ابوداؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **المهدی منی اجلی الجبهة اقنی الانف یملاء الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا ویملک سبع سنین** مہدی میری اولاد سے ہیں۔ روشن پیشانی، بلند بینی ہوگی۔ زمین کو عدل وانصاف سے بھردیں گے۔ جس

طرح ظلم و جور سے بھر جائے گی۔ سات سال مالک رہیں گے۔ اس حدیث شریف میں عدل وقسط سے ایمان اور ظلم و جور سے کفر طغیان مراد ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ تمام اہل دنیا ایمان سے مشرف ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ۲۳ سال دعوت تبلیغ فرمائی اور اسلام جزیرۃ العرب سے باہر نہ جا سکا ممکن نہیں کہ مہدی علیہ السلام کی تبلیغ و دعوت سے تمام دنیا نور ایمان سے منور ہو جائے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے **ولو شاء الله لجعلكم امة واحدة**(النحل۹۳) اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی مشیت اس بات پر جاری نہیں ہوئی کہ دنیا کے سب لوگ ایک امت بن جائیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے کہ **ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلهم جمیعا**(یونس۹۹) اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو دنیا کے سب لوگ مومن بن جاتے۔ یعنی مشیت الٰہی اس طرح جاری نہیں ہوئی۔ پس اس حدیث میں زمین سے تمام روئے زمین نہیں بلکہ وہ زمین مراد ہے جہاں آپ تشریف لائے اور وہاں کے لوگ آپ کے بیعت سے مشرف ہوں تو ان کا کفر وطغیان ایمان سے بدل جائے گا۔

غرض اس حدیث شریف کے معنی قرآن شریف سے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث شریف میں **الارض** پر الف لام استغراق کے لئے نہیں بلکہ عہد خارجی کے لئے ہے اور بعض قطعات ارض مراد ہیں۔ جیسے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے **الارض یرثها عبادی الصالحون** . یعنی میرے صالح بندے زمین کے وارث ہوں گے۔ اس آیت میں **الارض** سے مراد تمام روئے زمین نہیں بلکہ صرف بیت المقدس یا جنت مراد ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں الف لام استغراق کے لئے نہیں عہد خارجی کے لئے ہے۔ ورنہ نصوص صریحہ سے خلاف لازم آئے گا۔

(۵) امام احمد بن حنبل نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لاتقوم الساعة حتی یملک رجل من اهل بیتی اجلی الجبهة اقنی الانف یملاء الارض عدلا کما ملئت ظلما وجورا یکون سبع سنین** . قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک میری اہل بیت میں سے ایک شخص مالک نہ ہو جائے جو بلند پیشانی اور ستوان ناک والا ہوگا۔ زمین کو عدل سے بھر دے گا۔ جس طرح ظلم سے بھر گئی ہے۔ سات سال زندہ رہے گا۔

سات سال زندہ رہے گا یا سات سال مالک رہے گا اس سے ظاہری حکومت و بادشاہت

مراد نہیں بلکہ دعوت مراد ہے۔

(۶) ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لو لم یبق من الدنیاالا یوم واحد لطول اللہ ذالک الیوم حتی یبعث رجلا من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی** اگر بالفرض دنیا ختم ہونے کو ایک دن بھی باقی رہے تو اللہ تعالیٰ اس ایک دن کو یہاں تک دراز فرمائے گا کہ میری اہلبیت سے ایک شخص مبعوث ہوجائے۔ جس کا نام میرے نام کے اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے جیسا ہوگا۔

(۷) طبرانی اور ابونعیم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **لاتذھب الدنیا حتی یبعث اللہ رجلا من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی فیملاء الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا**

دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک میری اہلبیت سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو مبعوث نہ فرمائے گا جس کا نام میرے نام کے اور جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا۔ پس وہ زمین کو قسط وعدل سے بھر دے گا جس طرح ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی۔

ان احادیث کے الفاظ **لا یذھب الدنیا اور لا تقوم الساعۃ** وغیرہ سے ضرورت بعثت مہدی علیہ السلام ثابت ہوتی ہے اور خصوصاً ابو داؤد کی روایت کے الفاظ **لطول اللہ ذالک الیوم** ضرورت بعثت مہدی علیہ السلام پر دلیل محکم ہے۔

(۸) طبرانی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک بڑا فتنہ برپا ہوگا پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے فتنے برپا ہوتے رہیں گے۔ یہاں تک میری اہلبیت سے وہ نکلے گا جس کو مہدی کہتے ہیں۔ پس اگر تم اس کو پاؤ تو اس کی اتباع کرو اور ہدایت یافتہ ہوجاؤ۔

اس حدیث شریف میں مہدی علیہ السلام کی اتباع کا صاف حکم ہورہا ہے اور نیز یہ کہ مہدی علیہ السلام ہی ہدایت کا ذریعہ ہیں۔

(۹) ابن ماجہ، حاکم اور ابونعیم نے ثوبانؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **یقتل عذر کنزکم ثلاثۃ کلھم ابن خلیفۃ لا یصیر الی واحد منھم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق فیقتلونکم قتلا لم یقتلہ قوم ثم یجئ خلیفۃ اللہ المھدی فاذا**

سمعتم به فاتوه فبایعوه ولوحبوا علی الثلج فانه خلیفة الله المهدی تمہارے خزانہ کے پاس تین آدمی جو خلیفہ کی اولاد سے ہوں گے جھگڑیں گے۔لیکن ایک بھی اس پر قابض نہ ہو سکے گا۔پھر اس کے بعد مشرق کی طرف سے کالی جھنڈیاں نمودار ہوں گی وہ لوگ تم کو ایسا قتل کریں گے کہ اب تک کسی قوم نے ایسا قتل نہ کیا ہوگا پھر اس کے بعد اللہ کے خلیفہ مہدی آئیں گے جب تم کو مہدی کی خبر ملے تو تم ان کے پاس جاؤ اور ان سے بیعت کرو اگر چہ تم کو برف پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے۔کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں۔

اس حدیث سے منصوصاً ثابت ہو رہا ہیکہ مہدی علیہ السلام سے بیعت فرض ہے۔چنانچہ **فبایعوه** کے الفاظ اس معنی پر دلالت کرتے ہیں **ولوحبواً علی الثلج** سے اس فرضیت کی مزید تاکید ہوتی ہے۔**فانه خلیفة الله** کے الفاظ اس فرض کی توجیہ پر دلالت کرتے ہیں پس مہدی علیہ السلام کا خلیفۃ اللہ ہونا اور آپ کی بیعت فرض ولازم ہونا اس حدیث سے ثابت ہے۔

(۱۰) مسند امام احمد بن حنبل میں عبدالرحمٰن بن عباس رضی اللہ عنہ سے اور کنز العمال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور مشکوٰۃ میں باختلاف الفاظ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لن تهلک امة انا فی اولها و عیسیٰ بن مریم فی آخرها والمهدی فی وسطها.** وہ امت ہرگز ہلاک نہ ہوگی جس کے اول میں ہوں اور عیسیٰ بن مریم آخر میں ہیں اور مہدی علیہ السلام درمیان امت میں ہیں۔

اس حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات اقدس کی طرح حضرت مہدی علیہ السلام کو بھی دافع ہلاکت امت فرمایا ہے۔پس مہدی علیہ السلام کی بعثت ضروری اور آپ سے بیعت عین اسلام ہوگی۔اور اس حدیث شریف سے اس خیال وعقیدہ کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مہدی علیہما السلام بیک وقت موجود رہیں گے۔دوسرے دلائل و براہین سے قطع نظر اس صحیح ترین حدیث سے جس کے سب راوی ثقہ ہیں اور جس کو محدثین سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر کہتے ہیں ان ضعیف اقوال وروایات کی تردید ہو جاتی ہے جن کی بناء پر اجتماع مہدیؑ وعیسیٰؑ کا عقیدہ باندھ لیا گیا ہے۔اور اسی حدیث صحیح سے اس امر کی تردید ہو جاتی ہے کہ مہدیؑ وعیسیٰؑ ایک ہی شخص ہیں۔

چنانچہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ " **لا مهدی الا عیسیٰ**"یعنی عیسیٰ ہی مہدی ہیں۔اس حدیث کے راویوں میں محمد بن خالد جندی کے بارے میں یحییٰ بن معین کو ان

کے حفظ میں تامل ہے۔امام بیہقی اور محدث حاکم نے محمد بن خالد کو مجہول کہا ہے۔اور امام نسائی اس حدیث کو منکر فرماتے ہیں۔غرض صحیح یہی ہے کہ مہدی علیہ السلام اولاد فاطمہؓ سے وسط امت میں ہیں۔ اور حضرت عیسیٰؑ جو ابن مریم ہیں آخر زمانہ میں آسمان سے نازل ہوں گے۔پس اجتماع مہدی وعیسیٰ کا عقیدہ غلط ہے اور اسی ضعیف بلکہ موضوع حدیث سے استدلال کر کے بعض لوگوں نے جو نہ اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہیں اور نہ عیسیٰ بن مریم ہیں مہدیت اور مسیحیت کا دعویٰ کیا ہے۔

غرض حدیث شریف باختلاف الفاظ **لن تهلک امة یا کیف تهلک امتی** سے ثابت ہے کہ نہ عیسیٰ ومہدی ایک ہی شخص ہیں اور نہ عیسیٰ ومہدی کا اجتماع ہوگا۔علمائے اہل سنت نے بھی غور و فکر کے بعد یہی فیصلہ فرمایا کہ مہدی وعیسیٰ علیہما السلام ایک زمانہ میں جمع نہ ہوں گے۔چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے غالباً بر بنائے شہرت یا روایت پر غور نہ کر کے شرح عقائد نسفی میں لکھا تھا کہ عیسیٰ اور مہدی علیہما السلام ایک زمانہ میں ہوں گے۔اور مہدی علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کریں گے لیکن شرح عقائد نسفی کی تالیف کے سولہ سال بعد جب شرح مقاصد لکھی تو اپنے پہلے قول سے رجوع کرلیا اور کامل تحقیق و تدقیق کے بعد لکھا کہ **فما یقال ان عیسٰی علیه السلام یفتدی بالمهدی او بالعکس شئی لا مستندله فلا ینبغی ان یعدل علیه** یہ جو کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ مہدی یا مہدی عیسیٰ کی اقتدا کریں گے۔یہ ایسی بات ہے کہ اس کی کوئی سند نہیں ہے۔اس پر توجہ نہیں کرنا چاہیئے۔

احادیث مہدی علیہ السلام کے بارے میں جن اصحاب کرام سے احادیث مروی ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔علی ابن ابی طالب۔حسین ابن علی۔عبداللہ بن مسعود۔عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر۔حذیفہ جابر بن عبداللہ۔ابو ہریرہ۔سعید بن المسیب۔ابوایوب انصاری عمار بن یاسر۔ ثوبان۔ابوذر غفاری۔عوف بن مالک۔زہری۔عائشہ۔ام سلمہ۔ام حبیبہ۔ابوسعید خدری۔انس بن مالک۔عبدالرحمٰن بن عوف۔قرۃ الایاس۔طلحہ۔علی الہلال۔کعب۔ابوامامہ۔عبداللہ بن حارث۔قیس بن جابر۔قرۃ المزنی۔ابوالطفیل رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اسی طرح احادیث مہدی علیہ السلام کو جن جلیل القدر محدثین نے اپنی صحاح ومسانید یا مجموعہ احادیث میں روایت کی ہے ان کی تعداد ۳۰ تا ۳۵ تک پہونچتی ہے۔ان میں مشہور محدثین اور ائمہ حدیث

شامل ہیں۔مثلاً امام احمد حنبل۔ابوداؤد۔ابن ماجہ۔ترمذی۔طبرانی۔حاکم۔ابونعیم۔نعیم بن حماد۔دارقطنی بادردی۔ابویعلی بزار۔ابن عساکر۔ابن مندہ۔رویانی۔ابوحزیمہ۔ابوعوانہ۔ابوالحسن خزنی۔عمرو بن شیبہ عامر۔ابوبکر۔مقری۔خطیب۔ابن سعد۔محاملی۔ابوعمر والدانی۔ابن الجوزی۔ابوغنم الکوفی۔ابوالحسن المنادی۔ابوبکر الاسکاف۔ابن کثیر۔قرطبی۔حسن بن سفیان۔حرث۔ابن ابی امامہ۔بیہقی۔طبری وغیرہم۔

ان محدثین نے بعثت مہدی علیہ السلام کی احادیث کو اپنی اپنی تالیف کتاب الفتن یا کتاب القیامہ وغیرہ ابواب وفصول کے تحت ذکر کیا ہے اور بعض محدثین نے ظہور مہدی کا خاص باب باندھا ہے۔بعض مشہور محدثین اور علمائے اہل سنت نے اس موضوع پر خاص مجموعے لکھے ہیں اور اس میں احادیث مہدی علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔مثلاً (۱) العقد الدرر فی احادیث المہدی المنتظر مولفہ فاعل العلامہ یوسف بن یحییٰ بن علی المقدسی الشافی (۲) العرف الوردی فی اخبار المہدی مولفہ حافظ جلال الدین سیوطی (۳) القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر شیخ ابن حجر الہیتمی الشافعی (۴) البرہان فی علامات مہدی آخرالزماں شیخ ملاعلی المتقی (۵) المشرب الوردی فی مذہب المہدی شیخ ملاعلی القاری

احادیث مہدی علیہ السلام کے مقابلہ میں دوسرے اسلامی عقائد واعمال سے متعلق جو احادیث وارد ہیں ان کی روایت صرف بعض صحابہ سے کی گئی ہے۔اور ان روایات کا بعض بعض محدثین نے ذکر کیا ہے۔ان کو وہ اہمیت وعظمت حاصل نہیں جو احادیث مہدی علیہ السلام کو حاصل ہے۔ان اخبار واحادیث کی روایت اور تخریج بھی جلیل القدر محدثین نے اپنی صحاح ومسانید میں کی ہے اور بعض مشہور محدثین نے احادیث مہدی علیہ السلام کے خاص مجموعے تیار کئے ہیں جن سے ان اخبار کی خاص اہمیت ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ مشہور محدثین اور اجلۂ علمائے اہل سنت، احادیث مہدی علیہ السلام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جو حدیثیں مروی ہیں وہ تواتر معنوی کی حد تک پہونچی ہوئی ہیں چنانچہ امام محمد بن احمد الانصاری القرطبی تذکرہ القرطبی میں لکھتے ہیں۔ **قد توارت الاخبار واستفاضت بکثرۃ رواتھا عن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عن المھدی و انہ من اھل بیتہ**

یعنی رسول اللہ ﷺ سے مہدی کی بعثت اور آپ کے اہلبیت رسول اللہ ﷺ ہونے کی نسبت کثیر راویوں کی روایت سے احادیث متواترہ مستفیض وارد ہیں۔

شیخ ابن حجر ہیتمی القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر میں لکھتے ہیں۔ **قال بعض ائمۃ**

الحفاظ ان کون المهدی من ذریته علیه السلام تواترت عنه علیه السلام ۔یعنی بعض حفاظ حدیث کا قول ہے کہ مہدی علیہ السلام کا آل رسولؐ سے ہونا' رسول اللہ ﷺ سے تواتراً مروی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں **قد دردت فیه احادیث کثیرة متواترة المعنی ایضا قد تظاهرت الاحادیث البالغة حد التواتر معناً فی کون المهدی من اهل البیت من ولد فاطمةؓ** یعنی مہدی علیہ السلام کے بارے میں متواتر المعنی حدیثیں مروی ہیں ۔ نیز مہدی علیہ السلام کے اہلبیت رسول اللہؐ اور اولاد فاطمہ سے ہونے کی حدیثیں تواتر معنوی کی حد کو پہونچ گئی ہیں۔

ملا علی القاری الہروی المشرب الوردی فی مذہب المہدی میں لکھتے ہیں ۔ **قد تواترت اخبار عن رسول اللهؐ و انه من اهل بیته** یعنی مہدی علیہ السلام کی بعثت اور آپ کے اہل بیت آنحضرت ہونے کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے احادیث متواترہ وارد ہیں۔

بحرالعلوم علامہ عبدالعلی ملک العلماء شرائط الساعہ میں لکھتے ہیں کہ **احادیثے که دال اند برخروج امام مهدی کثیر اند که مبلغ آں بتواتر رسیده است**

علامہ سید محمد بن عبدالرسول البرزنجی المدنی اشاعہ فی اشراط الساعہ میں لکھتے ہیں ۔ **ان احادیث وجود المهدی وخروجه فی آخر الزمان وانه من عترة رسول اللهؐ من ولدفاطمة بلغت حدالتواتر المعنوی فلا معنی لا نکار ها و من ثم ورد من کذب بالدجال فقد کفرومن کذب بالمهدی فقد کفر رواه ابوبکراسکاف فی فوائد الاخبار وابوالقاسم السهیلی فی شرح السیرله**

یعنی وجود مہدی اور آخری زمانہ میں آپ کی بعثت اور آپ کی عترت رسول یعنی اولاد فاطمہؓ سے ہونے کی احادیث تواتر معنوی ہونے کی حد تک پہونچ گئی ہیں ۔ان کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ۔اسی لئے یہ حدیث وارد ہے کہ جس نے دجال کا انکار کیا وہ کافر ہے اور جس نے مہدی کا انکار کیا وہ کافر ہے۔ اس حدیث کو ابوبکر اسکاف نے فوائدالاخبار میں اور ابوالقاسم سہیلی نے اپنی شرح السیر میں روایت کیا ہے

غرض محدثین اور علمائے امت ، احادیث مہدی علیہ السلام کے بارے میں تواتر کے قائل ہیں ۔اور یہ صحیح بھی ہے ۔کیونکر مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو احادیث مروی ہیں اگر ہر طبقہ کے

راوی کثیر ہوں (جن کی کم از کم حد چار ہے) تو ایسی حدیث کو متواتر اللفظ والمعنی لکھیں گے۔ اور ان دونوں متواتر اللفظ ومتواتر بالمعنی کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ احادیث شریفہ جو وجود مہدی علیہ السلام پر دلالت کرنے والی ہیں اپنی کثرت تعداد اور کثرت رواۃ کے باعث متواتر کی کسی نہ کسی تعریف میں ضرور داخل ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محدثین اور ائمہ کا یہ مسلمہ ضابطہ ہے کہ حدیث متواتر سے علم یقینی اور اضطراری حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ہر مسلمان اس امر کے یقین کرنے پر مجبور ہے کہ جو الفاظ یا مفہوم اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے اس کی نسبت حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف سے صحیح ہے اور سنت کا یہ ضابطہ ہے کہ جس قول وفعل یا امر کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف یقینی طور پر صحیح ثابت ہو جائے تو ہر مسلمان پر اس کی صحت کا اعتقاد رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں۔ **کون المتواتر مفید العلم الیقین هو المعتمدین لان خبر المتواتر یفید العلم الضروری وهو الذی یضطر الانسان الیه بحیث لا یمکنه دفعه**

یعنی خبر متواتر سے علم یقینی کا فائدہ ہونا مذہب مختار ہے کیونکہ خبر متواتر سے علم ضروری حاصل ہوتا ہے جس کے ماننے پر آدمی مضطر ومجبور ہے کہ اس کا رد کرنا ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ احکام اسلامی میں اس کی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً معراج، مسح خفین، عذاب قبر، ترتیب صلواۃ وغیرہ کئی مثالیں ہیں جو قرآن شریف میں صراحتاً درج نہیں ہیں اور کسی متواتر اللفظ سے بھی ان کا ثبوت نہیں۔ لیکن جن متواتر بالمعنی احادیث سے ان کا ثبوت ملتا ہے ان سب کے جزو مشترک سے یہی مفہوم مستنبط ہوتا ہے کہ مسائل مذکورہ قطعی ویقینی ہیں کہ ان کی صحت کا اعتقاد ہر مسلمان پر لازم اور ان کا انکار موجب کفر ہے۔

پس ان تمام اقوال سے جو علمائے مہدویہ کے نہیں بلکہ علمائے اہل سنت کے ہیں یہ مقدمات ثابت ہوئے کہ (۱) وجود مہدی علیہ السلام حدیث متواتر سے ثابت ہے۔ (۲) جو بات حدیث متواتر سے ثابت ہو وہ قطعی ویقینی ہے اس کا رد کرنا یا انکار ناممکن اور موجب کفر ہے

پس ان دونوں مقدمات سے یہی نتیجہ برآمد ہوا کہ وجود مہدی علیہ السلام قطعی ویقینی ہے جس

کا رد کرنا موجب کفر اور ناممکن ہے۔

اس ضمن میں اصول حدیث کا ایک اور ضابطہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ احادیث متواترہ کے راویوں کے ضعف وقوت سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ فاسقوں اور کافروں کی روایات بھی اگر حد تواتر کو پہونچ جائے تو موجب یقین اور موجب عمل ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں۔ **والمتواتر لا یبحث عن رجالہ بل یجب العمل من غیر بحث لا یجابہ الیقین وان ورد عن الفساق بل عن الکفرۃ**

یعنی متواتر راویوں کے اوصاف سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ بغیر بحث کے اس پر عمل کرنا واجب ہے کیونکہ وہ موجب یقین ہیں۔ اگرچہ فاسقوں بلکہ کافروں سے روایت ہوئی ہو۔ لیکن بعض افراد نے جو نہ محدث ہیں اور نہ اصول حدیث سے واقفیت رکھتے ہیں اس مسلمہ ضابطہ کے خلاف احادیث متواترہ میں بھی ضعف وقوت کی بحث کرنے کی غلطی کی ہے۔ مثلاً مورخ ابن خلدون وغیرہ نے بے شمار احادیث مہدی علیہ السلام کے منجملہ چند احادیث پر رد وقدح کر کے ان کو غلط قصہ قرار دینے کی جرات کی اور اپنے زعم باطل کی تائید میں بعض احادیث کے راویوں کی نسبت جرح وطعن کر کے اور بعض تاریخی واقعات سے احادیث کے مضمون کو تطبیق کر کے نتیجہ نکالا کہ یہ احادیث مہدی بنائی ہوئی اور موضوع ہیں اور سرے سے وجود مہدی کا انکار کر دیا۔ لیکن اوپر کے تمام مباحث سے مورخ مذکور کے خیال کی کافی تغلیط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سر سید احمد خان نے بھی اپنے رسالہ ''مہدی آخر الزماں'' میں احادیث مہدی کو ایک من گھڑت قصہ قرار دیا۔

ابن خلدون کا جواب مہدویوں میں علامہ سید اشرف سمنانی علیہ الرحمہ نے دیا ہے جو اُردو زبان میں اصلاح الظنون کے نام سے چھپ گیا ہے۔ علمائے اہل سنت میں سے ہندوستان کے مشہور عالم اور پیر طریقت جناب سید اشرف علی تھانوی نے ابن خلدون کا جواب اُردو میں لکھا جو ان کی مطبوعہ تالیف میں موجود ہے اس کے علاوہ شام کے ایک جلیل القدر فاضل شیخ محمد بن احمد صدیق نے ابن خلدون کے اعتراضات کا جواب عربی زبان میں لکھا جو **ابراز الوھم المکنون من کلام ابن خلدون** کے نام سے دمشق میں شائع ہو گیا ہے۔

مولوی مناظر حسن گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ بھی ابن خلدون کے بیان کو غلط قرار

دیتے اور مسلمانوں کو دھوکہ دہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ مکاتیب امام غزالی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں

''اس قسم کا مغالطہ جس سے ابن خلدون نے مسلمانوں کے نظریہ مہدیت کو مضمحل کرنے میں کام لیا تھا ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اس کا تذکرہ کر کے آئندہ مہدی علیہ السلام کی شکل میں مسلمانوں کو ایک نجات دہندہ ملے گا، اس خیال کو اس نے غیر عقلی عقیدہ قرار دیا ہے''

ابن خلدون کے خیال کی معقول تردید کرنے کے بعد لکھا مہدی کے متعلق حدیث کی کتابوں میں جو روایتیں ہیں ان پر ابن خلدون نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کی بھی محدثانہ حیثیت سے کوئی وقعت نہیں ہے۔ اور مہدی علیہ السلام کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ایک مسلمہ عقیدہ ہے۔ (صفحہ ۱۳)

مختصر یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا ظہور مہدی علیہ السلام کی خبر دینا اس کے متواتر ہونے کی جہت سے قطعی و یقینی ہے تو یہ خود اس کی ضروری ہونے کی دلیل ہے اس کے ساتھ ہی احادیث کے معنی و مطالب پر بھی ایک نظر ڈالنے سے ظہور مہدی علیہ السلام کی ضرورت کے مسئلہ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

انبیائے سابقین کی بشارتوں کی طرح ان احادیث شریفہ میں مہدی علیہ السلام کے ظہور کی صرف خبر ہی نہیں دی گئی ہے بلکہ اس موعود رسول اللہ ﷺ کا ظہور ضروری ہونے کی تاکید احادیث میں پائی جاتی ہے کہ ''جب تک مہدی کا ظہور نہ ہو قیامت نہ آئے گی۔ جب تک وہ مبعوث نہ ہوں دنیا ختم نہ ہوگی۔ اگر بالفرض دنیا کے ختم ہونے کو ایک دن ہی باقی رہ جائے تو خدائے تعالیٰ اس ایک دن ہی کو اتنا دراز فرمائے گا کہ اس میں مہدی کا ظہور ہو سکے۔ امت کو یہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ اگر تمہارے اور اس خلیفۃ اللہ کے درمیان برف کا سمندر بھی حائل ہو تو برف پر سے رینگتے ہوئے جاؤ اور اس سے بیعت کرو''

ہم نہیں سمجھتے کہ حضرت رسالتمآب مخبر صادق ﷺ نے جس ذات کے ظہور کو اس قدر ضروری اور اہم فرمایا ہے وہ ایک غیر ضروری مسئلہ اور من گھڑت قصہ ہو جائے۔ اور کوئی مسلمان جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے ظہور مہدی علیہ السلام کے عقیدہ کو سرے سے ناقابل قبول قرار دے۔

غرض ان مباحث مذکورہ سے کسی قدر واضح ہو گیا کہ دوسری احادیث کو وہ اہمیت اور خصوصیت حاصل نہیں ہے جو احادیث مہدی علیہ السلام کو حاصل ہے۔ اسی وجہ سے آئمہ دین کی مرتبہ اصول و عقائد کی کتابوں میں بعثت مہدی علیہ السلام کا ذکر ضرور پایا جاتا ہے کیونکہ مسئلہ مہدیت ہر مسلمان کے لئے ضروری الاعتقاد ہے۔ چنانچہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں لکھا ہے۔ اختلف

الناس فی امر المهدی فتوقف جماعة واحالوا العلم الی عالمه واعتقدوانه واحد من اولاد فاطمة بنت رسول اللهؐ یخرج فی آخر الزمان یعنی مہدی کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ایک جماعت نے توقف کیا اوراس کا علم اس کے عالم (اللہ تعالیٰ) پر چھوڑ دیا اوراس بات کے معتقد ہوئے کہ مہدی اولاد فاطمہ سے ایک ہیں جو آخر زمانہ میں نکلیں گے۔

علامہ سعد الدین تفتا زانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں ۔ **ذهب العلما والی انه امام عادل من ولد فاطمة یخلقه الله متی شاء ویبعثه نصرةلدینه** یعنی علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مہدی ایک امام عادل اولاد فاطمہؓ سے ہیں۔اللہ تعالیٰ جب چاہے گا انہیں پیدا کرے گا اوراپنے دین کی نصرت کے لئے مبعوث فرمائے گا۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے ائمہ دین میں کسی امام کی نسبت یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ میرے بعد وہ میرا وارث ہوگا۔میرے نقش قدم پر چلے گا اور خطا نہ کرے گا۔مگر یہ بات خاص مہدی علیہ السلام کی شان میں فرمائی ہے۔حضرت عارف جامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے به سرا پردۂ یثرب بخواب
خیز که شد مشرق و مغرب خراب

اس شعر میں مہدی علیہ السلام کی بعثت کی طرف اشارہ ہے۔حضرت جامی علیہ الرحمہ نے مہدی علیہ السلام کی بعثت کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت قرار دیا ہے۔رسول اللہ ﷺ سے التجا کرتے ہیں کہ آپ تشریف لائیں زمانہ کو آپ کی ضرورت ہے۔

لسان الغیب حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

مژده اے دل که مسیحا نفسے می آید
که زانفاس خوشش بوے کسے می آید
خبرم نیست که منزل گه مقصود کها است
این خبر هست که بانگ جرسے می آید

یعنی اے دل مسیحا نفس کی آمد آمد ہے جس سے بوے رسول آتی ہے۔گو منزل مقصود کا علم نہیں ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ کاروان نکل چکا ہے،اور گھنٹیوں کی آواز آرہی ہے۔

دانائے راز حافظ شیرازی نے ان اشعار میں مہدی علیہ السلام کو مثل رسول اللہ فرمایا ہے اور کہتے

ہیں کہ زمانہ بعثت قریب ہے۔البتہ یہ خبر نہیں کہ کونسے مقام پر مبعوث ہونگے۔

مولانا رومؒ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر که هست از امتم

کو بودهم گوهرو دهم همستم

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں اس کا ظہور ہوگا جو میرا ہم مرتبہ وہم منزلت ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد بھی بعثت مہدی کے قائل اور ظہور مہدی کے منتظر ہیں۔البتہ وہ حضرت امامنا علیہ السلام کو مہدی موعود امام آخرالزماں نہیں مانتے بلکہ ایک غلط افواہ کی بناء پر کتب مہدویہ سے تحقیق کئے بغیر اغیار و معاندین کے بیان پر اعتماد کر کے حضرت کو ''انت المہدی'' کی آواز آئی تھی (جس کی کوئی اصلیت نہیں) مہدی لغوی (یعنی ہدایت یافتہ) مانتے ہیں۔حالانکہ یہاں کسی آواز غیبی کا کیا ذکر ہے۔حضرت نے صاف وصریح طور پر فرمایا ہے کہ خدائے تعالی کے حکم سے جس میں خواب و معاملہ اور کشف والہام کو دخل نہیں ہے۔ بلکہ جو خاص اس کی ذات سے **یقظۃً و مشافھۃً** ہو رہا ہے دعویٰ کرتا ہوں کہ میں مہدی موعود خلیفۃ اللہ اور امام آخرالزماں ہوں۔اس حکم محکم کے باوجود ابوالکلام صاحب نے ایک افواہ پر یقین کرلیا کہ تذکرہ مطبوعہ البلاغ پریس کلکتہ صفحہ ۳۰۔۳۱ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں

''میرا خیال ہے کہ سید محمد اپنے دعوے میں سچے تھے کہ ''مہدی'' ہیں اور ملک کی جو حالت اس وقت ہو رہی تھی وہ یقیناً ایک مہدی کے ظہور کی مقتضی ومنتظر تھی۔نہ کہ ایک مفصل ودجال کی۔البتہ غلطی یہ ہوئی کہ لفظ مہدی کو انہوں نے مہدی آخرالزماں سمجھ لیا۔کیونکہ شہرت وانتظار عام طور پر اسی مہدی کی نسبت ہے۔جب لفظ مہدی بولا جاتا ہے تو سب سے پہلے ذہن اسی طرف منتقل ہوتا ہے۔اور یہ رائے بھی اس صورت میں ہے کہ خود ان کی نسبت مہدی آخرالزماں ہونے کا مدعی ہونا قطعی طور پر ثابت ہوجائے ورنہ بہت ممکن ہے کہ ان کے قلب پر جو وارد ہ گذرا ہو وہ صرف یہ ہو کہ ''انت المہدی'' اسی کا انہوں نے اظہار کیا ہو اور معتقدین نے شہرت عام کی بناء پر مہدی آخرالزماں سمجھ کر تمام علائم و آثار مرویہ کو ان پر چسپاں کرنا شروع کر دیا ہو۔

اس قیاس آرائی کے قطع نظر جو قطعاً غلط ہے اتنا ضرور ثابت ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد

جمہور اہل سنت کی طرح بعثت مہدی علیہ السلام کو ضروری سمجھتے اور ظہور مہدی کے منتظر ہیں۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے بہت ساری پیشین گوئیاں فرمائی ہیں۔ جن کا وقوع ضروری ہے۔ ان کے منجملہ بعثت مہدی علیہ السلام کی حدیثیں بھی آنحضرت ﷺ کی گویا پیشین گوئی ہے۔ جس کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اخبار معصوم میں نسخ لازم آئے گا اور اخبار معصوم میں نسخ ناجائز ہے۔

پس اس لحاظ سے بھی بعثت مہدی علیہ السلام کا مسئلہ اسلامی عقائد کا ایک ضروری جزو ہے اور تمام اسلامی فرقے ضرورت بعثت مہدی علیہ السلام کے معتقد ہیں۔ البتہ اگر اختلاف ہے تو صرف تعین شخصی میں کہ وہ موعود رسول اللہ کونسی ذات اقدس ہے

''ہم مہدوی آیات واحادیث کی روشنی میں یقین واثق اور اعتقاد جازم رکھتے ہیں کہ امامنا حضرت سید محمد (جونپوری) مہدی موعود خلیفۃ اللہ معصوم عن الخطا اور خاتم ولایت محمدیہ ہیں''

موعود خدا اور موعود رسول اللہ آپ ہی کی ذات اقدس ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ''مہدویت'' فرقہ ہائے اسلام مثلاً سنی، شیعہ، معتزلہ، خارجی وغیرہ کی طرح باہمی مباحثہ ومناظرہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ خدا اور رسول کے حکم کے موافق مہدیت موعودہ پر ایمان لانا مہدویت ہے۔ ان تمام مباحث سے جو نصوصِ صریحہ احادیث شریفہ ائمہ دین اجل علمائے اہل سنت اور اولیائے امت کے اقوال ہیں ثابت ہے کہ بعثت مہدی ضرورت دین سے ہے اور ضروریات دین عین اسلام ہیں۔ پس مہدویت عین اسلام ہے۔

☆☆☆☆☆

خبر مغیب

گذشتہ زمانہ کے حالات یا آئندہ زمانہ میں ہونے والے واقعات کی اطلاع منجانب اللہ یا ان نفوس قدسیہ کے ذریعہ جو علم غیب ازلی سے موید ہیں ہم تک پہنچے تو اس کو شرعی اصطلاح میں خبر مغیب کہا جاتا ہے۔ لیکن زیادہ تر خبر مغیب کا اطلاق ان واقعات پر کیا جاتا ہے جو زمانہ مستقبل سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کا ظہور آئندہ زمانہ میں ہونے والا ہے۔ ان اخبار مغیب میں بعض تو ایسے ہیں جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی یا اس کی اُمت کو دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے انبیائے سابقین پر جو کتابیں نازل فرمائی ہیں ان میں اس قسم کے بے شمار اخبار مغیب پائے جاتے ہیں جن میں خدائے تعالیٰ نے آئندہ کسی واقعہ کی یا کسی نبی کے ظہور کی خبر دی ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ وہ خود کسی نبی کا قول ہے جو اس نے اپنے متبعین سے کہا ہے مثلاً حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہما الصلوٰۃ والسلام کی وہ پیشین گوئیاں جو انہوں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کی نسبت فرمائی ہیں، اسی قبیل سے ہیں۔

اسی عادت اللہ اور سنت انبیاء کے موافق قرآن شریف اور احادیث رسول اکرم ﷺ میں بھی بہت سے اخبار مغیب پائے جاتے ہیں۔ مثلاً خدائے تعالیٰ فرماتا ہے **غلبت الروم فی ادنیٰ الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون** (روم۳) یعنی رومی اہل ایران کے مقابلے میں مغلوب ہوگئے لیکن یہ لوگ چند سال میں اہل ایران پر پھر غالب آجائیں گے اور اسی قسم کی خبر مغیب ایسے واقعات کے متعلق دی گئی ہے جو نزول آیت کے وقت ظہور پذیر نہ ہوئے تھے اور بعد میں ان کا ظہور ہونے والا تھا۔ احادیث رسول اللہ ﷺ میں بھی بے شمار اخبار مغیب موجود ہیں مثلاً سراقہؓ کو آپ کا ارشاد ''**کیف اذا السبت سولری کسریٰ**'' یعنی وہ وقت کیسا ہوگا جب تمہیں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ یا فرمایا **لا تقوم الساعۃ حتی تخرج نار من ارض الحجاز تضی اعناق الابل ببصری** یعنی اس وقت تک قیامت نہ آئے گی جب تک حجاز میں ایسی آگ نہ لگے جس

سے بصریٰ میں اونٹ کی گردنیں دکھائی دیں یا ارشاد فرمایا **لاتقوم الساعة حتی یقاتل المسلمون الترک قوماً صغار الاعین وجوههم کالمجان المطرقه** یعنی اس وقت تک قیامت نہ آئے گی جب تک مسلمان ترک ایک ایسی قوم سے جنگ نہ کرلیں جن کی آنکھیں چھوٹی اور جس کے چہرے سپر کی طرح چوڑے ہوں گے۔

لیکن یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ان اسلامی اخبار مغیب میں بھی خواہ وہ قرآن شریف میں مذکور ہوئے ہوں یا احادیث حضرت رسالت پناہی میں ان سب میں اخبار مغیب کے لوازمات مثلاً ایہام، ابہام، اجمال، کنایہ وغیرہ اکثر ملحوظ رہے ہیں اور تفصیل اور تصریح سے بہت کم کام لیا گیا ہے۔ اسی لئے ان میں سے بعض کی نسبت صحیح رائے قائم کرنے میں ماوشما کا تو کیا ذکر خود جلیل القدر صحابہ بھی قاصر رہے ہیں۔ چنانچہ غلبۂ روم کی نسبت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ابی ابن خلف سے تین سال کی شرط باندھ لی اور حضرت رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اہل ایران پر غلبۂ روم کے بارے میں خدائے تعالیٰ نے بضع کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اور بضع تین سے نو تک ہے تم مدت شرط بڑھادو اور مقدار شرط زیادہ کردو جس پر حضرت صدیقؓ نے شرط کی مدت تین سال سے نو سال اور مقدار شرط دس اونٹ سے بڑھا کر سو اونٹ کردی۔ چنانچہ ۷ھ کے اوائل میں صلح حدیبیہ کے دن رومیوں کو ایرانیوں پر فتح حاصل ہوئی۔

اسی طرح حضرت عمرؓ اور بعض دوسرے صحابہ نے جب حضرت رسول اللہ ﷺ سے مکہ معظّمہ میں داخل ہونے کی پیشین گوئی سنی تو یہ خیال کرلیا کہ اسی سال ایسا واقعہ ہوگا۔ چنانچہ جب حدیبیہ کی صلح ہوئی اور یہیں سے مکہ کو گئے بغیر واپسی ٹھہر گئی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے پھر بغیر دخول مکہ کے واپسی کیسی؟ حضرت نے ارشاد فرمایا میں نے یہ کب کہا تھا کہ یہ واقعہ اسی سال ہوگا۔ چنانچہ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی **لقد صدق الله رسوله الرویا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء الله** (الفتح ۲۷) یعنی خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے تم انشاءاللہ ضرور مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ اس کا ظہور کئی سال کے بعد فتح مکہ کے وقت ہوا تو لوگوں کو یقین ہوا کہ خدا و رسول کا وعدہ سچا تھا اور اس کے

ظہور کا یہ وقت تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے سراقہؓ کو کسریٰ (بادشاہ ایران) کے کنگن پہننے کی خبر مغیب دی تھی۔ اس میں یہ تصریح نہ تھی کہ کس طرح اور کب یہ واقعہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ کسی ضعیف الاعتقاد اور اسباب ظاہری پر نظر رکھنے والے کو باعتبار حالات حاضرہ اس وقت اس پر کامل ایمان اور بھروسہ نہ ہو۔ لیکن جب عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں مسلمانوں نے ایران فتح کیا اور مال غنیمت مدینہ منورہ میں پہنچا تو اس میں کسریٰ کے کنگن بھی تھے جب حضرت عمرؓ کے روبرو یہ سب مال غنیمت پیش ہوا تو آپ نے سراقہ کو یہ کنگن پہنائے اور کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کی پیشین گوئی سچی کر دکھائی۔

انہی چند اخبار مغیب پر جو یہاں ذکر کئے گئے ہیں موقوف نہیں اسی قسم کے اور بہت سے اخبار مغیب قرآن شریف اور احادیث میں مذکور ہیں۔ مثلاً آخر زمانہ میں دین کا ضعیف اور اہل زمانہ میں فسادات کا ہونا' علامت قیامت' جیسے مغرب کا آفتاب سے طلوع ہونا' دابتہ الارض کا نکلنا' یاجوج ماجوج کا خروج وغیرہ۔ نیز قیامت کے حالات' صور کا پھونکا جانا' مُردوں کا قبر سے اٹھنا' حساب وکتاب' وزن اعمال' صراط' اسی طرح جنت' دوزخ وغیرہ بے شمار امور سب اخبار مغیب ہی ہیں جن کی اطلاع شارع کی طرف سے قبل وقوع دی گئی ہے۔ قریباً تمام اہل اسلام کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ تمام اخبار مغیب جو خدا اور رسول نے دیئے ہیں وہ سب حق ہیں اور ان کا ظہور یقینی ہے۔

حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے ظہور کی نسبت بھی جو احکام وارد ہیں وہ بھی خبر مغیب ہی ہے جو دوسرے اخبار مغیب کی طرح قرآن اور احادیث میں خدا ورسول کی طرف سے اُمت کو دی گئی ہے۔ چنانچہ آیات قرآنی میں اس کی طرف ایماء کیا گیا ہے۔ اور احادیث رسالت پناہی میں اس کی وضاحت اور اس اجمال کا بیان موجود ہے۔ یہ احکام یا اخبار دوسرے اسلامی اخبار مغیب سے اپنی نوعیت اور ماخذ کے اعتبار سے پورے مطابق ہیں۔ اسی طرح یہ اخبار اس لحاظ سے کہ ان کے ذریعہ آئندہ ظہور پذیر ہونے والے مبشر کی بشارت دی گئی ہے۔ ان اخبار مغیب سے جو کتب انبیاء سابقین میں نبی آخر الزماں روحی فداہ کی بعثت کی نسبت دی گئی ہے۔ پوری مماثلت رکھتے ہیں پس دوسرے اسلامی اور سابقہ اخبار مغیب کی نسبت جس حیثیت سے بحث کی جاتی ہے اور ان سے جس طرح احکام

مستخرج ہوتے ہیں ان اخبار سے بھی اسی طرح بحث اور اسی طرح کا استخراج ہونا چاہئے۔ اس لحاظ سے یہاں دو باتیں تصریح طلب ہیں۔

اولاً یہ کہ اخبار مہدی موعودؑ اور دوسرے اسلامی اخبار مغیب میں کیا نسبت ہے؟

ثانیاً یہ کہ ان اخبار مغیب اور اخبار سابقین میں جو حضرت رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے متعلق دی گئی ہیں کیا فرق ہے؟

چنانچہ پہلے دوسرے اسلامی اخبار مغیب سے ان اخبار مہدی علیہ السلام کو جو نسبت ہے اس سے مختصر طور پر بحث کی جاتی ہے۔

مہدی علیہ السلام کی نسبت جو اخبار مغیب وارد ہیں وہ دوسرے اسلامی اخبار مغیب سے بلحاظ کثرت روایت و کثرت تعداد و جامعیت بہت زیادہ ہیں۔ تعداد احادیث کی نسبت محدثین کی رائیں مختلف ہیں جس کو جس قدر حدیثیں ملیں اس نے اسی قدر تعداد لکھدی۔ ملا علی قاری کا قول ہے کہ مہدیؑ کے بارے میں تین سو احادیث مروی ہیں۔ یہ احادیث تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئی ہیں۔ اور بعض اجلّہ محدثین صاف طور پر تواتر کے قائل ہیں حالانکہ دوسرے اخبار مغیب اس پایہ کے نہیں ہیں اس کے علاوہ اخبار مہدی علیہ السلام بعض اور حیثیتوں سے دوسرے اخبار مغیب سے امتیاز رکھتے ہیں مثلاً ظہور مہدی علیہ السلام کی احادیث حضرت علیؑ، حسن بن علیؑ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، جابر بن عبداللہؓ، حذیفہؓ، ابو ہریرہؓ، سعید بن المسیبؒ، ثوبانؓ، ابوذرؓ، عوف بن مالکؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ، عمار بن یاسرؓ، عائشہ صدیقہؓ، ام سلمہ وغیرہم جیسے ۲۴ صحابہ کرام سے مروی ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین

اسی طرح اکثر جلیل القدر محدثین جن کی تعداد (۳۰) اور (۳۵) تک پہنچتی ہے جیسے ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، طبرانیؒ، ترمذیؒ، نعیم بن حمادؒ، حاکمؒ، ابونعیمؒ، دارقطنیؒ، ابویعلیٰؒ، بزازؒ، ابن عساکرؒ، ابن مندہؒ، رویانیؒ، ابو عمروانیؒ، ابن جوزیؒ، بیہقیؒ، طبری وغیرہم نے ظہور مہدی علیہ السلام کی احادیث کو اپنی اپنی تالیفات میں کتاب الفتن یا کتب القیامۃ وغیرہ ابواب وفصول کے تحت ذکر کیا ہے اور بعض نے ظہور مہدی کا خاص باب باندھا ہے۔

اس کے علاوہ کئی مشہور محدثین نے اس موضوع پر خاص رسالے لکھے ہیں اور اس میں صرف احادیث مہدی علیہ السلام کا ذکر کیا ہے مثلاً

☆ العرف الوردی فی اخبار المہدی مصنفہ علامہ حافظ جلال الدی سیوطیؒ

☆ العقد الدرر فی احادیث المہدی المنتظر مصنفہ فاضل العلامہ یوسف بن یحیٰی بن علی المقدسی الشافعی

☆ تلخیص البیان فی علامات المہدی آخر الزماں مصنفہ

☆ القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر مصنفہ علامہ شیخ ابن حجر الہیتمی الشافعی

☆ البرہان فی علامات المہدی آخر الزماں مصنفہ ملا علی متقی

☆ رسالہ احادیث مہدی مصنفہ ملا علی القاری

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اخبار مہدی علیہ السلام کے مقابلہ میں دوسرے اسلامی اخبار مغیب کی روایت صرف بعض صحابہ سے کی گئی ہے۔ اور ان روایات کا بعض بعض محدثین نے ذکر کیا ہے ان کو وہ اہمیت اور عظمت حاصل نہیں جو اخبار مغیب مہدی علیہ السلام کو حاصل ہے تاہم روایات مہدی علیہ السلام کی نسبت بعض محدثین متاخرین نے جو گل افشانی کی ہے اس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

اخبار مہدی علیہ السلام کو دوسرے اسلامی اخبار مغیب سے جو نسبت ہے اس کے بارے میں اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

اخبار مہدی علیہ السلام بھی دوسرے اخبار مغیب کی طرح رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں اور انہی کی طرح یہ اخبار بھی کتب حدیث کی بعض کے سوا تمام کتابوں میں مندرج ہیں۔

ان اخبار و احادیث کی روایت اور تخریج بھی جلیل القدر محدثین نے اپنی صحاح و مسانید میں کی ہے اور بعض مشہور محدثین نے احادیث مہدیؑ کے خاص مجموعے تیار کئے ہیں جن سے ان اخبار کی خاص اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

وہ تمام اسلامی اخبار مغیب جن کی صحت و صداقت کا ہم یقین رکھتے ہیں اور جن میں سے بعض کے ظہور پذیر ہونے پر ہم غیر مسلم اقوام کے مقابلہ میں صحت نبوت رسولنا محمد مصطفیٰ ﷺ پر حجت لاتے ہیں جیسے ظہور نار حجاز، انقضائے دولت کسریٰ، حملہ تتار وغیرہ وغیرہ وہ چند صحابہ سے رویت کی گئی

ہیں اوراس کے مقابل احادیث مہدی علیہ السلام کثیر التعداد اجلۂ صحابہ سے مروی ہیں۔

کثرت تعداد صحابہ کے علاوہ کثرت تعداد احادیث کے اعتبار سے بھی دوسرے اخبار مغیب کے نظر کرتے احادیث مہدی علیہ السلام کو امتیاز حاصل ہے کیونکہ دوسرے اخبار مغیب کے بارے میں جس قدر احادیث وارد ہیں ان سے اخبار مہدی علیہ السلام بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ اوپر لکھا جاچکا ہے کہ صحیح تعداد قرار دینے کی نسبت محدثین مختلف البیاں ہیں جس کو جس قدر احادیث بہم پہنچیں اس نے اسی قدر تعداد بیان کردی۔ چنانچہ بعض نے ان احادیث کی تعداد تین سوتک بتائی ہے۔

بعض محدثین جیسے امام بیہقی وغیرہ احادیث مہدی علیہ السلام کے بارے میں تواتر کے قائل ہیں۔ اور یہ صحیح بھی ہے کیونکہ مخبر صادق ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں اگر ہر طبقہ میں ان کے راوی کثیر ہوں (جن کی کم از کم تعداد چار ہے) تو ایسی حدیث کو متواتر کہتے ہیں۔ اگر تمام سلسلہ ہائے روایت میں انہی الفاظ سے روایت ہوئی ہوتو ایسی حدیث کو متواتر اللفظ والمعنی کہیں گے اور اگر تمام طرق اسناد میں الفاظ متحد نہ ہوں لیکن سب کا مضمون یا معنی متحد ہوتو ایسی احادیث متواتر المعنی کہلاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ احادیث جو وجود مہدی علیہ السلام پر دلالت کرنے والی ہیں اپنی کثرت تعداد اور کثرت رواۃ کے باعث متواتر کی کسی نہ کسی تعریف میں ضرور داخل ہیں۔

یہ یاد رہے کہ حدیث متواتر سے علم یقینی واضطراری حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ہر مسلمان اس امر کا یقین کرنے پر مجبور ہے کہ جو الفاظ یا مفہوم اس حدیث سے ثابت ہورہا ہے اس کی نسبت حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف صحیح ہے اور جس قول وفعل یا جس امر کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف یقینی طور پر صحیح ثابت ہوجائے۔ ہر مسلمان پر اس کی صحت کا اعتقاد رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ احکام اسلامی میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً مسح خفین، عذاب قبر، ترتیب صلوٰۃ وغیرہ کئی مسائل ہیں جو قرآن شریف میں صراحۃً درج نہیں ہیں اور کسی متواتر اللفظ حدیث سے بھی ان کا ثبوت نہیں لیکن جن متعدد احادیث سے ان کا ثبوت ملتا ہے ان سب کے جزء مشترک سے ہی ایک مفہوم مستنبط ہوتا ہے اسی لئے کتب عقائد یا علم کلام میں یہ مسائل مذکور ہوئے ہیں کہ ان کی صحت کا اعتقاد ہر مسلمان پر لازمی ہے۔

پس انہی مسائل کی طرح وجود مہدی علیہ السلام کا اعتقاد بھی احادیث متواترہ سے ثابت ہونے کی حیثیت سے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ قریباً تمام اسلامی فرقے الا ماشاء اللہ ضرورت بعثت مہدی موعود علیہ السلام کے معتقد ہیں۔

احادیث کی اس بحث کے ضمن میں اس امر کی نسبت بعض تصریحات کی ضرورت ہے کہ بعض بعض ایسے اصحاب نے جو نہ محدث ہیں اور نہ اصول حدیث سے کافی واقفیت رکھتے ہیں وجود مہدی علیہ السلام کو غلط قصہ اور من گھڑت کہانی قرار دینے کی جراءت کی ہے اور اپنے اس زعم باطل کی تائید میں بعض احادیث کے راویوں کی نسبت جرح وطعن کر کے اور بعض تاریخی واقعات سے احادیث کے مضامین کو تطبیق دینے کی کوشش کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ یہ احادیث بنائی ہوئی اور موضوع ہیں۔ لیکن اوپر کے تمام مباحث سے ان کی اس رائے کی کافی تغلیط ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ان معترضین نے جن وجود و دلائل پر اپنی اس غلط رائے کی بناء رکھی ہے انہی وجوہ و دلائل پر سرسری طور پر بھی غور کرنے سے ان کا یہ بیان کئی وجوہ سے مخدوش ثابت ہوتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق جس قدر احادیث وارد ہیں ان کثیر احادیث میں سے صرف چند (مثلاً سرسید احمد خاں نے اپنے رسالہ ''المہدی آخر الزماں'' میں صرف ۱۸ حدیثیں پیش کر کے ان پر رد و قدح کی ہے اور باقی بے شمار احادیث سے سکوت کیا ہے) کی نسبت ان معترضین نے رد و قدح کی ہے۔ اور ان کے راویوں پر جرح وطعن ہونا ظاہر کیا ہے اگر ان کی رائے کے موافق فرضاً و تقدیراً ان احادیث کو مجروح ہی مان لیا جائے تو پھر بھی کئی حدیثیں ایسی رہ جاتی ہیں جن کی کوئی تغلیط نہیں ہوئی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جب تک کُل کی کل احادیث جو اس بارے میں وارد ہیں مجروح نہ ثابت ہوں نفس وجود مہدی علیہ السلام بے اصل نہیں ثابت ہو سکتا۔ کیونکہ ایک حدیث بھی صحیح ثابت ہو جائے تو نفس وجود ثابت ہونے کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ اکثر فقہی مسائل صرف ایک ایک حدیث سے ہی ثابت کئے گئے ہیں۔ خلافت کا سا اہم مسئلہ جب کہ انصار و مہاجرین میں مابہ النزاع تھا ابوبکر صدیقؓ کے صرف ایک حدیث پیش کرنے سے تصفیہ پا گیا۔ اور انصار کو مسکت کر دیا۔ اسی طرح بہت سے احکام اور قضایا ایک ایک دو دو حدیث پر ہی مبنی ہیں۔

جن احادیث پر ردوقدح کی گئی ہے ان کے بعض خاص سلسلۂ روایت پر بحث کی گئی ہے۔ حالانکہ مہدی علیہ السلام کی اکثر حدیثیں ایسی ہیں جن کو متعدد محدثین نے اپنی صحاح ومسانید وغیرہ میں مختلف سلسلہ روایت سے تخریج کی ہے پس اگر فرض کرلیا جائے کہ معترضین نے جن خاص محدثین کے سلسلہ کو مخدوش ثابت کرنے کی فکر کی ہے وہ صحیح بھی ہے تو اس سے صرف وہی سلسلہ روایت ضعیف ثابت ہوگا اور دوسرے سلسلہ ہائے روایت پر جن میں وہ مطعون ومجروح اشخاص داخل نہیں ہیں' اس کا کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ پس جب تک تمام سلسلہ ہائے روایت واسناد مجروح ومخدوش نہ ثابت کئے جائیں نفس حدیث مجروح نہیں ہوسکتی۔ اور جب تک نفس حدیث مخدوش نہ ہو وہ مفہوم جو اس حدیث سے مستنبط ہورہا ہے کبھی من گھڑت کہانی نہیں ہوسکتا۔

اکثر طعن وجرح ایسی ہے جو سطحی طور پر غور کرنے سے صحیح قائم نہیں رہ سکتی اور اس جرح کا کوی اثر مرتب نہیں ہوسکتا چنانچہ کئی راویوں کی نسبت جرح کے ساتھ ان کی تعدیل بھی خود معترض نے درج کی ہے جس سے حسب ضابطۂ **المثبت اولیٰ من النافی** جرح کا اثر خود کم ہوجاتا ہے۔ بعض جرحین ایسی ذکر کی گئی ہیں جن سے خاص ان احادیث پر کچھ اثر نہیں پڑسکتا۔ چنانچہ مہدی علیہ السلام کی نسبت ایک حدیث کو جو مشکوٰۃ اور مشہور محدث ''حاکم'' کی مستدرک میں درج ہونا بتایا ہے۔ ضعیف ثابت کرنے کے لئے حاکم کی نسبت کسی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ حاکم کی مستدرک میں سو حدیثیں موضوع ہیں۔ اس جرح سے خود ثابت ہورہا ہے کہ حاکم کی کتاب مستدرک میں جو کئی ہزار حدیثیں ہیں ان میں سے ایک سو کے سوا باقی سب صحیح ہیں۔ نیز اس جرح سے اس حدیث پر بھی کوئی اثر مرتب نہیں ہوسکتا کیونکہ اس حدیث کو کمزور کرنے کے لئے یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ یہ حدیث بھی انہی سو میں شامل ہے حالانکہ یہ ثابت نہیں کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں یہ عام جرح صحیح بھی فرض کرلی جائے تو اس سے اس خاص حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ اگر اس سے خود حاکم مستدرک کی کل مندرجہ احادیث کو ضعیف ثابت کرنا مقصود ہو تو اصول حدیث کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ اصول حدیث کی رو سے احادیث کی قوت وضعف صحت وسقم رواۃ کی حالت پر موقوف ہے جس حدیث سے راوی قوی وثقہ ثابت ہوں وہی حدیث قوی وصحیح ہوتی ہے اور جس کے رواۃ ضعیف ہوں وہی ضعیف ہوگی۔ کسی کتاب

میں چند ضعیف وسقیم حدیثیں موجود ہونے سے تمام مندرجہ احادیث نا قابل استناد نہیں قرار دی جاسکتیں۔اگر ایسا کیا جائے تو پھر حدیث کی کوئی کتاب بھی قابل استناد نہیں رہ سکتی کیونکہ کتب صحاح حتی کہ بخاری ومسلم میں بھی جو سب سے زیادہ صحیح مانی جاتی ہیں بہت سی ایسی حدیثیں ملتی ہیں پس نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں بعض ضعیف ہونے کی وجہ سے ان کی بھی تمام احادیث قابل وثوق نہ رہیں اور یہ اصول حدیث کے خلاف ہے۔

دعویٰ تو یہ کیا گیا ہے کہ مہدی علیہ السلام کی شان میں جو احادیث وارد ہیں وہ موضوع اور بنائی ہوئی ہیں۔اور اس دعوی پر بطور دلیل ان احادیث کو بے اصل ثابت کرنے کے لئے ہر حدیث کے ایک ایک دو دو راویوں پر جرح کی گئی ہے۔لیکن بادی النظر میں بھی ہر دیکھنے والے پر واضح ہوسکتا ہے کہ اکثر وبیشتر راویوں پر ضعف وغیرہ کی جرح ظاہر کی گئی ہے حالانکہ اصول حدیث کی رو سے کسی حدیث کے راوی ضعیف ہونے سے وہ حدیث ضعیف کہلاتی ہے۔موضوع اور بنائی ہوئی نہیں ہوجاتی۔ پس رواۃ کے ضعیف ہونے سے حدیث موضوع اور بنائی ہوئی ہونے کا نتیجہ اخذ کرنا صریح غلطی ہے کیونکہ ضعیف حدیث اور موضوع حدیث میں ترتیب احکام کے اعتبار سے بہت فرق ہے۔

اصول حدیث کے ایک ضابطہ'' **الجرح مقدم علی التعدیل** '' کے یہ معنی لئے گئے ہیں کہ ہر جرح تعدیل پر مقدم ہے۔حالانکہ وہی جرح تعدل پر مقدم ومرجح ہوتی ہے جو مبین ہو مبہم نہ ہو۔ جارح (جرح کرنے والا) خود عادل ہو اور جن وجوہ واسباب کی وجہ سے یہ جرح کی گئی ہے ان کا عارف (دیکھو نخبۃ الفکر وغیرہ کتب اصول حدیث) ہو۔پس جب تک جارحین کی عدالت ثابت نہ کی جائے ان کی جرح موثر ومرجح نہ ہوگی۔

ہر راوی سے متعلق جو جرح کی گئی ہے وہ بھی کسی حد تک صحیح ہے۔اس کی تحقیق سے متعلق اگر ہر حدیث کی اسناد وروایت اور راویوں کی جرح وتعدیل احادیث کا ضعف وقوت' تعارض وتطابق کی تفصیلی بحث فن رجال واصول حدیث کے مطابق کی جائے تو مضمون طویل ہونے کے علاوہ ایک علمی بحث ہونے کے لحاظ سے اس میں عام طور پر دلچسپی نہیں ہوسکتی صرف اس قدر توضیح کر دینا کافی ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام کی بشارت جن بے شمار احادیث سے دی گئی ہے۔وہ احادیث بھی دوسری

تمام حدیثوں کی طرح حدیث کی انہی کتابوں میں موجود ہیں جو احادیث کا منبع سمجھی جاتی ہیں۔معترضین نے جن معدودے چند احادیث کے راویوں پر جس قسم کی جرح وطعن کا ذکر کیا گیا ہے خود انہی سے یا انہی کے جیسے اور راویوں سے جن پر اسی قسم کا طعن ہیں اور بہت سی حدیثیں روایت کی گئی ہیں اور نیز ان احادیث سے احکام کا استخراج کیا گیا ہے جب ایسے ہی راویوں سے روایت کی ہوئی حدیثیں دوسرے احکام میں مقبول سمجھی گئی ہیں تو محض اسی قسم کے مطاعن سے یہ حدیثیں بھی موضوع یا بنائی ہوئی قرار نہیں دی جاسکتیں۔اگر ایسا کیا جائے تو حنفیہ اور دیگر اہل مذاہب کے بے شمار مسائل سرے سے من گھڑت کہانی ہو جائیں گے۔

اخبار مہدی علیہ السلام اور دوسرے اسلامی اخبار مغیب میں جو نسبت ہے مباحث مذکورہ بالا سے کسی قدر واضح ہوگئی اور کئی وجوہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ دوسرے اسلامی مغیبات کو وہ اہمیت اور عظمت حاصل نہیں جو مغیبات حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہے۔

اب رہی یہ بحث کہ ان بشارتوں میں جو انبیائے سابقین نے حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کی نسبت اپنی اپنی امتوں کو دی ہیں اور ان بشارتوں یا اخبار مغیب میں جو حضرت سرور کائنات ﷺ نے ظہور مہدی علیہ السلام کی نسبت اپنی امت کو دی ہیں کیا فرق ہے؟

جن دلائل سے ہم اہل اسلام حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کے اثبات میں استدلال کرتے ہیں ان میں سے بشارات انبیائے سابقین علیہم واعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام بھی ہیں جو کتابوں میں پائی جاتی ہیں جن کو ان انبیاء علیہم السلام کے پیرو الہامی مانتے ہیں اور اہل اسلام یہود ونصاریٰ کے مقابل اثبات نبوت آنحضرت ﷺ میں ان بشاررت کو پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اولاً بشارات انبیائے سابقین اور بشارات آنحضرت ﷺ کے ماخذ میں جو بین فرق پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جن کتابوں کو اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ الہامی مانتے ہیں ان تمام کی دو قسمیں ہیں ایک کتب عہد عتیق ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قبل کی ہیں جیسے تورات' زبور' کتاب اشعیا' کتاب دانیال' رسالہ یہوذا وغیرہ دوسری کتب عہد جدید ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کی

ہیں جیسے اناجیل وغیرہ۔ پہلی کتابیں اکثر یہود ونصاریٰ دونوں کے مسلمات سے ہیں اور دوسری کتابیں صرف نصاریٰ کے مسلمہ ہیں اور یہود انہیں تسلیم نہیں کرتے اور اہل اسلام کے نزدیک عہد عتیق اور عہد جدید کی موجودہ تمام کتابوں کی کوئی اصل یا سند متصل ثابت نہیں ہے۔ جن سے ان کی اصلیت وواقفیت وصداقت کا یقین ہو سکے اس کے مقابل قرآن وحدیث اہل اسلام کے اعتقاد میں خدا ورسول کا کلام اور قابل یقین سند متصل سے ثابت ہے۔

اگر کتب عہد عتیق وعہد جدید کی اصلیت فرض بھی کر لی جائے تو تب بھی ان کا اصلی حالت میں رہنا مشتبہ ہے بلکہ اہل اسلام کے نزدیک ان کتابوں میں تحریف لفظی ومعنوی ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن شریف سے اہل کتاب کا اپنی کتابوں میں تحریف کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً فرماتا ہے **من الذین هادوا یحرفون الکلم عن مواضعه** (النساء ۴۶) یعنی بعض یہود کلمات (کتاب سماوی) کو ان کے اصلی مقام سے تحریف وتبدیل کر دیتے ہیں یا مثلاً فرماتا ہے۔ **فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیهم ثم یقولون هذا من عند الله لیشتروا به ثمنا قلیلاً ط فویل لهم مما کتبت ایدیهم و ویل لهم مما یکسبون** (البقرۃ ۷۹) یعنی ان لوگوں کے لئے بدبختی ہے کہ جو کتاب تو اپنے ہاتھ سے لکھیں اور پھر کہیں کہ یہ خدا کے پاس سے اُتری ہے تاکہ اس سے تھوڑا سا فائدہ حاصل کریں پس وہ جو کچھ لکھتے ہیں یا کرتے ہیں اس پر ان کے لئے بدبختی ہے۔

تجربہ اور مشاہدہ سے بھی ان کتابوں میں تحریف کا وجود ثابت ہوتا ہے اور خود اہل کتاب کی کتب عہد عتیق وعہد جدید سے بھی تحریف ثابت ہوتی ہے۔ اس موقع پر ہم اس بحث کے تفصیلی دلائل سے قطع نظر کر کے صرف تجربہ ومشاہدہ پر اکتفا کریں تو صاف طور پر واضح ہو سکتا ہے کہ ایک ہی کتاب کے مختلف نسخوں میں اختلاف موجود ہے۔ ایک ہی کتاب کے قدیم وجدید دو نسخوں میں بھی بہت سی آیتوں کی کمی وبیشی اور الفاظ وعبارت میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

اس کے مقابل قرآن وحدیث اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔ قرآن مجید کے سینکڑوں سال پہلے کے قدیم اور اس زمانہ کے جدید نسخوں میں آیات کی کمی وبیشی یا الفاظ وعبارت کا تفاوت مطلق نہیں ہے۔ اسی طرح احادیث کی خواہ کوئی کتاب لو وہ اپنے زمانۂ تالیف سے اب تک اسی حالت

میں ملتی ہے اس کے قدیم وجدید نسخوں میں کوئی تفاوت نہیں پایا جاتا۔

اہل کتاب کی ان کتابوں کی کوئی سند متصل نہ ہونے اور ان میں تحریف لفظی ومعنوی کا ثبوت ملنے کے علاوہ عہد عتیق اور عہد جدید کی جتنی کتابیں آج ہمیں ملتی ہیں اور جن سے یہ بشارات ہم اخذ کرتے ہیں وہ اکثر تراجم ہیں یعنی کتب عہد عتیق وعہد جدید اصل میں جن زبانوں میں تھیں ان زبانوں سے یونانی یا دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوئیں اور اس کے بعد ان مترجم نسخوں سے اور زبانوں میں ترجمہ ہوتی گئیں۔ اس طرح آج دنیا میں تمام تراجم اور تراجم ہی رہ گئی ہیں۔ اور اصلی نسخے قریباً ناپید ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ اصل کتاب اور اس کے ترجمہ کا ایک حکم نہیں ہوسکتا۔ ترجمہ قانون کو وہ وقعت حاصل نہیں ہوسکتی جو اصل قانون کو حاصل ہے۔ یا اس سے زیادہ واضح مثال یہ ہے کہ ترجمہ قرآن عین قرآن نہیں ہوسکتا اور نہ اس کو وہ عظمت حاصل ہوسکتی ہے جو اصل قرآن شریف کو حاصل ہے۔ پس کسی کتاب کے ترجمہ پر وہ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا جو اصلی کتاب پر کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ جب ایک زبان سے دوسری زبان میں کوئی مضمون منتقل کیا جاتا ہے تو کبھی محاورات کے اختلاف اور کبھی مترجم کے تصرف سے اصل مضمون میں تبدیلی ہوجانے کا احتمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثال میں انہی کتب عہد عتیق وعہد جدید کے مختلف زبانوں کے نسخے موجود ہیں۔ جن میں بہت اختلاف اور بعد پایا جاتا ہے۔ اور ایک ترجمہ دوسرے ترجمہ سے پورا مطابق نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یہ فیصلہ نہیں ہوسکتا اور نہ ایسے فیصلے کے اسباب وذرائع موجود ہیں کہ کون سا ترجمہ اصل کے مطابق ہے کیونکہ اصلی زبان کے نسخے جب تک موجود نہ ہوں ترجمہ کو اصل سے تطبیق دینا اور ایسا فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس کے برخلاف قرآن مجید اور کتب احادیث کے نسخے آج اپنی اصلی زبان میں موجود ہیں۔ اگر ان کے تراجم دوسرے زبانوں میں ہوئے بھی ہیں تو ان تراجم کی صحت وغلطی مطابقت وعدم مطابقت کو اصل سے مقابلہ کرکے جانچنا ممکن ہے اور احتمال یا شبہ جو اہل کتاب کی کتابوں کے موجودہ نسخوں کی نسبت ہوسکتا ہے یہاں مطلق نہیں ہوسکتا۔

اگر مان لیا جائے کہ انبیائے سابقین کی کتابوں کا کوئی نسخہ اصلی زبان کا کہیں پایا بھی جائے تو تب بھی ان کتابوں (خواہ وہ اصل یا ترجمہ) اور ان کے مندرجہ مضامین واقوال کی صحت وعدم صحت

کے جانچنے کا کوئی ایسا معیار نہیں ہے جس سے یہ فیصلہ ہو سکے کہ اس قول کی نسبت اس کے قائل کی طرف صحیح ہے یا نہیں۔

اس کے مقابل احادیث حضرت رسالت پناہ ﷺ کے صحیح وسقیم، قوی وضعیف ہونے کی پہچانت کا بہترین معیار فن رجال واصول حدیث موجود ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہوسکتا ہے کہ کس حدیث کے راوی کیسے ہیں اور کس قول وفعل کی نسبت حضرت سرور کائنات علیہ التحیہ والتسلیمات کی ذات اقدس کی طرف صحیح ہوسکتی ہے۔ دراصل یہی معیار جناب رسول اکرم ﷺ کا ایک ایسا معجزہ ہو جس کی نظیر انبیائے سابقین کی بشارتوں میں کسی نبیکے قول وفعل کی صحت وصداقت کے لئے نہیں مل سکتی۔ اور یہی وہ ذریعہ ہے جس کے ہوتے کوئی مسلم یا غیر مسلم من مانے طور پر کسی حدیث کو صحیح یا غیر صحیح نہیں قرار دے سکتا۔

پس کس قدر تعجب خیز بات ہوگی کہ جن کتابوں کی سند متصل موجود نہ ہو ان میں بھی تحریف ہوئی ہو اصل نسخے ناپید یا کم از کم کمیاب یا نادر الوجود ہوں اور صرف تراجم رہ گئے ہو ایک ترجمہ دوسرے ترجمہ سے مختلف ہو ان تراجم کو اصل سے مطابق کرنا ممکن نہ ہو ان کتابوں کے اقوال واحکام کی صحت وعدم صحت جانچنے کا کوئی معیار موجود نہ ہو۔ ایسی کتابوں پر تو ہم مسلمان بھروسہ اور ان سے استدلال کریں اور اس کے مقابل قرآن وحدیث جو تمام نقائص سے پاک ومبرا ہیں اور ہر مسلمان ان کے پاک ومبرا ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے ان سے جو بشارات یا پیشین گوئیاں ثابت ہو رہی ہیں ان کو کوئی مسلمان غلط یا من گھڑت کہانی کہدے۔ **فیا للّٰہ ویاللعقول**

☆☆☆☆☆

مسئلہ اقرار وانکار

حضرت مہدی علیہ السلام جس وقت قصبۂ بڑلی میں قیام فرما تھے اس وقت حضرت کی خدمت میں بعض علماء آئے اور چند سوال کئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔

شما مسلمانان را کافر میگوئید وامر می کنید که مومن شوید

آپ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اور حکم کرتے ہیں کہ مومن بنو۔

ارباب سیّر لکھتے ہیں کہ اس سوال پر حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا۔

ما کتاب الله را پیش کردیم هرکه کتاب الله کافر میگوئید ماهم کافر میگویم از خود چیزے نمی گویم ۔ ماتابع کتاب الله هستیم

ہم نے اللہ کی کتاب کو پیش کیا ہے جس کسی کو اللہ کی کتاب کافر کہتی ہے ہم بھی کافر کہتے ہیں ۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے ۔ ہم اللہ کی کتاب کے تابع ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مہدی موعود علیہ السلام کا جواب اہلِ سنت کے اس مشہور ضابطہ پر ہے جس میں بتایا گیا ہے۔

الحسن ما حسنه الشرع والقبح ما قبحته الشرع

جس امر کو شرع مستحسن قرار دے وہی حسن ہے اور جس امر کو شرع قبیح قرار دے وہ قبیح قرار دیا جائے گا۔

سعدی علیہ الرحمہ اسی ضابطہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

وبے حکم شرع آب خوردن خطاست دگر خوں بفتویٰ بریزی رواست

جس طرح ہم تمام مسلمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نبی آخر الزماں اور خاتم الانبیاء ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اگر کوئی اہل کتاب کسی اور نبی کے منتظر ہوں تو ہوں لیکن ہم مسلمان کسی اور نبی کے منتظر نہیں ہیں اور اسی بناء پر ہمارے پاس محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت ورسالت کی تصدیق فرض ہے اور حضرت کی نبوت ورسالت کا انکار کفر ہے اسی طرح ہم حضرت سید محمد جونپوری کو مہدی موعود مانتے ہیں

اور کسی اور مہدی کے منتظر نہیں ہیں۔ اس حیثیت سے ہمارا اعتقاد ہے کہ جس کسی نے حضرت سید محمد جونپوری کے دعویٰ مہدیت کی تصدیق نہیں کی ان کا شمار از روئے شرع دائرہ کفر میں ہوگا۔

بات دراصل یہ ہے کہ منکرِ مہدی کی تکفیر کا مسئلہ مہدویہ ہی سے مختص نہیں ہے سچ تو یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اہل سنت اور اہل تشیع بھی اپنے اپنے معتقد علیہ امام مہدی کی نسبت وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو مہدویہ کا ہے کیونکہ اس اعتقاد کی بناء شارع علیہ السلام کا حکم ہے نہ کہ کچھ اور۔ چنانچہ مجموعۂ احادیث کی مشہور کتاب عقد الدرر میں جابر بن عبداللہ کی روایت سے یہ حدیث لکھی ہے۔

قال قال رسول الله ﷺ من كذب بالدجال فقد كفر ومن كذب بالمهدى فقد كفر

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دجال کے وجود کو جھوٹ سمجھا وہ کافر ہے اور جس نے مہدی کو جھٹلایا وہ کافر ہے۔

ابوالقاسم سہیلی نے بھی اپنی کتاب شرح السیر میں اس حدیث کی روایت کی ہے۔ نیز شیخ امام نور الدین احمد بن محمود بخاری صابونی نے ہدایت الکلام میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں

من انکر المهدى فقد كفر جس نے مہدی کا انکار کیا وہ کافر ہے۔

اس طرح خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں لکھتے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ من انكر خروج المهدى فقد كفر ما انزل على محمد ومن كفر نزول عيسىٰ ابن مريم فقد كفر

جس نے مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انکار کیا تو گویا اس نے محمد پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس سے کافر ہوا ہے اور جس نے عیسیٰ ابن مریم کے نزول کا انکار کیا وہ کافر ہوا۔

یحییٰ بن محمد حنبلی مفتی مکہ نے باوجود مخالف مہدویہ ہونے کے اپنے فتوے میں لکھا ہے۔

واما من كذب بالمهدى الموعود فقد اخبر به عليه السلام بكفره

جس نے مہدی موعودؑ کو جھٹلایا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے کفر کی خبر دی ہے۔

ثانیاً یہ کہ مہدی علیہ السلام کی تصدیق فرض اور انکار کفر ہونے کی نسبت ایک اور طرح سے بھی بحث کی جاسکتی ہے۔ وہ یہ کہ احادیثِ متواتر المعنی سے وجود مہدی علیہ السلام ثابت ہے۔ چنانچہ

صاحب اشعۃ المعات حافظ ابن قیم کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

قد تواترت الاخبار عن الرسول ﷺ یذکر المهدی وانه من اهل بیته

مہدی علیہ السلام کے ظہور اور آپ کے اہلبیت رسول سے ہونے کے بارے میں احادیث متواتر المعنی وارد ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ کے باب اشراط الساعت میں لکھتے ہیں۔

قد تظاهرت الاحادیث البالغه حد التواتر مضاً فی کون المهدی من اهل البیت من ولد فاطمه

اس کا بھی یہ مطلب ہے کہ مہدی علیہ السلام کے اہل بیت رسول ﷺ سے ہونے کی نسبت احادیث متواتر المعنی پائے جاتے ہیں۔

نیز اشاعہ فی اشراط الساعۃ میں لکھا ہے کہ ان احادیث وجود المهدی وخروجه فی آخر الزمان وانه من عترة رسول الله ﷺ من ولد فاطمة بلغت حد التواتر المعنی الانکار ها ومن ثم ورد من کذب بالدجال فقد کفر ومن کذب بالمهدی فقد کفر رواه ابوبکر الاسکاف فی فوائد الاخبار وابو القاسم السهیلی فی شرح السیرة

مہدی علیہ السلام کے وجود اور آپ کے آخر زمانہ میں پیدا ہونے اور آپ کے عترت رسول یعنی اولاد فاطمہ سے ہونے کی نسبت احادیث حد تواتر معنوی کو پہنچ گئے ہیں جن کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔اس لئے بعض روایات میں آیا ہے کہ جس نے دجال کا انکار کیا وہ کافر ہے۔اور جس نے مہدی کا انکار کیا وہ کافر ہے اس حدیث کو ابوبکر اسکاف نے فوائد الاخبار میں ابوالقاسم سہیلی نے اپنی شرح السیر میں روایت کیا ہے۔

ان اقوال سے ظاہر ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام احادیث متواتر المعنی سے ثابت ہے اس لئے انکار مہدی احادیث کو علیحدہ بھی رکھ دیں تو اپنے ناظرین کے لئے یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں مسئلہ تکفیر میں اہل سنت ہم سے کہیں زیادہ آگے ہیں۔ وہ اپنے اعتقادات کے خلاف جس کسی فرقہ میں کوئی بات پاتے ہیں بے محابا اس پر کفر کا فتویٰ دیتے ہیں ان کی چند مثالیں غور وانصاف کے لئے

دی جاتی ہیں۔

معتزلہ کا قول ہے کہ خدائے تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بھی محال ہے اور آخرت میں بھی۔اس کے برخلاف اہل سنت دیدار کو دنیا میں ممکن اور آخرت میں مومنین کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور صاف حکم کرتے ہیں۔**یکفر بانکار رویت اللہ بعد دخول الجنۃ** (عالمگیریہ) جوشخص دخولِ جنت کے بعد خدا کے دیدار کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

دیکھئے کس قدر کشادہ پیشانی سے کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں بھی آیا ہے۔

من انکر امامتہ الصدیقؓ فھو کافر علیٰ قول بعضھم و قال بعضھم ھو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انہ کافر کذالک من انکر خلافت عمر فی اصح الاقوال

حضرت ابوبکرؓ کی امامت کا منکر بعض کے پاس کافر ہے اور بعض اس کو مبتدع کہتے ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ کافر ہے اس طرح صحیح قول یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا انکار کرنے والا بھی کافر ہے۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے تابعین کا متفقہ اعتقاد ہے کہ **الحق دایر بین الائمہ الاربعہ** یعنی چار اماموں میں حق دائر وسائر ہے۔لیکن اس کے باوجود ائمہ کے متبعین میں لعن وتکفیر کا سلسلہ جاری ہے۔چنانچہ صاحب درالمختار نے امام اعظم کی مدح میں ابن المبارک کے چند اشعار نقل کئے ہیں ان کے منجملہ ایک شعر یہ ہے۔

فلعنتہ ربنا اعداد رمل علی من رد قول ابی حنیفہ

یعنی جوشخص ابوحنیفہ کا قول رد کرے اس پر ریت کی کنکریوں کے برابر لعنت ہے۔

کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ لعنت کس قدر مقبوح وممنوع شئے ہے۔لطف کی بات تو یہ ہے کہ خود حنفیہ کے نزدیک یزید اور حجاج پر بھی لعنت جائز نہیں ہے۔اور دیکھئے ابن مبارک کس آسانی کے ساتھ ان تمام محدثین کرام اور مجتہدین عظام کو ملعون قرار دے رہے ہیں جنہوں نے امام اعظمؒ کے قول کی تردید کی ہے۔

اس کے مقابل حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز جو حنبلی المذہب ہیں امام اعظم

کے پیروؤں کوفرقہ مرجیہ میں شامل کرتے ہیں جب کہ مرجیہ کی نسبت احادیث میں آیا ہے کہ اسے اسلام سے کوئی بہرہ نہیں۔

اب ایک اور مثال پرغور کیجئے تمہید ابوالشکور میں لکھا ہے۔

اجتمعت الفقهاء من اهل السنة علیٰ ان من شک فی الایمان فانه بصیر کافراً واما الا استثناء فی الایمان هل هو شک ام لا قال بعضهم هذا شک فی الایمان وصورة الاستثناء وهو ان یقول انا مومن انشاء الله تعالیٰ وهذا مذهب الشافعی انتهی

فقہائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جوشخص ایمان میں شک کرے وہ کافر ہوجاتا ہے۔ لیکن ایمان میں استثنیٰ کرنا ایمان میں شک کرنا ہے یانہیں۔بعض کا قول ہے کہ یہ ایمان میں شک کرنا ہی ہے استثناء کی صورت یہی ہے کہ کوئی انا مومن انشاءاللہ تعالیٰ کہے۔امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔

اب دیکھئے شرح فقہ اکبر میں کیا لکھا ہے۔ **فان صاحب التمهیدوالکفایه و غیر هما من العلماء الحنفیه کفر والقائل به وحکمو ا بطلان قولهم انا مومن انشاء الله**

صاحب تمہید وصاحب کفایہ وغیرہ علمائے حنفیہ قول انا مومن انشاءاللہ کے باطل ہونے کا حکم کرتے اوراس کے کہنے والے کوکافر کہتے ہیں۔

غرض کہاں تک ذکر کیا جائے چونکہ اختصار ملحوظ ہے اس لئے چندہی مثالیں پیش کی گئی ہیں اور ان سے دواہم نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ احکام کفر وتضلیل جس کو بعضے اصحاب بدترین دشنام قرار دیتے ہیں وہ مہدویہ سے زیادہ کسی اور طبقہ میں بکمال کشادہ پیشانی رائج ہے دوسرا نتیجہ ان تمام نظائر سے یہ برآمد ہوگا کہ اہل اسلام کے پاس ضروریاتِ دین کا انکار موجب کفر ہے اوراسی سے حضرت مہدی علیہ السلام کا انکار کفر ہونے کا مسئلہ خودبخود حل ہوجاتا ہے اس لئے کہ مہدی موعودؑ کی ذاتِ اقدس کا ظہور بالاتفاق ضروریاتِ دین سے ہے۔

☆☆☆☆☆

خصائص امامنا مہدی علیہ السلام اور احادیث

احادیثِ شریفہ کی روشنی میں ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مہدی موعود علیہ السلام جو موعود رسول اللہ ہیں مبعوث ہوئے اور وفات پائی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ دعویٰ فرمایا کہ میں مہدی موعودؑ ہوں

مگر مہدیت کا مسئلہ بعض لوگوں کے زعم فاسد میں اختلافی ہے۔ایک فریق کا بیان ہے کہ مہدی کوئی دوسرے شخص نہیں بلکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور چونکہ وہ ہدایت یافتہ ہیں لہذا ان کی شان میں مہدی وارد ہے۔ چنانچہ اس فریق نے حدیث **لا مهدی الا عیسیٰ** سے استدلال کیا ہے۔

دوسرے فریق کا یہ مقولہ ہے کہ قرآن شریف ہماری ہدایت کے لئے کافی ہے اور دین کامل ہو چکا ہے۔اس صورت میں ہماری ہدایت کے لئے کسی امام معصوم کی ضرورت نہیں ہے۔

تیسرا فریق ضرورتِ بعثت کا قائل اور قیامت تک مجی مہدی کا منتظر ہے۔جس فریق کا بیان ہے کہ جو حدیثیں مہدی علیہ السلام کی بعثت کو ثابت کرتی ہیں ان سے مجی عیسیٰ علیہ السلام مراد ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جو سنن ابن ماجہ میں مروی ہے۔

عن انس بن مالک عن النبی ﷺ انه قال لا مهدی الا عیسیٰ بن مریم

یعنی ''انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی نہیں ہے مگر عیسیٰ ابن مریم

اس حدیث کی وجہ سے ان کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ نے مہدی فرمایا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث **لا مهدی الا عیسیٰ بن مریم** قابلِ حجت نہیں ہے کیونکہ اس کے اسناد میں ضعف ہے۔ چنانچہ محدث حاکم کا بیان ہے کہ محمد بن خالد جو اس روایت کے اسناد میں ہے مجہول ہے' اور مضطرب بھی۔ کیونکہ کبھی اس اسناد کو حضرت امام شافعیؒ کی طرف منسوب کرتا ہے اور کبھی ابان بن صالح کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے کہ ابان بن صالح نے حسن بصری سے روایت کی ہے لیکن محدث ابن صلاح کہتے ہیں کہ ابان بن صالح کو حسن بصری سے سماعت نہیں ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان میں لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

امام بیہقی کہتے ہیں کہ محمد بن خالد مجہول ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس روایت کے اسناد ضعیف ہیں پس لائق تمسک نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے متواتر حدیثیں مروی ہیں کہ مہدی علیہ السلام، اہل بیت رسول اللہ ﷺ سے ہیں۔ جب یہ امر متواتراً ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام اہل بیت رسول اللہ ﷺ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ابن مریم ہونا بھی خبر منصوصی اور متواتر ہے۔ تو اس وجہ سے بھی حدیثِ **لا مهدی الا عیسیٰ** ضعیف اور نا قابل احتجاج ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیثِ صحیح سے جس کو محدثین سلسلۃ الذہب کہتے ہیں یہ ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام وسطِ امت میں ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام آخرِ امت میں تو اس سے ثابت ہے کہ حدیث **لا مهدی الا عیسیٰ** صحیح نہیں ہے۔

صحیح یہی ہے کہ مہدی علیہ السلام اولادِ فاطمہؓ سے وسطِ امت میں مبعوث ہوں گے اور حضرت عیسیٰؑ جو ابن مریم ہیں۔ آخر زمانہ میں آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ اس ضعیف بلکہ موضوع حدیث سے استدلال کر کے بعض لوگوں نے جو نہ اولاد فاطمہ سے ہیں اور نہ عیسیٰ ابن مریمؑ ہیں مہدیت اور مسیحیت کا دعویٰ کیا ہے۔

جن لوگوں کا بیان ہے کہ قرآن شریف ہدایت کے لئے کافی ہے۔ لہذا رسول اللہ ﷺ کے وجود کے بعد کسی امام معصوم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کر دی۔ اور جب دین رسول اللہ میں ترقی و زیادتی نہیں ہوسکتی تو امام مہدی کی کیا ضرورت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قرآن مجید امتِ محمدیہ کی ہدایت کے لئے کافی ہے تو یہ خیال بداہتہً غلط ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے اکثر احکام مجمل اور مبہم ہیں۔ عام امتِ محمدیہ اس کے مفہومات کے موافق عمل نہیں کر سکتی ہے تو اس صورت میں قرآن شریف ہدایت کے لئے کافی نہیں ہوسکتا۔ مثلاً قرآن مجید میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ نماز پڑھو، زکوۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور حج کرو۔ مگر ان کی تفصیلی حالت بیان نہیں کی گئی ہے۔ پس فرائض مذکورہ پر عمل کرنے کے لئے قرآن مجید کی تعلیم کافی نہیں ہے۔ جب مکلّف نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو ممکن نہیں ہے کہ اس سے یہ فرض ادا ہو سکے کیونکہ اس کو یہ علم نہیں کہ ہر

نماز کا وقت کب سے کب تک ہے۔ اگر قرآن شریف میں اوقات کا ذکر دیکھ کر نماز پڑھ سکے۔ قرآن مجید سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ہر نماز کی کتنی رکعتیں ہیں ہر نماز میں فرائض داخلی کیا ہیں اور ان کے فرائض خارجی کون سے ہیں۔ اور پھر قرآن مجید سے ہئیت نماز کا تفصیلی حال نہیں معلوم ہوسکتا۔

روزہ کی بھی یہی حالت ہے کہ وقت کے اعتبار سے مبہم ہے۔ اگرچہ قرآن شریف میں ابتدائی وانتہائی وقت کا بیان موجود ہے۔ تاہم لیل کی ابتداء میں دخولِ غائت اور خروجِ غایت کی جو بحث کی جاتی ہے وہ نحوی اصول پر مبنی ہے۔ جس سے عام امت محمدیہ بالکل ناواقف ہے۔ پس روزہ رکھنا اور روزہ کھولنا دشوار ہوگا۔

زکوٰۃ کی بھی یہی حالت ہے کہ اس کی تفصیل اور ہر ایک جنس کی مقدار زکوٰۃ کا حال قرآن مجید میں ذکر نہیں کیا گیا ہے پس آیاتِ زکوٰۃ سے آدمی ادائے زکوٰۃ کے لئے تیار نہیں ہوسکتا۔

فریضہ حج کے ادا کرنے میں بھی بہت سے جھگڑے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حج کی آیات' اس کے مناسک اور ارکان کی تفصیل کے لئے ناکافی ہیں۔

غرض عوام تو عوام ہیں علماء وفضلاء اور ائمہ مجتہدین بھی رسول اللہ ﷺ کے بیان کے بغیر نہ نماز پڑھ سکتے ہیں نہ روزہ رکھ سکتے ہیں۔ نہ زکوٰۃ ادا کر سکتے ہیں' نہ حج کر سکتے ہیں۔ اسی واسطہ حدیثِ رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت نے کتب فتاویٰ کی تدوین کی۔

جس طرح فقہی مسائل کی تعمیل کے لئے عوام کے مقابلہ میں ہدایت قرآن کافی نہیں ہے۔ اسی طرح مسائل اعتقادی کے لئے قرآن شریف عوام کے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ عقائد کے بعض ایسے مسائل ہیں کہ علمائے راسخین بھی ان کی تفہیم سے قاصر ہیں اور یہ ضابطہ مقرر کر دیا کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان کی کیفیات کی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ مسئلہ میزان' نامۂ اعمال' عبور صراط وغیرہ کی یہی حالت ہے۔ مسائل صفات جو متشابہات ہیں ان میں تو سخت مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔ بعض مسائل ایسے ہیں کہ ائمہ مجتہدین سے بھی ان کا تصفیہ ممکن نہیں بلکہ صحابہ بھی متحیر ہیں' حضرت عمر فاروقؓ نے مسئلہ ربا کی پیچیدگیوں کو دیکھ کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ اور ربا میں شافی بیان نہیں کیا گیا۔ غرض جن لوگوں نے مطلقاً یہ بات کہی کہ قرآن ہدایت کے لئے کافی ہے اور عوام قرآن

کو دیکھ کر اس پر عمل کر سکتے ہیں' غلط ہے۔ اگر کمال دین سے یہ غرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو شریعت رسول اللہ ﷺ پر اتاری ہے ارشادات وحقائق کے اعتبار سے کامل ہے تو یہ بات قابل تسلیم ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کا دین ناسخ ادیان ہے تو ضرور ہے کہ شریعت رسول اللہ ﷺ مذکورہ اعتبارات سے کامل ومکمل ہو ورنہ اس کا اثر ختمیت پر پڑے گا کیونکہ نقصانِ ارشاد کی حالت میں اختتامِ نبوت بے معنی ہے۔ لیکن یہ امر بھی لائقِ اظہار ہے کہ کمالِ دین تنزیل کے اعتبار سے مکمل ہے عمل کے اعتبار سے مسلم نہیں ہے۔ یعنی تکمیل بہ اعتبار تنزیل ہے۔ بہ اعتبار تبلیغ نہیں' رسول اللہ ﷺ نے صرف احکامِ شریعت کی تبلیغ فرمائی لیکن احکام ولایت کی تبلیغ کو جو متعلق بحقیقت تھے امام معصوم حضرت مہدی علیہ السلام پر موقوف رکھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف کے معانی کو جن کا تعلق احکامِ ولایت محمدی سے خدائے تعالیٰ کے منشاء اور مراد کے موافق بیان کرنا خاص' مہدی علیہ السلام کا کام ہے۔ صرف مہدویہ کا یہ مذہب نہیں ہے بلکہ محققین اہلِ سنت کا بھی یہی مذہب ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ' صدرالدین قونوی اور عبدالرزاق کاشانیؒ جیسے اولیائے کرام نے ''ثم ان علینا بیانه'' کی تفسیر کرتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ بیانِ قرآن جو احکام ولایت محمدیہؐ سے متعلق ہے بزبان مہدی ہوگا۔

بات صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سینۂ اطہر میں دو علم تھے ایک ظاہر قرآن کا علم جس کو شریعت کہتے ہیں دوسرا باطن قرآن کا علم جس کو حقیقت کہتے ہیں۔ شریعت کا رسول اللہ ﷺ نے عام بیان فرمایا اور تمام دنیا اس سے فیضیاب ہوئی۔ اور آج تک ہو رہی ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک ہوتی رہے گی۔ مگر علمِ حقیقت جو سینۂ اقدس میں موجزن تھا اور جو بے واسطۂ جبرئیل علیہ السلام مقام ''ا و ادنی میں لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملک مقرب و لانبی مرسل کی حالت میں سرور کائنات ﷺ کے حوالے ہوا تھا اور'' اوحیٰ الی عبده ما اوحیٰ'' سے جس طرف اشارہ کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کا عام بیان نہیں فرمایا اور اس علم کی عام دعوت وتبلیغ نہیں فرمائی۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ **حفظت من رسول الله و وعائین فاما احد هما فبثثته و اما الآخر لو بثثته لقطع هذا البلعوم**

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو علم حاصل کئے ہیں ایک تو میں نے

تمہارے سامنے بیان کر دیا اور اگر دوسرا علم بھی بیان کروں تو تم لوگ میری گردن کاٹ دو گے۔ علامہ شہاب الدین قسطلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ''**المراد به علم الاسرار المصئون عن الاغیار المختص بالعلماء بالله من اهل العرفان** یعنی اس علم سے مراد علم اسرار ہے جو اغیار سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اور صرف ان علماء باللہ کے لئے مخصوص ہے جو اہلِ عرفان سے ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ بجز خاص اصحاب کے جن میں صلاحت واہلیت تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے عام طور پر ان احکام کو بیان نہیں فرمایا۔ محققین اہلِ سنت بھی قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف احکامِ نبوت کو بیان فرمایا اور احکامِ ولایت یعنی حقیقت کی عام دعوت نہیں فرمائی۔ کیونکہ زمانۂ نبوت احکام ولایت کے بیان کرنے کا مانع تھا۔ چنانچہ مولانا جامیؒ شرح فصوص الحکم میں فرماتے ہیں۔

لانه صلی الله علیه وسلم غیر مامور بکشف الحقائق والاسرار کخاتم الولایت بل کان مامورا بسترها

یعنی'' رسول اللہ ﷺ خاتم ولایت کی طرح حقائق واسرار کے اظہار پر مامور نہ تھے۔ بلکہ آپ کو مقام تشریع میں اسرار ولایت کے چھپانے کا حکم دیا گیا تھا۔ حضور مہدی علیہ السلام کا بھی یہی ارشاد ہے کہ رسول اللہ کی ذات سرتاپا ولایت تھی۔ مگر رسول اللہ ﷺ احکام ولایت کے بیان کرنے پر مامور نہ تھے' بندہ مامور ہے۔

غرض رسول اللہ ﷺ نے مخصوص اصحاب کو جن میں اہلیت وصلاحیت تھی ان اسرار وحقائق کی تعلیم دی۔ اس تعلیم خصوصی کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ اولیائے کرام کے مشہور خانوادے مثلاً قادریہ' چشتیہ' سہروردیہ وغیرہ وغیرہ' سب کسی نہ کسی صحابیٔ مکرم کے واسطے سے ذاتِ اقدس رسالت مآب ﷺ تک پہنچتے ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت نے عام طور پر ان اسرار وحقائق کو بیان نہیں فرمایا بلکہ احکام ولایت کی عام دعوت وتبلیغ کو حضرت مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس پر موقوف رکھا۔

اور حضرت مہدی علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ

حق تعالیٰ مارا فرستاده است مخصوص برائے این است که آن احکام و بیان که تعلق به ولایت محمدی دارد بواسطۂ مهدی ظاهر شود

یعنی'' مجھے خدائے تعالیٰ نے خاص اس لئے بھیجا ہے کہ وہ احکام و بیان جو ولایت محمدیہ سے متعلق ہیں مہدی کے ذریعہ ظاہر ہوں۔

غرض آیت کریمہ **الیوم اکملت لکم دینکم** کے لحاظ سے دین اسلام بالکل کامل و مکمل ہے۔ مگر قرآن مجید علم شریعت و علم حقیقت دونوں پر محیط ہے رسول اللہ ﷺ نے احکام شریعت کی تبلیغ کی۔ اور احکام حقیقت کے بیان کو **علی السبیل الدعوۃ** مہدی علیہ السلام پر موقوف رکھا۔ اسی وجہ سے بعثتِ مہدی ضروریاتِ دین سے ٹھیری اور ایسی ضروری قرار پائی کہ اس کے بغیر قیامت نہ آئے گی اور مہدی علیہ السلام سے بیعت کرنے کو اس قدر ضروری قرار دیا کہ برف پر سے رینگنا پڑے تو تب بھی جاؤ اور ان سے بیعت کرو۔ کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ ہیں۔ اور مہدی علیہ السلام کو خاتم دین فرمایا۔ چنانچہ نعیم بن حماد اور ابونعیم سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ آمنا آلِ محمد المھدی ام من غیرنا قال لا بل منا یختم اللہ بہ الدین کما فتحہ بنا

یعنی کیا مہدی ہم آلِ محمد ہی سے ہوں گے یا ہمارے غیر سے فرمایا نہیں بلکہ آلِ محمد سے ہوں گے۔ خدائے تعالیٰ ان پر دین کو ختم کرے گا جس طرح ہم سے شروع کیا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام خاتمِ دین رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یعنی جب تک احکام ولایت کی عام دعوت و تبلیغ نہ ہو دین ختم نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مہدی علیہ السلام کو وفات کے وقت خدائے تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ اس آیت کا بیان فرمائیں۔ **الیوم اکملت لکم دینکم** یعنی آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو دین بلحاظ تنزیل مکمل تھا اور جس کی شریعت کے احکام بیان ہو چکے تھے' آج احکامِ ولایت بیان ہو کر بلحاظِ تبلیغ بھی مکمل ہو گیا۔

پس جن لوگوں کا خیال ہے کہ دین کامل ہو چکا اب کسی امام معصوم یا مہدی موعودؑ کی بعثت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ جب تک مہدی علیہ السلام کی بعثت نہ ہو۔ دین مکمل نہیں ہوسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ **یختم اللہ بہ الدین** یعنی خدائے تعالیٰ مہدی پر دین کو ختم کرے گا۔ غرض مہدی علیہ السلام احکام ولایت کو بیان کر کے دین کو ختم کریں گے۔

ان دو گروہوں کے علاوہ جن کا تفصیلی ذکر اوپر کیا گیا ہے ان میں ایک گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو مہدی سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ قرآن مجید کے بعد مہدی کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو امام مہدی کے مبعوث ہونے کا منتظر ہے مگر جس امام برحق کا ہم نے اقرار کیا ہے اس کا انکار کرتا ہے۔ انہی لوگوں کا گروہ بہت بڑا نظر آتا ہے۔ اس گروہ کا بعض غیر صحیح ظنی اور ضعیف احادیث کا اعتبار کر لینے اور بعض احادیث کی غلط تعبیر کر کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ مثلاً مہدی علیہ السلام تمام دنیا کے بادشاہ ہوں گے۔ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دجال کو قتل کریں گے۔ تمام دنیا کو دین اسلام اور نور ایمان سے منور کر دیں گے وغیرہ جن کی کوئی اصلیت نہیں ہے بلکہ اصل تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعثت مہدی علیہ السلام کی تین طریقہ سے خبر دی ہے۔

اول یہ کہ مہدی علیہ السلام کی بعثت ضروریات دین سے ہے دوم یہ کہ مہدی علیہ السلام دافعِ ہلاکتِ امت ہیں۔ سوم یہ کہ مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں اور آپ سے بیعت ضروری ہے۔

بعثتِ مہدی علیہ السلام کے ضروریاتِ دین سے ہونے کا بیان یہ ہے کہ دینی امور کی ضرورت نفسانی خیالات پر مرتب نہیں ہوتی بلکہ ان کا ترتب اخبار مغیبہ کے سیاقات اور دلالت اور ان کے صیغوں پر ہوا کرتا ہے۔ پس اگر اخبار مغیبہ میں عام ازیں کہ وہ کسی امر سے متلق ہوں کوئی تاکیدی حکم یا خبر موجود ہو اور وہ خبر یا حکم امر دین ہو یا اس سے متعلق ہو تو وہ ضروریات دین سے شمار کیا جائے گا۔

اس ضابطہ کے موافق مہدی علیہ السلام کی بعثت کے احادیث میں غور کرنا چاہئے کہ ان کی دلالت اور سباق کس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے اگر اس میں آپ کے پیدا ہونے کی ضرورت ثابت ہو جائے تو بلا شبہ اس بات کا اعتراف واجب ہوگا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کا آنا اور مہدیت کا دعویٰ کرنا ضروریاتِ دین میں داخل ہے۔ پس مناسب ہے کہ مجی مہدی علیہ السلام کے بارے میں ان احادیث میں سے کچھ حدیثیں جن میں امام علیہ السلام کی بعثت کی ضرورت بتائی گئی ہے بیان کی جائیں۔

امام بیہقی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لولم یبق من الدنیا الا یوم لیبعث اللہ رجلا من اھل بیتی یملاھا عدلا کمال ملئت جورا

یعنی رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اگر دنیا کے ایام سے ایک دن بھی باقی رہے گا تو اللہ تعالیٰ اسی

دن میری اہل بیت سے (یعنی فاطمۃ الزہراء کی اولاد سے) ایک شخص کو پیدا کرے گا جو زمین کو عدل (یعنی ایمان) سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور یعنی کفر و عدوان سے بھری ہوئی تھی۔

امام ترمذی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ

ان رسول الله ﷺ قال لولم بیق من الدنیا الا یوم لطول الله ذلک الیوم حتی یلی رجل من اهل بیتی یواطی اسمه اسمی

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دنیا کے ایام سے ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو خدائے تعالیٰ اس دنیا کو بڑھا دے گا تا آنکہ ایک شخص میری اہل بیت سے حاکم و خلیفہ ہو جائے۔ جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔

امام احمد نے مسند میں ذکر کیا ہے کہ

عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تقوم الساعة حتی یلی رجل من اهل بیتی یواطی اسمه اسمی

یعنی عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک میری اہل بیت سے جس کا نام میرے نام جیسا ہوگا خلیفہ نہ ہو جائے۔

حافظ ابو نعیم نے صفت مہدی میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

قال رسول الله ﷺ لا تذهب الدنیاحتیٰ یبعث الله تعالیٰ رجلا من اهل بیتی یواطی اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی یملا ها قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلما وجوراً

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کا اس وقت تک اختتام نہ ہوگا کہ میری اہل بیت سے ایک شخص مبعوث ہو جائے جس کا نام میرے نام کے جیسا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہوگا۔ یہ شخص دنیا کو عدل سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی۔

حافظ ابو نعیم نے حذیفہ سے روایت کی ہے کہ

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لولم یبق من الدنیا الایوم واحد یبعث الله فیه رجلاً اسمه اسمی وخلقه خلقی یکنی ابا عبد الله

یعنی حذیفہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا اگر دنیا کا ایک دن

بھی باقی رہے گا تو اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو میرا ہمنام اور میرے خلق کے مشابہ ہوگا اور ابوعبداللہ کنیت کرے گا۔

امام احمد نے اپنی مسند میں ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ

عن ابی سعید الخدری قال 'قال رسول اللہ ﷺ لا تقوم الساعة حتی یملأ الارض ظلماً وعدواناً ثم یخرج رجل من عترتی ومن اهل بیتی من یملا ها قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وعدواناً

یعنی ''ابوسعید خدریؓ نے آنحضرت سے روایت کی ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی تا آنکہ دنیا ظلم وعدوان سے نہ بھر جائے گی پھر میری عترت یعنی اہل بیت سے ایک شخص مبعوث ہوگا جو زمین کو عدل سے ایسا بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم سے بھری ہوئی تھی۔

ان احادیث کا قدر مشترک یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اہل بیت سے ایک شخص کا مبعوث ہونا امر ضروری ہے ان احادیث میں شخص منتظر کے مختلف اوصاف بتائے گئے ہیں۔یعنی حضرت علی ابن ابی طالبؓ عبداللہ بن عمرؓ اور ابوسعید خدریؓ کی حدیثوں میں ضرورتِ بعثت اس صفت کے ساتھ بتلائی گئی ہے کہ وہ شخص جو اہل بیت رسول اللہ سے مبعوث ہونے والا ہے زمین سے ظلم دور کرے گا اور عدل سے بھر دے گا اور جو حدیث ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ ضرورت بعثت کے علاوہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس کو ولایت وخلافت بھی ہوگی اور رسول اللہ ﷺ کا ہمنام ہوگا۔عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت بھی ابوہریرہؓ کی روایت کی تائید میں ہے۔جب تک وہ مبعوث نہ ہو قیامت نہ آئے گی۔وہ میری اہل بیت سے ہے اور خلیفہ ہوگا۔حضرت حذیفہؓ کی روایت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ ضرورت بعثت کے علاوہ وہ رسول اللہ ﷺ کا ہم نام اور ہم خلق ہوگا۔ان احادیث میں اگرچہ کہ حضرت مہدی علیہ السلام کا اسم گرامی موجود نہیں ہے مگر شخص منتظر مہدی علیہ السلام کے سواء دوسرا شخص نہیں ہے۔کیونکہ احادیث مہدی خبر مغیب ہے۔اور خبر مغیب میں ہر جگہ تصریح کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اخبار رسول اللہ ﷺ جو تورات وانجیل میں مذکور ہیں۔ان میں رسول اللہ کے نام کی تصریح نہیں ہے بلکہ صرف اشارات وکنایات سے کام لیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

خاتم الاولیاء

جس طرح حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت تمام انبیاء کی نبوت سے زیادہ کامل اور افضل ہے اسی طرح ولایتِ محمدیہ بھی دوسرے تمام انبیاء کی ولایت سے افضل واعلیٰ ہے۔

ولایت محمدیؐ جس کو نور محمدیؐ یا حقیقت محمدیؐ بھی کہتے ہیں اور جو صوفیا کے پاس یقین اول ہے جو ظہور کائنات کا باعث ہے جس کی طرف اسی حدیث قدسی کا اشارہ ہے کہ

لو لاک خلقت الافلاک (محمد صلعم اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا)

یا لولاک لما اظھر ت ربوبیتی (محمد صلعم اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا)

بود نور ۔ نبی خورشید اعظم

گہ از موسیٰ پدید ظھور آدم

اس ولایتِ محمدیؐ کا جو مظہر اتم ہے اسی کو صوفیا خاتم ولایت محمدیؐ یا خاتم الاولیاء یا باطن خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔ جامیؒ شرح فصوصی میں لکھتے ہیں۔

''یہ جانو کہ حقیقت محمدیہ تمام حقائق نبوت ولایت کو شامل ہے۔ پس احدیث جمع حقائق نبوت کا مقام اس حقیقت محمدیہؐ کا ظاہر ہے اور احدیث جمع حقائق ولایت اس حقیقت محمدیہ کا باطن ہے۔ پس کل اولیاء اور انبیاء حقیقت محمدیہؐ کے مظہر ہیں۔ انبیاء آپ کی ظاہر نبوت کے اور اولیاء آپ کی باطن ولایت کے در' خاتم الاولیاء آپ کی ولایت باطنہ کی احدیث الجمع کے مظہر ہیں''

''ایضاء اور ولایت کبھی منقطع نہ ہوگی کیونکہ وہ اپنی اس جہت سے جو حق سبحانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ابدی وسرمدی باقی اور دائمی ہے اور اس کے مظہر اکمل خاتم الاولیاء ہیں''

صاحب گلشن راز فرماتے ہیں کہ ''نبوت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی اور اس نبوت کا کمال خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات میں ہوا۔ ولایت جو باقی تھی اس نے نقطہ کی طرح جہاں میں دوسرا دور کیا اور اولیاء میں حسب قابلیت واستعداد کا ظہور ہوتا رہا۔ لیکن ولایت کا کامل یا کلی ظہور خاتم الاولیاء سے

ہوگا اور اسی سے دورِ عالم تمامیت اور کمال کو پہنچے گا کیونکہ دائرہ نقطۂ آخر ہی پر تمام ہوتا ہے۔

محققین، صوفیا اسی بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے احکام نبوت کو علی العموم بیان فرمایا لیکن احکام ولایت کی تبلیغ تمام طور پر نہیں فرمائی کیونکہ زمانہ نبوت ورسالت مانع اظہار اسرارِ ولایت تھا۔ اس لئے ختم نبوت کے بعد خاتم ولایت کے ذریعہ جو باطنی خاتم الانبیاء ہیں جملہ اسرار ولایت ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ گلشن راز میں ایسی حقیقت اس طرح ظاہر کیا گیا ہے کہ

ولایت شد بخاتم جملہ ظاہر

بر اول نقطہ ہم ختم آمد آخر

مفاتیح الاعجاز میں اس شعر کی شرح میں لکھا گیا ہے۔

" ایں ولایت سبیل اتمیت واکملیت در نثا کاملہ خاتم الاولیاء ظہور می یا بدزیرا کہ مظہر ولایت مطلق اوست وباقی اولیاء علی تفاوت مراجیہم اقتباس از مشکوٰۃ خاتم الاولیاء می نمانید والبتہ مطلق شامل مقید است وایں ولایت مطلقہ باطن حضرت رسالت است در نشاء نبوت وصف رسالت مانع اظہار کمال آں بود چوں باطن آنحضرت ؐ در صورت خاتم الاولیاء برو زظہور یابداظہار آں کمال بروجہے کہ اتم واکمل باشد فرمائد۔ نیز

"بدو باتمامی دور عالم" کی شرح میں لکھا ہے "**واسرار الٰہی درزمانِ آنحضرت ؐ تمام ظاہر شو زیرا کہ چنانچہ در دور نبوت کمال احکام شرعیہ واوضاع ملیہ در زمانِ حضرت خاتم الانبیاء مظہور، پیوست وختم نبوت شد در دور ولایت نیز اسرار الٰہی وحقائق ومعارف یقینی در دور خاتم الاولیاء بکمال رسیدہ بآنحضرت مختتم شود**"

" ولایت بطور اکملیت واتمیت خاتم الاولیاء سے ظہور میں آئے گی۔ کیونکہ خاتم الاولیاء ہی ولایت مطلقہ کے جو صفت الٰہی ہے خاص مظہر ہیں چونکہ مطلق مقید کو شامل ہونا ہے۔ باقی اولیاء بتفاوت مراتب خاتم الاولیاء ہی کی مشکوٰۃ سے اقتباس فیض کرتے ہیں۔ یہ ولایت مطلقہ حضرت رسالت کا باطن

ہے کیونکہ دورِ نبوت میں وصف رسالت کمال ولایت کے اظہار کا مانع تھا۔ جب آنحضرتؐ کا باطن خاتم الاولیاء کی صورت میں بروز وظہور کرے گا۔اس ولایت کا کمال بروجہ اتم وکمال ظہور میں آئے گا۔

خاتم الاولیاء کے زمانہ میں حقائق واسرار ولایت تمام وکمال ظاہر ہوں گے۔جیسا کہ دور نبوت میں حضرت خاتم الانبیاء کے زمانہ میں احکام شریعت کامل طور پر ظہور میں آئے اور نبوت ختم ہوئی اسی طرح دورِ ولایت میں الٰہی اسرار اور یقین حقائق ومعارف خاتم الاولیاء کے ذریعہ کمال کو پہنچ کر مختتم ہوں گے''

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ شرح فصوص میں فرماتے ہیں کہ'' رسول اللہ ﷺ خاتم الولایۃ کی طرح حقائق واسرار کے اظہار پر مامور تھے بلکہ آپ کو مقام تشریع میں ان اسرارِ ولایت کے چھپانے کا حکم دیا گیا تھا۔

حضرت عبدالرزاق کاشانی نے اپنی شرح فصوص میں لکھا ہے کہ جب تک رسول علیہ السلام مقام رسالت میں شریعت کو ظاہر فرماتے رہے آپ کی ولایت احدیث ذاتیہ سے جو تمام اسماء کی جامع ہے ظاہر نہیں ہوئی کہ اسم ہادی کما حقہ پورا ہوتا۔پس آپ کا یہ حسنہ یعنی آپ کی ولایت باطن ہی رہی یہاں تک کہ وہ خاتم ولایت کے مظہر میں ظاہر ہوگی۔جو آپ کی ظاہر نبوت اور باطنی ولایت کے وارث ہیں''

صوفیائے کرام کا مذہب ہے کہ خاتم ولایت یا خاتم الاولیاء حضرت مہدی موعود علیہ السلام ہی کی ذات ہے علم تصوف کی مشہور کتاب تجلیات رحمانی میں تجلی بست وہفتم کے تحت میں لکھا ہے۔

" چنانچہ ختم نبوت برسول اللہ ﷺ است ہمچناں ختم ولایت بر مہدی علیہ السلام باشد"

اسی طرح گلشنِ راز کا شعر ہے۔

ظہور کل او باشد نجاتم
بدو یا بد تمامی دور عالم

صاحب مفاتیح الاعجاز اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

'' ظہور کل او باشد بخاتم یعنی ظہور تمامی ولایت کمالش بخاتم الاولیاء خواہد بود چہ کمال حقیقت دائرہ در نقطۂ آخرہ بہ ظہور می رسد وخاتم الاولیاء عبارت از محمد مہدی است کہ موعود حضرت رسالت است علیہ الصلوٰۃ

والسلام ایفاً بددیا بد تمامی دور عالم یعنی نجاتم اولیاء که عبارت از مہدیؑ است''

عبدالرزاق کاشانی ''اصطلاحات الصوفیہ'' میں لکھتے ہیں کہ

''خاتم وہ ہے جس نے جملہ مقامات طئے کئے ہوں اور انتہائے کمال کو پہنچا ہو۔ اس معنی سے خاتم متعدہ اور زیادہ ہو سکتے ہیں۔

''خاتم وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم کر دیا ہے۔ پس خاتم نبوت ایک ہی ہے اور وہ ہمارے نبی محمد ﷺ ہیں اور'' خاتم ولایت'' وہ ہے جس سے دنیا و آخرت کی صلاح وفلاح انتہائے کمال کو پہنچ جائے گی۔ اور جس کی موت سے نظام عالم خلل پذیر ہو جائے گا۔ وہ مہدی موعود آخر الزماں ہیں''

نیز شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اپنی کتاب عنقائے مغرب میں فرماتے ہیں کہ

''انہوں نے نبی ﷺ کی حدیث سے تمسک واستدلال کیا ہے جو ان کو حضرت سے پہنچی ہے کہ زمانہ جیسے جیسے گزرتا جائے گا پہلے سے زیادہ برا آئے گا اور وہ قرن رابع کو بھول گئے جو آنے والا ہے اور وہ مہدیؑ کا زمانہ جو خاتم الولی ہے۔

ان اقوال سے ثابت ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور خاتم ولایت یا ختم الاولیاء حضرت مہدی موعودؑ ہیں اور یہ مسئلہ آیات واحادیث سے مطابق ہے۔

امر اول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا اس آیت سے مستنبط ہے کہ

ما کان محمد .....

ترجمہ (محمد صلعم تم سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں)

جمہور اہل سنت ختم نبوت کے قائل ہیں کیونکہ احادیث سے بھی ان معنی کی تاکید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ چنانچہ مسلم نے ابوہریرہؓ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک مکان بنایا اور اچھا بنایا لیکن اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رکھ دی پس لوگ اس میں آتے جاتے اور اس کو پسند کرتے یہ کہتے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبین ہوں۔

امر دوم کا ثبوت یہ ہے کہ جس طرح مخبر صادق ﷺ نے اپنے خاتم ہونے کی خبر صادق دی ہے اسی طرح مہدیؑ کی شان میں یہ خبر دی ہے کہ مہدی علیہ السلام کی ذات پر اللہ تعالیٰ دین کو ختم کرے گا چنانچہ ابونعیم اصفہانی اور نعیم بن حماد اور طبرانی نے روایت کی ہے کہ

علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مہدی ہم آل محمدؐ سے ہوں گے یا ہمارے غیر سے۔ فرمایا نہیں بلکہ ہم سے ہوں گے۔ خدائے تعالیٰ مہدی پر دین کو ختم کرے گا جس طرح ہم سے شروع کیا ہے۔

اس سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام خاتم دین ہیں اور یہی احادیث صوفیائے محققین کی بنائے استدلال ہیں۔ حسب اقوال محققین انسان کامل دو صفتوں سے متصف ہوتا ہے۔ ایک صفت ولایت جس کے ذریعہ وہ خدائے تعالیٰ سے بلا واسطہ استفاضہ کرتا ہے دوسری صفت نبوت جس کے ذریعہ بواسطہ وحی خدائے تعالیٰ کے احکام خلق کو پہنچاتا اور بندگان خدا کی اصلاح کرتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اور انہیں دونوں صفتوں کے احکام نبی احکام ولایت ونبوت کے محمود کا نام دین ہے۔ بقول صوفیائے کرام رسول اللہ ﷺ نے احکام نبوت کو بیان فرمادیا اور احکام ولایت کے نشر وتبلیغ کے لئے اہل بیت سے مہدی علیہ السلام کے ظہور کی بشارت دی۔ کیونکہ احکام ولایت کی تبلیغ کے بغیر دین کامل نہ ہوتا۔ اسی وجہ سے مہدی علیہ السلام احکام ولایت محمدیہؐ کے خاتم ہیں۔ غرض خاتم دین ہونا مہدی علیہ السلام کے حق میں نص ہے جو مہدی ہوگا وہی خاتم دین ہوگا حسب اصول محققین وہی خاتم ولایت محمدیہ یا خاتم الاولیاء پس مہدی علیہ السلام ہی خاتم ولایت محمدیہؐ یا خاتم الاولیاء ہیں۔

☆☆☆☆☆

مسئلۂ عصمت

واضح ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں جو بلاشبہ خیر القرون تھا خاص شریعت حقہ پر عمل ہوتا تھا اور اعتقاد بھی وہی ہوتا تھا جس کی رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائی تھی لیکن بعد کے دور میں وہ حالت نہیں رہی جب کسی مسئلہ میں صحابہ کے مابین اختلاف پیدا ہوتا تو رفع اختلاف کے لئے اجماع ہوکر فیصلہ ہوجاتا تھا۔لیکن بعض اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اجماع کی صورت نہیں پیدا ہوئی اور عقائد فقہ اور فرائض کے معاملہ میں بعض صحابہ کا منفرد رویّہ رہا ہے۔اس کی مثال مسئلہ رضاعت اور دیدارِ خدا کی ہے۔ جہاں عائشہ صدیقہؓ کا نقطۂ نظر دوسرے اصحاب سے جدا ہے۔فرائض کے معاملہ میں حضرت ابن عباسؓ کو جمہور صحابہ سے اختلاف ہے۔ عدت کے مسئلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے دوسروں سے جدا ہے۔تفصیل میں جانے کا موقع نہیں صرف یہ واضح کرنا ہے کہ قرونِ اول ہی میں شرائع میں اختلاف شروع ہوگیا تھا اور بعض اعمال کی بناء ظن پر ہونے لگی تھی جو حضور نبی کریم ﷺ کے دور میں نہ تھی۔ کیونکہ ہر ایک اختلاف خواہ وہ فرائض کے معاملہ میں ہو یا اعتقاد کے بارے میں' آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوکر آخری تصفیہ ہوجاتا تھا اور بات میں قطعیت ہوجاتی تھی۔لیکن تابعین کے زمانہ میں بدعتیں رواج پانے لگیں۔ مفاسد پھیلنے شروع ہوئے۔خوارج اور شیعوں کے اختلاف باطن سے ظاہر میں آنے لگے مسائل متفقہ عنہا میں اشکالات پیدا ہونے لگے۔ دلیلِ نقلی کے ساتھ ساتھ مخالفین کا منہ بند کرنے کے لئے قیاس اور اجتہاد کو بنیاد بنا کر دلائل عقلیہ سے کام لیا جانے لگا اور یوں قیاس واجتہاد بھی داخل شرع ہوئے اور اصول شرع چار ٹھیرائے گئے۔

اول کتاب اللہ' دوم سنت رسول اللہ ﷺ' سوم اجماع' چہارم قیاس۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان چاروں اصولوں کی ایک حالت ہے یا ان میں اختلاف ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ پہلا اصل یعنی کتاب اللہ قطعی ہے۔اور سنت رسول اللہ سے جو دوسرا اصول ہے' وہ خبر متواتر قطعی ہے۔

علمائے حدیث اور علمائے اصول کا مقررہ ضابطہ ہے کہ خبر متواتر سے ایسا قطعی ویقینی علم حاصل ہوتا

ہے کہ آدمی اس کے ماننے پر مجبور ہے اور اس کا رد کرنا ممکن نہیں۔ چنانچہ شرح نخبۃ الفکر میں لکھا ہے۔

وھذا کون المتواتر مفید العلم الیقین ھو المعتمدلان خبر المتواتر بقید العلم الضروری وھو الذی یضطر الانسان الیه بحیث لا یمکنه دفعه

یعنی خبر متواتر سے علم یقینی کا فائدہ ہونا مذہب مختار ہے کیونکہ خبر متواتر سے علم ضروری حاصل ہوتا ہے جس کے ماننے پر آدمی مضطر و مجبور ہے اس کا رد کرنا ممکن نہیں۔

اصولِ الشاشی میں لکھا ہے کہ **خبر المتواتر یوجب العلم القطعی ویکون رده کفراً**

یعنی متواتر موجب علم قطعی ہے اور اس کا رد کرنا کفر ہے۔

اصول فقہ کی مشہور کتاب اصولِ بزودی میں لکھا ہے۔

وھذا ای القول بان المتواتر یوجب علم طمانیة لا یقین قول باطل یوری الی الکفر

یعنی یہ کہنا کہ متواتر سے علم اطمینانی حاصل ہوتا ہے علم یقینی نہیں ہوتا باطل قول ہے جو کفر تک پہنچاتا ہے۔

کتاب ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی میں مرقوم ہے۔

ومن ھٰھنا ظھران العلم الحاصل بالمتواتر علم قطعی کا لعیان لا کما ظن المعتزلة انه یوجب علم طمانیة واطمینان لا حتمال الکذب

یعنی اس سے ظاہر ہے کہ متواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ معائنہ کی طرح قطعی علم ہے اور معتزلہ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ احتمال کذب کی وجہ سے خبر متواتر سے علم اطمینانی حاصل ہوتا ہے۔

پس ان تمام اقوال سے جو علمائے مہدویہ کے نہیں بلکہ علمائے اہل سنت کے ہیں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو بات احادیث متواترہ سے ثابت ہو وہ قطعی و یقینی ہے اس کا رد یا انکار ناممکن اور موجب کفر ہے۔ اور اجماع سے جو تیسرا اصل ہے صرف اجماع صحابہ سے افادیت یقینی ہے لیکن اجماع کی دوسری شکلوں میں ظن، قیاس جو چوتھی اصل شرع ہے افادہ یقین کا صرف اس صورت میں ممکن ہے جب مفیض علیہ قطعی ہو ورنہ اس سے بھی ظن کا احتمال رہتا ہے۔ کیونکہ ہر مجتہد معصوم نہیں ہوسکتا خواہ وہ صحابی ہو یا تابعی پس جب تینوں اصول شرعیہ کی یہ حالت ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ شرع صواب وخطا سے مرکب ہے۔ اور قطعات اور ظنیات کا مجموعہ ایسی صورت میں امت کا اعتقاد و عمل کبھی صواب پر ہوگا اور کبھی خطا

پر۔ چونکہ امت کو ان ہی اصول شرع پر عمل کرنا اور اسی کا اعتقاد رکھنا واجب ہے تو ایسی صورت میں بجز اس کے چارہ نہیں کہ اس مجموعہ کو اپنے اعتقاد و عمل کا دستور العمل سمجھے۔ جب شرع کی یہ حالت ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ امت کو ایک شخص کی ضرورت نہیں جس کو خطا و صواب میں امتیاز ہو۔ جو قطعی کو ظن سے جدا کر سکتا ہو اور امت کو اس حکم کی طرف ہدایت کرے جو قطعی ہے ظن سے پاک ہے اور جس میں خطاء کا احتمال نہیں۔ ایسے شخص کا موئد منجانب اللہ اور معصوم عن الخطا ہونا ضروری ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کے بعد ایک امام معصوم کی ضرورت یوں پیدا ہوئی اور اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد ایک امام معصوم کی بعثت کی خبر دی اور فرمایا کہ وہ امام خلیفۃ اللہ ہے اس کے ہاتھ پر تم بیعت کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ وہ میرا تابع ہے اور اس سے خطا نہ ہوگی۔ چنانچہ حدیث **"المھدی منی یقفوا ثری ولا یخطی"** اس پر شاہد ہے۔

مہدی علیہ السلام کا معصوم عن الخطا ہونا ایک ایسا مسئلہ ہے جو مہدویہ سے مخصوص نہیں بلکہ خود اہل سنت بھی اس کے قائل ہیں چنانچہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ کے باب (۳۶۶) میں لکھا ہے۔

ما نص رسول اللہ ﷺ علی امام من ائمۃ الدین یکون بعدہ یرثہ و یقفو اثری ولا یخطی الا المھدی خاصۃ فقد شھد بعصمتہ فی احکامہ کما شھد الدلیل العقلی بعصمتہ رسول اللہ یعنی رسول اللہ ﷺ نے ائمۂ دین میں کسی امام کی نسبت یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ میرے بعد وہ میرا وارث ہوگا اور میرے نقش قدم پر چلے گا اور خطا نہ کرے گا۔ مگر یہ بات خاص مہدی علیہ السلام کی شان میں فرمائی ہے۔ پس اپنے احکام میں مہدی علیہ السلام کے معصوم ہونے کی رسول اللہ صلعم نے شہادت دی ہے جس طرح دلیل عقلی رسول اللہ ﷺ کی عصمت کی شاہد ہے۔

اور پھر آگے چل کر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے۔

قد اخبر (علیہ السلام) عن المھدی ا نہ لا یخطی وجعلہ ملحقاً بالانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام فی ذالک الحکم

یعنی رسول اللہ نے مہدی علیہ السلام کی نسبت خبر دی ہے کہ آپ خطا نہ کریں گے اور اس صفت

عصمت میں رسول اللہ نے مہدی کو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملحق فرمایا ہے۔

علامہ طحطاوی اپنی مشہور کتاب حاشیہ درالمختار میں لکھتے ہیں۔

المهدى ليس بمجتهد اذا المجتهد يحكم بالقياس وهو يحرم عليه القياس ولان المجتهد يخطى وهو لا يخطى قط بانه معصوم فى احكامه بشهادة النبى وهو مبنى على عدم جوا ز الاجتهاد فى حق الانبياء

یعنی مہدی علیہ السلام مجتہد نہیں ہیں کیونکہ مجتہد قیاس سے حکم کرتا ہے اور مہدی علیہ السلام پر قیاس سے حکم کرنا حرام ہے اور اس وجہ سے بھی مہدی مجتہد نہیں ہیں کہ مجتہد تو خطا بھی کرتا ہے اور مہدی کبھی خطا نہیں کریں گے۔ کیونکہ مہدی حسبِ فرمان رسول اللہ ﷺ اپنے احکام میں معصوم ہیں اور پیغمبروں کے حق میں اجتہاد جائز نہ ہونے پر مبنی ہے۔

ملا معین الدین نے دراسات اللبیب میں لکھا ہے۔

ان عدم صدور الخطاء من المهدى عليه السلام ليس بمجى واعتقاد الحفيظ فيه كسائر الاولياء مع جواز صدوره عنه بل لورد النص الصحيح فيه خاصة بالاخبار عن عدم خطائة فصدوره عنه مستجيل لضرورة صدق المخبر ﷺ فالفرق بينه وبين الرسول ان الرسول ﷺ قامه على عصمة الدليل العقلى والمهدى قام على عصمة شهادة المعصوم عن الخطاء عقلاً فاشتر كا فى استحالة الخطاء وامتناع صدوره عنهما امّا عقلاً او خبراً اونقلاً وما مستند لسحالة النقل الا استحالة العقل ومثل هذا لا يوجد فى غيرة من الاولياء

یعنی مہدی علیہ السلام سے خطا کا صادر نہ ہونا دوسرے اولیاء اللہ کی طرح آپ کے محفوظ عن الخطا ہونے کے محض اعتقاد پر مبنی نہیں ہے بلکہ آپ کے خطا نہ کرنے کی نسبت خاص طور پر نص صحیح وارد ہے۔ پس مہدی علیہ السلام سے خطا صادر ہونا اس وجہ سے محال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنی خبر میں صادق ہونا ضروری ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ اور مہدی علیہ السلام میں یہ فرق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے معصوم ہونے پر دلیل عقلی قائم ہے۔ اور مہدی علیہ السلام کی عصمت' ایک معصوم عن الخطاء (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی شہادت سے ثابت ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ اور مہدی علیہ السلام اس صفت

میں مشترک ہیں کہ ان دونوں سے خطا کا سرزد ہونا عقلاً وخبراً ونقلاً محال وممتنع ہے اور محال نقلی کا دارومدار محال عقلی پر ہے اور یہ بات آپ کے سواء دوسرے اولیاء اللہ میں نہیں پائی جاتی۔

امام عبدالوہاب شعرانی نے میزان میں لکھا ہے۔

''المسائل المستخرجة من اقوال العلماء فی دور من ادوار الزمان الی ان یخرج المهدی علیه السلام فیبطل فی عصره التقید بالعمل بقول من قبله من المذاهب کما حرج به اهل الکشف ویلهم الحکم بشریعة محمد بحکم المطابقة بحیث لوکان رسول الله ﷺ موجوداً لاتره علی جمیع احکامه کما اشار فی حدیث ذکر المهدی یقفوا اثری ولا یخطی''

یعنی وہ مسائل جو ہر زمانہ کے علماء کے اقوال سے نکالے گئے ہیں صرف مہدی علیہ السلام کے ظہور تک ہیں آپ کے زمانہ میں آپ سے متقدم علماء کی تقلید باطل ہوجائے گی۔ چنانچہ ارباب کشف نے اس کی تصریح کی ہے پس اسی امام کا قول شریعت محمدیہ کے ایسا مطابق ہوگا کہ اگر رسول اللہ ﷺ آپ کے زمانہ میں موجود ہوتے تو مہدی علیہ السلام کے تمام احکامات کو برقرار رکھتے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مہدی علیہ السلام میرے نقش قدم پر چلیں گے اور خطا نہ کریں گے۔

نیز آپ نے ''یواقیت'' کے باب (۴۹) میں لکھا ہے۔ کل عالم من الامته المحمدیة له درجة الا ستاذیة فی علم الاحکام والاحوال والمقامات والمنازلات الی ان ینتهی الامر فی ذلک لخاتم الائمة المجتهدین المحمدئین الذی هو المهدی علیه السلام

یعنی امت محمدیہ کے ہر عالم کو علم احکام واحوال ومقامات ومنازلات میں اسی وقت تک درجۂ استادی حاصل ہے کہ مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوجائے جو ائمہ مجتہدین کے خاتم ہیں۔

علامہ طحطاوی حاشیہ درالمختار میں لکھتے ہیں۔

رد علی القاری قول القایل ان المهدی یقلد ابی حنیفة بالدلائل الشافیة لا

کینه فرّرانه مجتهد مطلق وهو یخالف من عن الشیخ محی الدین فی الفتوحات ان المهدی لا یحلمه القیاس لیحکم به وانما یعلمه لیجتنبه فما یحکم المهدی الا بما یلقی الیه الملک من عند الله نوالذی بعثه الله تعالیٰ لید ده وذلک هو الشرع الحنفی المحمدی الذی لوکان محمد حیاء ورفعت تلک النازلة لا یحکم فیها الا یحکم المهدی فعلم ان ذلک هو الشرع الحمدی محرم علیه القیاس مع النصوص التی منحه الله ایاها ولذا قال علیه السلام یقفوا ثری ولا یخطی فعرفنا انه تبع لا مشرع الی هنا کلام الفتوحات فعلی هذا المهدی لیس بمجتهد اذا المجتهد یحکم بالقیاس وهو یحرم علیه الحکم بالقیاس ولان المجتهد یخطی وهو لا یخطی فثیت فانه معصوم فی احکامه بشهادة النبی صلی الله علیه وسلم (مقدمہ)

یعنی ملاعلی قاری نے اس شخص کے قول کو دلائل شافیہ سے رد کیا ہے جو کہتا ہے کہ مہدی (علیہ السلام) ابوحنیفہ کی تقلید کریں گے مگر ملاعلی قاری نے مہدیؑ کو مجتہد مطلق قرار دیا ہے۔ اور یہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے قول کے مخالف ہے جوانہوں نے فتوحات میں لکھا ہے کہ مہدی کو اس وجہ سے قیاس کا علم نہیں ہے کہ آپ اس کی رد سے حکم کریں بلکہ اس وجہ سے قیاس کا حکم ہے کہ مہدی قیاس سے پرہیز کریں پس مہدیؑ اسی بات کا حکم کریں گے جو فرشتہ ان کو القا کرتا ہے اس فرشتہ کو خدائے تعالیٰ نے اس لئے مبعوث کیا ہے اور یہی شرح محمدی ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدس زندہ ہوتی اور آپ کے حضور میں وہ مقدمہ پیش کیا جاتا تو وہی حکم دیتے جو مہدیؑ نے دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہی شرع محمدی ہے۔ پس ان صریح دلائل کے ہوتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے مہدیؑ کو عطا کئے ہیں آپ کے لئے قیاس حرام ہے اور اسی وجہ سے رسول اللہ نے فرمایا کہ مہدی میرے نقش قدم پر چلیں گے اور خطا نہ کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ مہدی متبع ہیں مشرع نہیں ہیں یہاں تک فتوحات کا کلام تھا۔ اس سے ثلث ہے کہ مہدی علیہ السلام مجتہد نہیں ہیں کیونکہ مجتہد قیاس سے حکم کرتا ہے اور مہدی علیہ السلام پر قیاس سے حکم کرنا حرام ہے اور نیز اس وجہ سے مہدیؑ مجتہد نہیں ہیں کہ مجتہد خطا کرتا ہے اور مہدیؑ کی ذات خطا سے مبرا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت سے مہدی علیہ السلام اپنے احکام میں خطا سے معصوم ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ علمائے اہل سنت حسب فرمانِ رسول خدا روحی فداہ ابی وامی مہدی علیہ السلام کو صفت عصمت سے متصف سمجھتے ہیں اور چونکہ یہ تصریح مہدیؑ کے سوا کسی اور کے حق میں شارع علیہ السلام سے وارد نہیں ہے۔ اس لئے اس منقبت عظیمہ میں سوائے مہدی علیہ السلام کے رسول اللہ ﷺ کا کوئی سہیم وعدیل نہیں۔ چونکہ مہدویہ کے پاس حضرت سید محمد جونپوری کا مہدی موعود ہونا ثابت ہے۔ اس لئے آپ کے مہدی موعود اور خاتم الاولیاء یا خاتم ولایت محمدیہ اور معصوم عن الخطاء ہونے پر اعتراض قلتِ علم اور اہلِ سنت کے مسلمات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ کسی شخص خاص کی نسبت جو اطلاعات یا احکام عائد ہوتے ہیں وہ یا تو اس کی ذات سے متعلق ہوتے ہیں یا اس کے کسی منصب وحیثیت سے تعلق رکھتے ہیں جو احکامات یا اطلاقات کسی خاص منصب یا خاص حیثیت سے متعلق ہوتے ہیں وہ اس منصب سے قطع نظر کر کے کبھی عائد نہیں کئے جاتے مثلاً زید ایک سرکاری اعلیٰ عہدہ دار ہے وہ تمام اختیارات واعزازات جو اس کو اس عہدہ کی حیثیت سے حاصل ہوں وہ اس کے خاص عہدہ اور منصب سے ہی متعلق ہوں گے اگر کوئی کہے کہ زید کو یہ اختیارات اور اعزازات کیوں اور کس طرح حاصل ہیں تو اس کا یہی جواب ہوگا کہ اس کو اس عہدہ کی وجہ سے حاصل ہیں یا اس کے عہدہ اور منصب کے لوازمات ہیں۔ اسی طرح جن فضائل وکمالات کو حضرت سید محمد جونپوری مہدی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس سے متعلق ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ آپ کے مہدی موعود خلیفۃ اللہ خاتم ولایت محمدیہ ہونے کی حیثیت سے رکھتے ہیں اور یہ متکلمین اور محققین کا مسلمہ ہے۔

☆☆☆☆☆

تسویتِ خاتمینؑ

امامنا حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے وفات سے کچھ پہلے بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہ کے زانو پر اپنا سر مبارک رکھا اور اس آیت کا بیان فرمایا۔

قل هذه سبیلی ادعوا الی الله علیٰ بصیرة انا و من اتبعنی سبحان الله و ما انا من المشرکین . (یوسف۱۰۸)

یعنے ”کہد واے محمد! یہ میرا راستہ ہے اللہ کی طرف بصیرت پر میں بلاتا ہوں اور وہ شخص جو میرا تابع ہے اللہ پاک ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔

مفسرین متکلمین نے اس آیت کی تفسیر میں بڑی بے اعتنائی کی ہے۔ **الی الله** کے معنے انہوں نے **الی دین الله** کئے ہیں یعنے میں اللہ کے دین کی طرف بلاتا ہوں۔بصیرت سے دلیل واضح مراد لی۔تابع سے عام تابع مراد لیا خواہ وہ تابع تام ہو یا تابع ناقص مطلب یہ کہ علماء کا کام ہے کہ لوگوں کو دلیل و برہان سے دین اسلام کی دعوت دیں۔

اس تفسیر سے ہم کو اختلاف ہے جس طرح بصیرت کے معنے دلیل واضح کے ہیں اسی طرح لغت کی مستند کتابوں میں بینائی کے بھی ہیں مفسرین محققین نے یہی معنے اختیار کئے ہیں۔خدائے تعالیٰ نے تابع کو مطلق ذکر فرمایا ہے اور مطلق سے فرد کامل مراد لی جاتی ہے۔پس تابع ناقص جو رسول اللہ ﷺ کی پوری پوری اتباع نہ کرے اس آیت کا مصداق نہیں ہوسکتا اور اس کی دعوت مسلمہ نہیں ہوسکتی۔معصوم کی پوری پوری اتباع وہی کرے گا جو خود بھی معصوم ہوگا۔اس کی دعوت رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی طرح واجب التسلیم ہوگی اور وہ خلیفۃ اللہ امام مہدی موعود علیہ السلام کی ذات ہے۔حدیث شریف ”**المهدی منی یقفو اثری و لا یخطی**“ اس تابع کا بیان واقع ہوئی ہے۔تفسیر تاویلات میں لکھا ہے کہ ”**هذه سبیلی**“ سے مراد توحید ذاتی ہے اور شیخ اکبر نے فرمایا کہ ”**من اتبعنی**“ میں ”**من**“ سے مہدی موعود علیہ السلام مراد ہیں۔امامنا علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ ”**من**“ سے بندہ کی ذات مراد ہے۔

عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب حرف نفی یعنے " ما "،ضمیر مفصل متکلم پر داخل ہوتا ہے تو متکلم سے نفی حکم کی تخصیص ہوجاتی ہے پس" ما انا من المشرکین "، میں عدم شرک رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہوجائے گی اور چونکہ عدم شرک داعی الی اللہ علی بصیرۃ یعنے رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے اور داعی الی اللہ علی بصیرۃ آپ کے تابع تام امام مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس بھی ہے۔اس لئے عدم شرک حضرت مہدی علیہ السلام کی بھی خصوصیت ہوگی۔ چنانچہ امام علیہ السلام نے اس آیت کریمہ کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

ماہر دو از جملۂ مشرکاں نہ ایم

یہ سن کر بندگیمیاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہ نے بندگی میراں سید محمود ثانی مہدی رضی اللہ عنہ سے آہستہ کہا کہ یہ کونسا شرک ہے اگر آج اس کی تحقیق نہ ہوئی تو آئندہ مشکل ہوگی۔مہدی علیہ السلام نے فوراً آنکھ کھولی اور فرمایا سید خوندمیر جو خدا کو مقید دیکھے وہ مشرک ہے۔

اس فرمان گنجینہ عرفان کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کو مقید دیکھنے والا مشرک ہے اور چوں کہ صرف خاتمین علیہما السلام خدا کو مقید نہیں دیکھتے مشرک نہیں ہیں یعنے رویت کی دوصورتیں ہیں ایک رویت مطلقہ دوسری رویت مقیدہ جو رویت کسی واسطہ کے بغیر اور غیر منتہی ہو اس کو رویت مطلقہ کہتے ہیں اور جو رویت بالواسطہ ہوتی ہے اور کسی مقام پر ختم ہوجاتی ہے وہ رویت مقیدہ ہے۔حضرات خاتمین علیہما السلام ذات احدیت کا آئینہ ہیں ان کو بالواسطہ رویت نہیں ہوتی بلکہ یہ خود از سرتا پا عین ذات ہیں اسی حیثیت کی رویت مطلقہ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ خاتمین علیہما السلام کے سوا جو بھی خدا کو دیکھتا ہے وہ مشکوۃ خاتم ولایت محمدیہ میں دیکھتا ہے یہ رویت مقیدہ ہے اور چوں کہ اس رویت میں من وجہ غیریت پائی جاتی ہے اس لئے اس پر شرک کا اطلاق ہوتا ہے۔خاتمین علیہما السلام اس شرک اعتباری سے بھی منزہ ہیں۔ " ما انا من المشرکین "اسی مقام کا حکم ہے۔

بعض لوگ فنائے کامل اور رویت مطلقہ کو ایک سمجھنے کی غلطی کرتے ہیں حالانکہ فنائے کامل کے بعد مشکواۃ خاتم ولایت محمدی کا ذریعہ ضروری ہے۔ رویت مطلقہ کا درجہ فنائے کامل سے بھی بہت اعلیٰ وارفع ہے جو خاص خاتمین علیہما السلام کا مقام ہے۔سرتا پا مسلمانی اور فیض بلا واسطہ اسی مقام ومرتبہ کی تعبیرات ہیں۔ چونکہ امامنا علیہ السلام نے میرانسید محمودؒ اور میاں سید خوندمیرؒ کو سرتا پا مسلمانی اور

فیض بلا واسطہ کی بشارت دی ہے اس لئے خاتمین علیہما السلام کے بعد صرف سیدین صالحین رضی اللہ عنہما اپنی کامل استعداد خدا کے فضل اور مہدی موعودؑ کے صدقہ سے سرتا پا مسلمان ہیں۔ان دونوں کو فیض بلا واسطہ یعنے رویت مطلقہ کا مقام حاصل ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ خاتمین علیہما السلام اصالتاً و بالذات اس مقام اعلیٰ و مرتبہ عظمی پر فائز ہیں اور سیدین صالحین رضی اللہ عنہما تبعاً و بالغرض۔

رویت مقیدہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ طالبِ خدا کی سیر ایک مقام پر ختم ہو جائے اور ایک ہی تجلی پر قانع رہے یا یہ کہ صفات الہیہ میں سے ایک ہی صفت کا مظہر ہو۔یہی رویت مقیدہ ہے۔چونکہ خاتمین علیہما السلام ''ذات'' کے مظہر ہیں اور حقیقی عبداللہ یہی دو ذوات مقدسہ ہیں اس لئے ان کی سیر کہیں ختم ہی نہیں ہوتی۔چنانچہ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ''خدا کی ذات کی انتہا نہیں ہے اور خاتمین کی طلب کی انتہا نہیں ہے'' یہی رویت مطلقہ ہے۔اس لا متناہی رویت کے مقابلہ میں پہلی رویت یا سیر جو ایک مقام پر ختم ہو جاتی ہے شرک قرار پاتی ہے جس سے خاتمین بری ہیں۔چونکہ سیدین رضی اللہ عنہما کو خاتمین علیہما السلام کی ذات میں سیر ہے اس لئے سیدین رضی اللہ عنہما کی سیر بھی لا متناہی ہے کہ کہیں ختم ہی نہیں ہوتی۔اس اعتبار سے بھی سیدین رضی اللہ عنہما کو رویت مطلقہ حاصل ہے جو خاتمین علیہما السلام کا خاصہ ہے جس سے سیدینؓ تبعاً متصف ہیں **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء** یہی وہ مقام ہے جہاں رسول ﷺ و مہدیؑ اور میراں سید محمودؓ، میاں سید خوندمیرؓ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ حقیقت پیش نظر رہے تو تسویت خاتمینؑ اور تسویت سیدینؓ کے حق ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں رہتا۔ تسویت سیدینؓ کا مسئلہ تو ہمارا قومی اعتقاد ہے جس کی بناء خلیفۃ اللہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے فرامین پر ہے جو منتہائے دلیل ہیں اور جن کی موجودگی میں کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ رسول ﷺ و مہدیؑ کی تسویت کا مسئلہ مہدویہ سے مختص نہیں ہے۔محققین اہل سنت بھی اس کے قائل و معتقد ہیں۔مہدویہ کا اعتقاد متکلمین و محققین اہل سنت کی تحقیق کے مطابق یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور امام مہدی علیہ السلام خاتم دین یا خاتم ولایت محمدیہ یا خاتم الاولیاء ہیں متکلمین و محققین اپنے اپنے اصول پر رسول اللہ ﷺ اور مہدی علیہ السلام میں جو نسبتیں قائم کرتے ہیں مہدویہ کا اعتقاد اس کے مغائر نہیں ہے۔خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء میں جو نسبتیں پائی جاتی ہیں علمائے اہل سنت نے ان کی مختلف تعبیرات کی ہیں۔کسی نے مماثلت، کسی نے مشابہت، کسی نے مظہریت، کسی نے

نسبت تامہ اور کسی نے اتصاف بالا وصاف سے تعبیر کی ہے۔ مہدویت کی اصطلاح میں تسویت بھی انہی نسبتوں کی ایک تعبیر ہے۔

نسبتوں کی تصریح سے پہلے یہ بحث دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ کی نظیر ممکن ہے یا نہیں۔ آج سے کم وبیش سو سال پہلے ہندوستان کے علماء میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مثل کوئی شخص امت میں پیدا ہوسکتا ہے یا نہیں۔ مولوی عبدالحئی فرنگی محلی نے اپنی تصانیف میں اس حدیث سے امکان نظیر پر استدلال کیا ہے کہ ابن عباس نے فرمایا کہ

''آسمانوں کی طرح زمین بھی سات ہیں۔ ہر زمین میں تمہارے نبی جیسا ایک نبی اور آدم ونوح وابراہیم اور عیسیٰ کے مثل ایک ایک نبی ہے'' (طبرانی، بیہقی، حاکم وغیرہ)

اس حدیث پر جس قدر اعتراض ہوسکتے تھے عبدالحئی صاحب نے ان سب کے جوابات دیئے اور ثابت کیا کہ یہ حدیث صحیح اور حکماً مرفوع یعنے قول رسول اللہ ﷺ ہے۔

بعض لوگوں نے نبوت اور خاتمیت سے حجت لی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نبی اور خاتم الانبیاء ہیں اس لئے آپ کی نظیر ممکن نہیں ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی نظیر کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نبی بھی ہو۔ انبیائے سابقین ہزاروں گزرے باوجود نبی ہونے کے ایک بھی مثل رسول اللہ ﷺ نہیں ہے اور حضرت کا خاتم الانبیاء ہونا اس امر کا مستلزم نہیں ہے کہ کوئی آپ کا نظیر ومثیل نہ ہو۔ مولوی حیدر علی رامپوری امکان نظیر کے قائل تھے انہوں نے لکھا ہے کہ ''ایک بادشاہ کے دو اعلیٰ عہدہ دار ہیں ایک امیر الملک ہے دوسرا امیر العساکر۔'' ہر ایک کی مفوضہ خدمت الگ الگ ہے لیکن بادشاہ کے پاس دونوں مساوی المرتبت ہوسکتے ہیں۔ ''مولوی فضل حق خیرآبادی کو جو منطق وفلسفہ کے بڑے عالم تھے امکان نظیر سے شدید انکار تھا۔ انہوں نے ''امتناع النظیر'' ایک کتاب ہی لکھ دی۔ مولوی عبدالحئی، مولوی حیدر علی اور مولوی فضل حق کا انتقال ہوگیا اور یہ مسئلہ لاینحل ہی رہا مولوی فضل حق کے فاضل بیٹے مولوی عبدالحق خیرآبادی باپ کی طرح امتناع النظیر کے قائل تھے۔ یہ حیدرآباد آئے تو یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ نظیر رسول اللہ ممکن ہے یا نہیں ایک مجلس میں حیدرآباد کے بعض علماء مولوی عبدالحق خیرآبادی اور مولوی عبدالصمد قندھاری شریک تھے۔ مولوی عبدالصمد قندھاری ہماری قوم کے علماء مولانا سید نصرتؒ اور مولانا سید اشرف سمنیؒ کے استاد رہے ہیں مجلس میں مولوی عبدالصمد قندھاری نے کہا:

''رسول اللہ ﷺ کو خاتم الانبیاء تسلیم کرنے کے بعد بھی حضرت کا وجود تین حال سے خالی نہ ہوگا۔ واجب ہوگا یا ممتنع ہوگا یا ممکن ہوگا۔ وجود باوجود واجب ہوتو تعدد باری لازم آئے گا دو خدا ہوجائینگے۔ ممتنع معدوم محض ہوتا ہے یہاں حضرت کی ذات اقدس موجود ہے۔ پس بالضرور حضرت کا وجود ممکن ہوگا۔ ممکن کی نظیر واجب ہوتو وہی تعدد واجب لازم آنے کے علاوہ نظیر اصل سے بڑھ جائے گی یہ صریحاً باطل ہے اگر ممکن کی نظیر ممتنع ہوتو یہ اس امکان کے مبائن ہے جو اصل ممکن میں موجود ہے۔ جب ممکن کی نظیر واجب یا ممتنع نہیں ہوسکتی تو ثابت ہوا کہ نظیر ممکن، ممکن ہے''۔

علامہ عبدالصمد قندھاری نے حدیث ابن عباسؓ کی صحت بیان کی اور امکان نظیر کے بارے میں نقلی وعقلی تفصیل کے ساتھ نہایت ہی چست تقریر کی کہ فاضل خیرآبادی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ غرض فحول علمائے اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ عقلاً ونقلاً رسول اللہ ﷺ کی نظیر ممکن ہے۔

ڈاکٹر اقبال منطق وفلسفہ کے علاوہ قرآن وحدیث اور سلوک وعرفان پر بھی وسیع نظر رکھتے ہیں۔ غالباً بعثت مہدی کے بارے میں اسلامی روایات اور محققین کے اقوال ان کے پیش نظر تھے اور وہ بعثت مہدی کے منتظر بھی تھے۔ نہیں معلوم قواعد عقلیہ اور روایات نقلیہ کے خلاف نعت رسول اللہ ﷺ میں ایک شعر ان کے قلم سے کیسے نکل گیا جو عقل ونقل کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ کہتے ہیں۔

مجھ کو انکار نہیں آمد مہدی سے مگر
غیر ممکن ہے کوئی مثل ہو پیدا تیرا

(کلیات اقبال)

حالانکہ ناممکن صرف ایک ہی امر ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے جیسا ایک خدا نہیں پیدا کرسکتا۔ بلکہ یہ اختلافی مسئلہ ہے بعض متکلمین کہتے ہیں کہ آیت کریمہ ان اللہ علی کل شئی قدیر کی رو سے خدا اس پر بھی قادر ہے مگر اس کی مشیت جاری نہیں ہوئی کہ اپنے جیسا خدا پیدا کرے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ:

ذات تو قادر است بایجاد ہر محال
الاآ فریدن چوں خود یگانہ

غرض عقلاً ونقلاً رسول اللہ ﷺ کی نظیر ممتنع نہیں ہے۔ جس طرح فرمان صداقت نشان ''**ماھر دواز جملہ مشرکاں نہ ایم**'' سے رسول ومہدی میں تسویت مستفاد ہے اسی طرح آیت کریمہ '' **عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا**'' سے تسویت خاتمین پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ یعنے خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ قریب میں تم کو مقام محمودیہ میں مبعوث کرے گا۔ مفسرین اہل ظاہر نے مقام محمود سے مقام شفاعت مرادلیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ آپ کی ذات شفیع المذنبین رحمتہ للعالمین ہے۔ لیکن ظاہری معنے کے علاوہ محققین نے مقام محمودہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ '' **ھو مقام ختم الولایۃ بظھور المھدی**'' یہ قول صاحب تفسیر تاویلات کا ہے اور اکثر وبیشتر محققین نے مقام محمود کے یہی معنی لکھے ہیں۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ مقام محمود سے '' ولایت اللہ'' مراد ہے۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ اس وقت مقام حامدیت میں ہیں اور لباس نبوت میں احکام شریعت کی تبلیغ کررہے ہیں لیکن قریب میں خدائے تعالیٰ آپ کو مقام محمود یعنی مقامِ خاتم ولایت محمدیہ میں مبعوث کرے گا اور لباس ولایت میں احکام حقیقت کی تبلیغ کریں گے۔ یعنی **یبعثک ربک مقاما محمودا** کا خطاب رسول اللہ ﷺ کے باطن سے ہے اور وہ مہدی موعود کی ذات ہے۔ پس مقام ولایت اللہ یا ختم ولایت محمدی میں مہدی کا ظہور بعینہ رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہے۔ حضرت جامی علیہ الرحمہ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اے بہ سرا پردہ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

مژدہ اے دل کے مسیحا نفسے می آمد
کہ زا نفاس خوشش بوئے کسے می آید
خبرم نیست کہ منزل گہ مقصود کجاست
ایں قدر ھست کہ بانگ جرسے می آید

صاحب ارشاد العارفین نے لکھا ہے کہ '' از **حیثیت نبوت خاتم نبوت شد و**

محمد نام یافت واز حیثیت ولایت خاتم ولایت آمد و محمد مهدی نام یافت'' یعنی'' حقیقت واحدہ بحیثیت نبوت خاتم نبوت ہوئی اور محمد نام پایا اور بحیثیت ولایت خاتم ولایت ہوئی اور مہدی نام پایا'' کوئی اس کو تناسخ نہ سمجھے وہ از روئے شریعت ناجائز ومحال ہے۔ یہ وحدت حقیقی ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

ایں نیست تناسخ سخن وحدت حرف است۔ منکرمشویدش
کافر شود آں کس کہ بانکار برآمد۔ در دوزخیاں شد

پس آیت کریمہ **عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا** سے ثابت ہے کہ خاتمین علیہما السلام یک ذات بجمیع صفات ہیں۔ ولایت اللہ یا ولایت محمدیہ جس کو تعین اول کہتے ہیں اس ذات واحد کا ظہور دو مرتبہ ہوا ایک مرتبہ لباس نبوت میں دوسری مرتبہ لباس ولایت میں۔ صرف اول وآخر اور مقدم وموخر کا فرق ہے اور کچھ نہیں۔

مہدویہ کا استدلال تو قرآن مجید کی نصوص صریحہ سے ہے متکلمین ومحققین اہل سنت کے اصول پر بھی تسویت کی بحث کئی طرح سے ہوسکتی ہے مثلاً متکلمین کے اصول پر رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس خلیفۃ اللہ معصوم عن الخطا خلق عظیم سے متصف اور دافع ہلاکت امت ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی خلیفۃ اللہ ہیں پس خلافت الہیہ ایسی صفت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرح مہدی علیہ السلام کے سوا اس صفت سے کوئی متصف نہیں ہے۔ اکابرین اہل سنت نے مہدی علیہ السلام کی عصمت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المهدی منی یقفو اثری ولا یخطی یعنے'' مہدی میری اولاد سے ہیں میرے نقش قدم پر چلیں گے اور خطا نہ کریں گے'' اس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مہدی علیہ السلام معصوم عن الخطا ہونے میں مشترک ہیں اور ظاہر ہے کہ معصوم کی کامل اتباع وہی کرے گا جو معصوم ہے اور یہ کلیہ کہ **تابع من حیث التبعیت** اپنے متبوع کے برابر نہیں ہوتا، تابع ناقص سے متعلق ہے۔ چونکہ مہدی علیہ السلام معصوم ہیں اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے تابع تام ہیں اور تابع تام متبوع کی خصوصیات کے سوا تمام اعمال وافعال میں متبوع کے برابر ہوتا ہے پس مہدی علیہ السلام کا معصوم عن الخطا اور آپ کا تابع تام رسول اللہ یعنے مہدی علیہ السلام کا قول وفعل اور حال، رسول اللہ ﷺ کے قول،

فعل اور حال کے جیسا ہونا رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ثابت ہے اور صفت عصمت میں مہدی علیہ السلام، نظیر رسول اللہ ﷺ ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں فرمایا کہ **انک لعلی خلق عظیم** یعنے آپ خلق عظیم پر ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی علیہ السلام اخلاق میں میرے مشابہ ہوں گے۔ پس خلق عظیم میں رسول و مہدی میں مشابہت ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات اقدس کی طرح مہدی علیہ السلام کو بھی دافع ہلاکت امت فرمایا ہے۔ پس اس صفت میں بھی رسول و مہدی کی مماثلت ثابت ہے۔ مثال کے طور پر ان چند اوصاف جلیلہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان میں مہدی علیہ السلام کے سوا رسول اللہ ﷺ کا کوئی سہیم و عدیل نہیں ہے۔

متکلمین کے اصول پر چند وجوہ ذکر کرنے کے بعد محققین کے طریقہ استدلال پر بھی ایک نظر ڈالنا مناسب ہے، محققین اہل سنت نے خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء میں نسبتوں کے تعلق سے بڑی دقیق بحث کی ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ صوفیائے کرام کے پاس رسول اللہ ﷺ کی نبوت تمام انبیائے سابقین کی نبوت سے کامل اور افضل و اعلیٰ ہے اسی طرح آپ کی ولایت بھی جس کو ولایت محمدی، نور محمدی، اور حقیقت محمدی کہتے ہیں تمام انبیاء علیہم السلام کی ولایت سے افضل ہے۔ اس ولایت محمدی کے مظہر اتم کو صوفیائے کرام خاتم ولایت محمدی، خاتم الاولیاء یا باطن خاتم الانبیاء کہتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ خاتم ولایت محمدی یا خاتم الاولیاء حضرت مہدی علیہ السلام ہیں۔ صاحب تجلیات رحمانی نے لکھا ہے۔ **چنانچہ ختم نبوت بررسول اللہ است ہمچناں ختم ولایت بر مہدی علیہ السلام است** ۔ یعنے ''جس طرح نبوت رسول اللہ پر ختم ہوئی، ولایت مہدی علیہ السلام پر ختم ہوگی''۔

صاحب مفاتیح الاعجاز لکھتے ہیں: **خاتم الاولیا عبارت از محمدی است کہ موعود حضرت رسالت است علیہ السلام** ۔ یعنے ''خاتم الاولیاء سے مراد مہدی علیہ السلام ہیں جن کی بعثت کا رسول اللہ ﷺ نے وعدہ فرمایا ہے''۔

مولانا عبدالرزاق کاشانی نے اصطلاحات صوفیہ کے تحت لکھا ہے کہ **و ھو المھدی الموعود فی آخر الزمان** یعنے ''خاتم الاولیاء مہدی موعود ہیں جو آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے''۔

حضرت شیخ اکبرؒ نے بھی لکھا کہ خاتم ولایت محمدیہ حضرت مہدی علیہ السلام ہیں۔

پس رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء اور مہدی علیہ السلام خاتم الاولیاء ہیں۔ اس صفت ختمیت میں مہدی علیہ السلام نظیر رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ وہ فضیلت وخصوصیت ہے جو امت محمدیہ میں مہدی علیہ السلام کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔

صاحب گلشن راز اور اس کے شارح صاحب مفاتیح الاعجاز نے لکھا ہے کہ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء میں نسبت تامہ اور کمال یکتائی ہے۔ خاتم الاولیاء، خاتم الانبیاء، کا باطن اور مقام " **لی مع اللہ** " کے وارث ہیں جو خاص رسول اللہ کا مقام ہے۔ نسبت تامہ کے یہ معنے ہیں کہ نسبت صُلبی، نسبت قلبی اور نسبتِ حقی، حقیقی تینوں نسبتیں پائی جاتی ہیں۔ خاتم الاولیاء چونکہ محمد ﷺ کی آل سے ہیں نسبت صلبی حاصل ہے اور چونکہ خاتم الاولیاء کا قلب مبارک، خاتم الانبیاء کی کامل اتباع سے تجلیات لامتناہی کا آئینہ ہے نسبت قلبی ثابت ہے اور چونکہ خاتم الاولیاء مقام " **لی مع اللہ وقت** " کے وارث ہیں جو خاص رسول اللہ ﷺ کا مقام ہے جہاں کسی نبی مرسل اور ملک مقرب کی گنجائش نہیں ہے نسبت حقی و حقیقی متحقق ہے اور لکھا ہے کہ یہ نسبت تمام نسبتوں سے اعلیٰ وافضل ہے۔ پس صاحب مفاتیح الاعجاز نے رسول ومہدی کی تسویت کو نسبت تامہ اور کمال یکتائی سے تعبیر کیا ہے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے فصوص الحکم فصل شیثیہ میں فرمایا کہ بعض عارفین کہتے ہیں کہ جس طرح پہچاننے کا حق ہے ہم نے نہیں پہچانا۔ یعنے پہلے گروہ نے خدا کی ذات کو محدود کر دیا اور دوسرے گروہ کی طلب ختم ہو چکی۔ ان دونوں صورتوں کو مہدویہ کی اصطلاح میں رویت مقیدہ کہتے ہیں اور خدا کے علم ومعرفت کا تیسرا مقام یہ ہے کہ وہ عارفین نہ کمال عرفان کے مدعی ہیں اور نہ ان کی طلب ہی ختم ہو جاتی ہے جس طرح خدا کی ذات کی انتہا نہیں ہے اسی طرح ان کی طلب کی بھی انتہا نہیں ہے اور مہدویہ کے پاس رویت مطلقہ یہی ہے۔ اس کو محققین کی اصطلاح میں علم باللہ۔ علم سکوتی اور سیر لا متناہی کہتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ یہ تیسرا مقام خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ امامنا علیہ السلام نے فرمایا کہ ''خدا کی ذات کی انتہا نہیں ہے اور خاتمینؑ کی طلب کی انتہا نہیں ہے''۔ شیخ اکبر کی اس تصریح سے ثابت ہے کہ علم باللہ علم سکوتی اور سیر لامتناہی میں رسول اللہ ﷺ اور مہدی علیہ السلام دونوں برابر ہیں۔ امامنا علیہ السلام کا فرمان **ماہر دواز جملہ مشرکان نہ ایم** اسی مقام کا حکم ہے۔

شیخ اکبر نے یہ لطیف بحث بھی فرمائی ہے کہ نہ صرف اولیائے امت کو بلکہ انبیاء علیہم السلام حتی کہ خاتم الانبیاء کو بھی مشکوۃ خاتم الاولیا کے بغیر دیدار نہیں ہوتا۔ اگر چہ خاتم الاولیا احکام شریعت میں خاتم الانبیاء کے تابع ہیں لیکن اس ظاہری تبعیت سے خاتم الاولیاء کی شان ومنزلت میں کوئی فرق نہیں آتا کیوں کہ خاتم الاولیاء ایک جہت سے انزل ہیں تو دوسری جہت سے اعلیٰ ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی اور مولانا عبدالرزاق کاشانی نے اپنی اپنی شرح فصوص الحکم میں شیخ اکبر کے اس قول کی جو وضاحت کی ہے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ خلاصہ یہی ہے کہ مہدی علیہ السلام خاتم الاولیاء اور باطن خاتم الانبیاء ہیں آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انزل واعلیٰ دونوں حیثیتیں حاصل ہیں ایک جہت سے تابع رسول اللہ ہیں اور دوسری جہت سے متبوع بھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ ایک جہت سے متبوع ہیں تو دوسری جہت سے تابع ہیں۔ یہی تابعیت ومتبوعیت جو محققین اہل سنت کے اقوال سے ثابت ہے اور جس کی امامنا علیہ السلام نے **" ماتابع رسول الله ہستیم در شریعت و متبوع در معنی "** کے فرمان سے توثیق فرمائی ہے۔ رسول ومہدی کے کمال تسویت کی دلیل ہے۔

صاحب گلشن راز اور اس کے شارح صاحب مفاتیح الاعجاز۔ صاحب ارشاد العارفین اور شیخ اکبر، عبدالرحمٰن جامی اور عبدالرزاق کاشانی وغیرہ محققین اہل سنت کی تحقیق کا خلاصہ یہی ہے کہ خاتم ولایت محمدیہ حضرت مہدی علیہ السلام کی تین حیثیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت کو ناصر دین رسول اللہ ﷺ، احکام شریعت کے موسس، مقام شریعت میں خلیفہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے تابع بنایا ہے امامنا علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا ہے کہ مجھے خدا کا حکم ہو رہا ہے کہ

قل انی عبدالله تابع محمد رسول الله یعنی ''کہدو کہ میں اللہ کا بندہ اور محمد رسول اللہ کا تابع ہوں''۔

دوسری حیثیت یہ ہے کہ آپ کی ذات خاتم الاولیاء یا خاتم ولایت محمدیہ ہونے کی جہت سے مرجع کُل ہے۔ تمام عوام وخواص اولیاء وانبیاء کو حضرت کی مشکوۃ میں دیدار ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے امام مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس متبوع حقیقی ہے اسی کی طرف امام خیر الانام مہدی موعود علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ **ما تابع رسول الله ہستیم در شریعت و متبوع در معنی** اور یہی مقام ہے جہاں حضرت نے فرمایا **از مهدی کسے بزرگ نیست بجز خدا**۔

تیسری حیثیت یہ ہے کہ علم سکوتی ،علم باللہ اور سیر لامتناہی خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے ۔ جو ہماری اصطلاح میں رویت مطلقہ کا مقام ہے ۔اس حیثیت سے خاتمین علیہما السلام کی ذوات مقدسہ جمیع مراتب علم باللہ اور مدارج تقرب من اللہ میں ایسے برابر ہیں کہ ایک بال برابر فرق بھی روا نہیں ہے ۔ یہی وہ مقام ہے جس کے تعلق سے امامنا علیہ السلام نے اپنے اور رسول اللہؐ کے بارے میں فرمایا کہ **ما ہر دو از جملۂ مشرکاں نہ ایم**

یہ فرمان آیت کریمہ **ما انا من المشرکین** کا بیان واقع ہوا ہے ۔ پس اس مقام پر خدائے تعالیٰ کے حکم سے خاتمین برابر ہیں ۔تسویت کے اس اعتقاد کو ہمارے بعض لوگوں نے فروعی سمجھا۔لیکن یہ غلطی ہے ۔نص قرآن سے جو امر ثابت ہو وہ اصولی ہے ۔اور اس اہمیت کا حامل ہے کہ رسولؐ اور مہدیؑ میں اس مقام میں بال کے ہزارویں حصہ برابر بھی فرق کرنے والا ایمان سے بے نصیب ہے ۔کمال علم حسن اعتقاد اور دین و دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر مرتبہ کو اس کے مقام پر رکھا جائے خلط مبحث کرنا اور اضداد کو مرتبہ واحدہ میں جمع کرنا نقصان وخلل سے خالی نہیں ہے

مشہور تابعی ابن سیرین رضی اللہ عنہ کا قول متکلمین و محققین اہل سنت کے بیان کردہ ان تمام وجوہ ظاہری و باطنی کو جامع ہے چنانچہ صاحب عقد الدرر نے عوف بن منبہ سے روایت کی ہے کہ ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ **یعدل نبینا** یعنی مہدی علیہ السلام ہمارے نبی کے برابر ہوں گے ۔

حاصل یہ کہ رسول و مہدی کی تسویت کے اعتقاد میں مہدویہ منفرد نہیں ہیں بلکہ ان کا اعتقاد محققین اہل سنت کی تحقیق کے ٹھیک مطابق ہے ۔ مہدویہ کا اعتقاد نص قرآن مجید **ما انا من المشرکین ،عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا** وغیرہ نصوص صریحہ سے مستفاد ہونے کے علاوہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی احادیث شریفہ اور حضرت مہدی علیہ السلام کے فرامین پر مبنی ہے ۔جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور جن کی موجودگی میں کسی اور دلیل و حجت کی ضرورت نہیں تاہم محققین اہل سنت اپنے اپنے اصول پر رسولؐ و مہدیؑ میں جو نسبتیں قائم کرتے ہیں مہدویہ کا اعتقاد اس کے مغائر نہیں ہے ۔البتہ مہدویہ جامع طور پر ان سب نسبتوں کو ''تسویت'' سے تعبیر کرتے ہیں ۔

☆☆☆☆☆

حضرت مہدیؑ خاتم دین رسول اللہؐ ہیں

حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ مہدی علیہ السلام پر دین کو ختم کرے گا۔ اسی لئے متکلمین مہدی علیہ السلام کو خاتم دین اور محققین خاتم الاولیاء یا خاتم ولایتِ محمدیہؐ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مہدی علیہ السلام احکام ولایت کا بیان کر کے دین کو ختم کریں گے یعنی قرآن شریف کے معانی کو جن کا تعلق احکامِ ولایتِ مہدی سے ہے خدائے تعالیٰ کے منشاء ومراد کے موافق بیان کرنا خاص مہدی علیہ السلام کا منصب ہے۔

صرف مہدویہ کا یہ مذہب نہیں بلکہ محققین اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، صدرالدین قونوی اور عبدالرزاق کاشانی وغیرہ اولیاء کرام نے آیت کریمہ ''ثم ان علینا بیانه'' کی تفسیر کرتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ ''یہ بیان قرآن جو احکامِ ولایت محمدیہؐ سے متعلق ہے بزبانِ مہدی ہوگا''۔

بات صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سینۂ اطہر میں دو علم تھے۔ ایک ظاہر قرآن کا علم جس کو شریعت کہتے ہیں۔ دوسرا باطن قرآن کا علم جس کو حقیقت کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے شریعت کا عام بیان فرمایا اور تمام دنیا اس سے فیض یاب ہوئی، آج تک ہو رہی ہے۔ اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ مگر علم حقیقت جو سینۂ اقدس میں موجزن تھا اور جو بے واسطۂ جبرئیل علیہ السلام مقام ''او ادنیٰ'' میں ''لی مع الله'' ''وقت لا یسعنی فیه ملک مقرب ولا نبی مرسل'' کی حالت میں سرور کائنات کے حوالہ ہوا تھا ''اوحیٰ الیٰ عبده ما اوحیٰ'' سے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا عام بیان نہیں فرمایا۔ اور اس علم کی عام دعوت وتبلیغ نہیں فرمائی۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ سے میں نے دو علم حاصل کئے ہیں ایک تو میں نے تمہارے سامنے بیان کر دیا اور اگر دوسرا علم بھی بیان کروں تو تم لوگ میری گردن کاٹ دو گے'' علامہ قسطلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

المراد منه علم الاسرار المصُون من الاغیار المختص بالعلماء بالله من اهل العرفان

یعنی ''اس علم سے علم اسرار مراد ہے جو اغیار سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور صرف اُن علماء باللہ سے مخصوص ہے جو اہل عرفان ہیں''

اس سے ثابت ہے کہ خاص خاص اصحاب کے سواء رسول اللہ ﷺ نے عام طور پر ان احکام کو بیان نہیں فرمایا۔

محققین اہل سنت بھی قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف احکام نبوت کو بیان فرمایا۔ اور احکام ولایت یعنی حقیقت کی عام دعوت نہیں فرمائی۔ کیونکہ زمانہ نبوت احکام ولایت کے عام بیان کے لئے موزوں نہ تھا۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ شرح فصوص الحکم میں فرماتے ہیں۔

'' لانه ﷺ غیر مامور بکشف الحقائق ولاسرار لخاتم الولایت بل کان مامورا بسترها''

یعنی ''رسول اللہ ﷺ خاتمِ ولایت کی طرح حقائق واسرار کے اظہار پر مامور نہ تھے بلکہ آپ کو مقام تشریع میں اسرارِ ولایت کے چھپانے کا حکم دیا گیا تھا۔

غرض رسول اللہ ﷺ نے مخصوص اصحاب کو جن میں اہلیت وصلاحیت تھی اسرار وحقائق کی تعلیم دی۔ اس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ اولیائے کرام کے مشہور خانوادے مثلاً قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ وغیرہ سب کسی نہ کسی صحابیٔ مکرم کے واسطے سے ذاتِ اقدس رسالت مآب ﷺ تک پہنچتے ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت رسالت مآب نے عام طور پر ان اسرار وحقائق کو بیان نہیں فرمایا بلکہ احکام ولایت کی عام دعوت وتبلیغ کو حضرت مہدی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس پر موقوف رکھا۔ امامنا مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ

''مجھے خدائے تعالیٰ نے خاص اس لئے بھیجا ہے کہ وہ احکام وبیان جو ولایتِ محمدیہ سے متعلق ہیں مہدی علیہ السلام کے ذریعہ ظاہر ہوں''

آیت کریمہ ''**الیوم اکملت لکم دینکم**'' کے لحاظ سے دینِ اسلام بالکل کامل ومکمل ہے مگر قرآن مجید احکام شریعت اور احکام شریعت کی تبلیغ کی اور احکامِ حقیقت کے بیان کو علیٰ سبیل الدعوۃ مہدی علیہ السلام پر موقوف رکھا اسی واسطے بعثت مہدی ضروریات دین سے ٹھیری اور رسول اللہ ﷺ

نے بعثتِ مہدی کو ضروری قرار دیا فرمایا کہ بعثتِ مہدی کے بغیر قیامت نہ آئے گی۔ اور مہدی علیہ السلام سے بیعت کرنے کو اس قدر ضروری قرار دیا کہ ''برف پر سے رینگ کر جانا پڑے تو جاؤ اور ان سے بیعت کرو کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ اور مہدی ہیں۔'' اور مہدی علیہ السلام کو خاتم دین فرمایا چنانچہ نعیم بن حماد اور ابونعیم نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ

'' **امنا آل محمد المهدی ام من غیرنا قال لا بل منا یختم الله به الذین کما فتحه بنا**''

یعنی'' کیا مہدی ہم آلِ محمد سے ہوں گے یا ہمارے غیر سے؟ فرمایا نہیں بلکہ آلِ محمد ﷺ سے ہوں گے خدائے تعالیٰ ان پر دین کو ختم کرے گا جس طرح ہم سے شروع کیا ہے''

اس حدیث سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام خاتم دین رسول اللہ ﷺ ہیں جب تک احکامِ ولایت کی عام دعوت وتبلیغ نہ ہو دین ختم نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ مہدی علیہ السلام کو وفات کے وقت خدائے تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آپ آیت'' **اکملت لکم دینکم** '' کا بیان کریں یعنی آج میں نے تمہارے دن کو مکمل کر دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو دین بلحاظ تنزیل مکمل تھا اور جس کی شریعت کے احکام بیان ہو چکے تھے وہ آج احکام ولایت بیان ہو کر بلحاظ تبلیغ بھی مکمل ہو گیا۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ دین کامل ہو چکا اب کسی امام معصوم کی یا مہدی موعودؑ کی بعثت کی ضرورت نہیں ہے یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ جب تک مہدی موعودؑ کی بعثت اور احکام ولایت محمدیہؐ کی تبلیغ نہ ہو دین مکمل نہیں ہوسکتا۔ اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ'' **یختم الله به الدین** ''یعنی خدائے تعالیٰ مہدی پر دین کو ختم کرے گا۔

غرض بہ فرمانِ رسالت پناہی روحی فداہ مہدیؑ احکامِ ولایت کو بیان کر کے دین کو ختم کریں گے اور دین اسلام بلحاظ مکمل ہوگا۔

پس ہم مہدوی آیات واحادیث کی روشنی میں یقین واثق اور اعتقاد وجازم رکھتے ہیں کہ امامنا حضرت سید محمد جونپوری مہدی موعود خلیفۃ اللہ معصوم عن الخطا' خاتم ولایت محمدیہؐ خاتم دینِ رسول اللہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

بارِامانت

خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

انا عرضنا الامانة علی السمٰوات والارض والجبال فأبین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان ط(الاحزاب۷۲)

یعنی ''ہم نے امانت کو آسمانوں پر زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن اس کے اُٹھانے سے ان سبھوں نے انکار کیا اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا''

اس آیتِ کریمہ میں سب سے زیادہ حل طلب امر یہی ہے کہ امانت سے کیا چیز مراد ہے۔ اس کے بعد آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کا جو نہ صرف غیر ذوی العقول ہیں بلکہ غیر ذی روح بھی ہیں اس امانت کے اُٹھانے سے ڈرنے اور انکار کرنے کا کیا موقع ومحل ہے۔ اور اس امانت کو اُٹھا لینے والا انسان کون ہے؟

محی السنۃ امام بغوی' امام رازی اور قاضی بیضاوی وغیرہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں لکھا ہے کہ امانت سے مراد طاعت الٰہی اور وہ فرائض ہیں جو خدائے تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب ومتحتم کئے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ان فرائض کے علاوہ' صدقِ مقال' ادائے دین' ناپ تول میں دیانت اور امانت متعارفہ مراد ہے۔

ضحاک نے کہا کہ امانت سے مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دھوکا نہ دے۔

مجاہد نے کہا کہ امانت سے مراد حدودِ شرعیہ ہیں۔

زید بن اسلم کے پاس امانت سے غسل جنابت مراد ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ امانت سے اعضائے انسانی مثلاً آنکھ' ناک' کان اور شرمگاہ وغیرہ اور ان کی حفاظت مقصود ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ عقل و ہوش' ایفائے عہد اور کلمۂ لا الٰہ الا اللہ مراد ہے۔

غرض صحابہ' تابعین' تبع تابعین اور مفسرین' متکلمین نے امانت کے کسی ایک معنی مرادی پر اجماع نہیں فرمایا یہ ظنّیات' خیالات و قیاسات ہیں جو موجبِ قطع و یقین نہیں۔

شر پریشان خواب من از کثرتِ تعبیر ها

البتہ بعض محققین نے معرفت الٰہی مراد لی ہے۔ صاحب تفسیر تاویلات نے لکھا کہ امانت سے ''حقیقتِ ہویّتا'' مراد ہے۔

تفسیر بطن میں ہے کہ امانت سے مراد ''فنا فی اللہ بقا باللہ'' ہے۔

بعض مفسرین کے پاس آسمانوں' زمین اور پہاڑوں سے ان کے اعیان مراد ہیں اور بعض کے پاس لفظ اہل مقدر ہے۔ یعنی **عرضنا الا مانته علیٰ اهل السمٰوت واهل الارض واهل الجبال** اس صورت میں **اهل السمٰوٰت** سے ملائکہ اور اہل ارض و جبال سے انسان مراد ہوں گے۔ پھر ارض و جبال کے تمام انسانوں میں ایک انسان نے اس امانت کو اٹھالیا تو یہ نکتہ حل طلب ہے' کہ وہ انسان کون ہے؟ مفسرین نے انسان سے حضرت آدمؑ اور ان کی ذریات مراد لی ہے۔

حافظ شیرازی نے فرمایا۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانه زدند

اس آیت میں انسان کا لفظ اگرچہ عام اور مطلق ہے لیکن قاعدہ یہ ہے کہ عام لفظ بھی جب قرینہ موجود ہو تو خاص ہو جاتا ہے مثلاً **خلق الانسان علمه البیان** (اللہ نے ایک انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان قرآن سکھایا) میں مفسرین کے پاس سرور کائنات صلعم کی ذات اقدس اور مہدویہ کے پاس مہدی علیہ السلام کی ذات پاک مراد ہے۔ اسی طرح **حملها الانسان** میں انسان اگرچہ عام ہے لیکن ارض و جبال کے تمام انسانوں میں ایک انسان نے اس امانت کو اٹھالیا۔ تو یہ ایک خاص انسان ہے' نوعِ انسان مراد نہیں ہے۔

امام خیر الانام حضرت مہدی علیہ السلام نے اس آیت کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے

وہی قطعی ویقینی واجب الاذعان اور واجب الاعتقاد ہے۔ حضرت کے فرمان میں رائے واجتہاد اور مفسرین کی طرح رطب ویابس روایات کی اتباع نہیں ہے۔ حضرت کی ذات خلیفۃ اللہ، معصوم عن الخطا اور مبیّن مراداللہ ہے۔ یہاں صدق وصواب کے سوا سہو وخطا کا شائبہ نہیں ہے۔ حضرت امامنا علیہ السلام جونپور سے ہجرت کر کے دانا پور میں تشریف لائے تو سب سے پہلی مرتبہ تجلی ذاتی چمکی اور ارشاد ہوا کہ ہم نے تم کو مہدی موعودؑ خاتم ولایت محمدیہ بنایا ہے۔ اور دوسرے احکامات کے منجملہ یہ حکم محکم شرف صدور لایا کہ

''سید محمد تراعالم کتاب خود نمودیم ومعانیٔ قرآن که مراد مابود ترا آموختیم''

یعنی ''ہم نے تم کو اپنی کتاب کا عالم بنایا ہے اور قرآن مجید کے معانی جو ہماری مراد ہیں تم کو سکھلا دیئے ہیں۔''

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت میں امانت سے ''بینائی حق تعالیٰ'' سماوات سے ''انبیاء'' ارض سے ''اولیا'' جبال سے ''علماء'' اور انسان سے ''بندگی میاں سید خوندمیرؒ'' مراد ہیں۔

امامنا علیہ السلام کی زبان مبارک سے امانت کا مفہوم بینائی حق، مطلق ثابت ہو رہا ہے۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ ''**المطلق ینصرف الی الفرد الکامل**'' یعنی کوئی لفظ مطلق استعمال کیا جائے تو اس سے فرد کامل مراد ہوتی ہے۔ پس بینائی سے بینائی کامل مراد ہے جس کو گروہِ مقدسہ میں رویتِ مطلقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بینائی حق کی دو صورتیں ہیں، ایک مطلق دوسری مقید۔ دیدار خدا کے مسئلہ میں فنائے وصفی اور فنائے ذاتی کے مدارج اور اس کے رموز واسرار بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ اجمالاً یوں کہا جا سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا دیدار کسی واسطہ کے بغیر ہو اور تجلیات لامتناہی ہوں تو یہ رویتِ مطلقہ ہے۔ اگر رویت کسی کے واسطہ سے ہو اور سالک ایک ہی تجلی پر قانع رہے اور اس کی پرواز ایک مقام پر ختم ہو جائے تو اس کو رویتِ مقیدہ کہتے ہیں۔ پہلی رویت خاتمین علیہما السلام کا خاصہ ہے کیونکہ یہ ذوات مقدسہ خود عین ذات ہیں کسی کے واسطے سے خدا کو نہیں دیکھتے اور جس طرح خدا کی ذات کی انتہا نہیں ہے اسی طرح خاتمین کی طلب کی بھی انتہا نہیں ہے یہ رویتِ مطلقہ ہے۔

اس کے برخلاف انبیاءؑ اولیاءؒ اصفیاءؒ بندگانِ مومنین جو بھی خدا کو دیکھتے ہیں مشکوٰۃ ولایت محمدی میں ان کو دیدار ہوگا۔ یہ رویت مقیدہ ہے۔ رویت مطلقہ ومقیدہ کی تعریف اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ تمام انبیاء واولیاء بعض بعض اسمائے الٰہیہ کے مظہر ہیں۔ اس لئے ان کی سیر وتجلی ایک مقام پر ختم ہوجاتی ہے اور اسم اعظم کی جامعیت کا مرتبہ صرف حضرات خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء کو حاصل ہے۔ اسی لئے دوسروں کے مقابلہ میں صرف خاتمینؑ کی سیر لامتناہی ہے یہی رویت مطلقہ ہے۔

یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ عارفین کے تین مقام ہیں بعض کہتے ہیں کہ **عرفناک حق معرفتک** یعنی جس طرح تجھے پہچاننے کا حق ہے اس طرح ہم نے پہچان لیا۔ گویا یہ لوگ کمالِ معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں بعض عارفین کا قول ہے **ماعرفناک حق معرفتک** یعنی جس طرح تجھے پہچاننے کا حق ہے اس طرح ہم نے تجھے نہیں پہچانا۔ گویا ان لوگوں نے اپنے عجز کا اقرار کرلیا ہے۔

ان دونوں مذکورہ جماعتوں میں سے ایک نے تو خدا کی ذات کو اس قدر محدود کرلیا ہے کہ گویا اس کی معرفت کما حقہ ان کو حاصل ہوگئی حالانکہ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **ماقدر واللہ حق قدرہ** (جس طرح اللہ کو پہچاننے کا حق ہے اس طرح انہوں نے نہیں پہچانا) اور دوسری جماعت نے اقرار واعتراف کرلیا ہے کہ کمالِ معرفت ہم کو حاصل نہیں ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک مقام پر ان کی طلب ختم ہوگئی ہے۔

تیسرا مقام وہ ہے جو'' **عرفناک** '' اور'' **ما عرفناک** '' دونوں سے اعلیٰ وارفع ہے نہ انہوں نے خدا کی ذات کو محدود کردیا ہے اور نہ ان کی طلب ایک مقام پر ختم ہوگئی ہے۔ بلکہ نہ خدا کی ذات کی انتہا ہے نہ ان کی طلب کی انتہا ہے۔ اس کو علمِ سکوتی' سیر غیر متناہی کہتے ہیں۔ جس کے بارے میں شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ

'' **لیس ھذا العلم الا لخاتم الرسل و خاتم الاولیاء**''

یعنی'' یہ علم سکوتی اور سیر غیر متناہی خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے''

اس مرتبہ کو'' فیض بلا واسطہ''' مسلمان تام''' سرتاپا مسلمان'' کہتے ہیں۔ غرض مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس نہ صرف ہمارے اعتقاد کی بناء پر ہے بلکہ محققین اہل سنت کی تحقیق کے مطابق مرجعِ کل ہے'

تمام انبیاء واولیاء کو مشکوٰۃ ولایت میں خدا کا دیدار ہوتا ہے' یہاں تک کہ حضرت خاتم الانبیاءؑ بھی اسی مشکوٰۃ ولایت محمدیہ سے استفادہ فرماتے ہیں۔اسی حیثیت کی طرف امامنا علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ

''ما تابع رسول اللہ ہستیم در شریعت ومتبوع در معنی[1]''

یعنی ''میں شریعت میں رسول اللہ کا تابع اور حقیقت میں متبوع ہوں''

مگر چونکہ یہ حضرت ختمی مرتبت ﷺ ہی کی ولایت ہے اس لئے حضرت کے دیدار پر واسط کا اطلاق

حاشیہ[1] اس نقل شریف کے بارے میں بعض ناواقفوں کو شبہ ہے کہ یہ مہدی علیہ السلام کا فرمان نہیں ہے اور وہ ہم سے تصحیح نقل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ہم نے اپنی عادت کے موافق اس نقل کا حوالہ نہیں دیا تھا (دیکھو نور حیات بابتہ جون ۷۴ء) ممکن ہے یہ روایت ان کو نہ ملی ہو مگر ہم کو تو ہمارے بزرگوں سے سنداً اور دست بدست پہنچی ہے۔اگر کسی کتاب میں نہ ہو تو حرج نہیں ہے۔جو لوگ اہل علم ہیں ان کو حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔اور جن کو ہم پر بھروسہ ہے وہ مزید تحقیق سے بے نیاز ہیں۔جب معترض صاحب کو انصاف نامہ کی اس روایت کا اقرار ہے کہ بندگی میاںؒ اور اکثر مہاجرین یہی کہتے ہیں ''مہدی علیہ السلام شریعت میں تابع اور حقیقت میں متبوع ہیں'' تو گویا یہ قول بندگی میاںؒ حدیث موقوف کی طرح ہے اور حدیث موقوف جو'' ما لا یدرک بالقیاس '' ہو تو حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔پس یہ فرمانِ مہدیؑ ہونے میں کیا کلام ہے۔لیکن یہ سمجھنا بھی تو آخر اہل علم ہی کا کام ہے۔

جو لوگ علم سے عاری ہیں اور جن کی دوڑ صرف لغاتِ کشوری تک ہے ان سے مخاطبت تضیع وقت اور علم کی توہین ہے۔اسی لئے ہمارے بعض مضامین وفتاوٰی مثلاً نماز جمعہ' نماز جنازہ غائبانہ' رویت ہلال' زیارت قبور' تسویت سیدینؓ ' غیر مخلوقیت ولایتِ مصطفیٰ وغیرہ پر ان کے لا یعنی اور مضحکہ خیز اعتراضات پر ہم نے توجہ نہیں کی اور آئندہ بھی ایسے ہفوات ہمارے لئے نا قابل التفات ہوں گے۔کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نہیں سمجھتے۔

کارِ دانا نیست اے شمسیؔ بہ ناداں ساختن

فی الحال جب کہ وہ فرمانِ مہدی علیہ السلام کے انکار کی رجعت میں مبتلا ہیں' اگر وہ اپنی بے راہ روی سے باز آئیں' قلتِ علم' عدم تدبر اور اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کریں تو ہم بتائیں کہ یہ نقل معارج الولایت مولفہ حضرت بندگی میاں سید محمود نبیرۂ حضرت حاکم الزماں بندگی میاں سید نور محمد خاتم کار آخر حاکمؒ کے تیرہویں باب میں مہدی علیہ السلام کے نام سے بایں الفاظ موجود ہے کہ ''حضرت میراں علیہ السلام فرمودند ما تابع رسول اللہ ہستیم در شریعت ومتبوع در معنی'' ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ

فکر ما سنجیدہ در میزانِ منطق کردہ ایم
ہرچہ فی گوئیم وبنو یسیم ایمن از خطاست

نہیں ہوتا۔ پس دیدار کا اعلیٰ مرتبہ جس میں شرکِ اعتباری کا بھی مشابہہ نہیں ہے اور جو بلا واسطہ اور غیر مختتم ہے' خدا کی پوری خدائی میں صرف خاتمینؑ سے مختص ہے۔ اس حقیقت کی طرف بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایتؓ نے اشارہ فرمایا ہے کہ ''تمام عالم میں صرف دو مسلمان نظر آتے ہیں محمد رسول اللہ' مہدی مراد اللہ'' اسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا۔

'' بینائی حق تعالیٰ بار امانت است وبار امانت ھمیں دو تن ادا کردند یکے محمد خاتم النبی دوم محمد خاتم الولی''

اور یہی بینائی جو خاتمین کا خاصّہ ہے۔ بصدقہ خاتمین صرف سیدین صالحین کو حاصل ہے کیونکہ دونوں ذوات مقدسہ سرتا پا مسلمان اور فیض بلا واسطہ سے مشرف ہیں چنانچہ حضرت مہدی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

'' بروز حشر اگر بندہ را از حق تعالیٰ فرمان شود کہ اے سید محمدؑ ترا مہدی موعود خاتم ولایت محمدی گرد انیدیم اکنوں برائے ماچہ تحفہ آوردی' بندہ عرض نماید کہ اے باری تعالیٰ دو سیدان صالحان را مسلمان تمام کردہ بدرگاہ تو آوردہ ام حق تعالیٰ بلطف خویش قبول نماید''

یعنی'' اگر قیامت کے روز خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہو کہ سید محمدؑ میں نے تم کو مہدی موعود' خاتم ولایت محمدی بنایا تھا۔ تم ہمارے لئے کیا تحفہ لائے ہو تو عرض کروں گا کہ ان سیدین صالحین کو مسلمانِ تام بنا کر لایا ہوں تو خدائے تعالیٰ قبول فرمائے گا''

اسلام تام کے علاوہ حضرت نے سیدینؓ کو فیض بلا واسطہ کی بشارت بھی دی ہے۔ چنانچہ ایک روز سیدینؓ حضرت کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے فرمایا۔

''فرمانِ خدا می شود کہ اے سید محمد ھر دوسیداں دھر دو برادراں وھردو جواناں وھر دو صالحاں کہ را ستاد وچائے تواند برگزیدۂ ما اندو ھر دو رابے واسطہ فیض از حضرتِ مامی رسد''

یعنی'' یہ دونوں سیدین صالحین جو تمہارے دائیں و بائیں جانب ہیں ہمارے برگزیدہ ہیں

اوران کو ہماری درگاہ سے بے واسطہ فیض پہنچتا ہے''

اس سے قبل ایک موقع پر حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ پیغمبروں نے بندہ کی صحبت کی آرزو کی ہے اب اس بے واسطگی کی بشارت سن کر حضرت ثانی مہدیؓ زار وقطار ہو گئے اور عرض کیا پیغمبروں نے حضرت کی صحبت کی آرزو کی ہے۔ حضرت ہم کو اپنے واسطہ سے بے واسطہ نہ کریں۔ فرمایا دلگیر مت ہو تم میرے واسطے سے بے واسطہ ہوئے ہو۔ تو گویا خاتمین علیہما السلام کی طرح سیدینؓ بھی دیدار کے اسی مقام پر فائز ہیں جہاں نہ کسی کا واسطہ ہے نہ خدا کی ذات ختم ہوتی ہے نہ ان کی طلب ختم ہوتی ہے۔ سیدینؓ کی تسویت اسی مقام سے متعلق ہے یہاں دائیں ہاتھ اور بائیں ہاتھ کی مثال دے کر سیدینؓ میں فرقِ مراتب کرنا بے دینی ہے۔

یہی وہ بینائی حق یارویتِ خاص ہے جس کو مظہر اتم، سرتاپا مسلمان، فیض بلا واسطہ، علم سکوتی اور سیر غیر متناہی کہتے ہیں اور اسی بینائی کامل کو امامنا علیہ السلام نے امانت فرمایا ہے۔

'' بینائی حق تعالیٰ بار امانت است''

اور اس کا مرجع ومآل امرِ قتال ہے جس کا وقوع مہدی علیہ السلام سے متعذر رہے اس لئے فرمایا۔

'' بھائی سید خوندمیر مراد از سمٰوات انبیاء والارض اولیاء والجبال علما۔ فابین ان یحملنھا امر قتال است وحملٰھا الانسان امر ذات شماست''

مطلب یہ ہے کہ امانت سے مراد بینائی حق ہے جس کا انجام ومآل کار امر قتال ہے۔ جس کو انبیاء، اولیاء اور علما نے اٹھانے سے انکار کیا اور اس کو بصدقۂ خاتمین بندگی میاں سید خوندمیرؓ نے اٹھالیا۔ حضرت مہدی علیہ السلام سے امر قتال کیوں متعذر رہے اس کی حقیقت سننے کے قابل ہے۔

ناگور میں حضرت مہدی علیہ السلام نے آیت **فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا** کا بیان فرمایا اور فرمایا **فالذین ھاجروا شد، واخرجوا من دیارھم شد، واوزوافی سبیلی شد، فاتلوا وقتلوا باقی است انشاء اللہ خواھد شد۔** اور فرمایا **از کسان من ایں کار خواھد شد۔** اور اس امر قتال کے حامل کی بڑی فضیلت بیان کی۔ بندگی میاںؓ نے بندگی میاں شاہ نعمتؓ کے ذریعہ دریافت کرایا کہ اس صفت کے حامل کا نام

معلوم ہوتو ہم اس کی تعظیم کریں گے۔حضرت نے فرمایا وہ سائل (۱) ہے۔

(۱) یہ نکتہ یہاں یاد رکھنا چاہئے کہ سائل حقیقی تو بندگی میاںؓ تھے۔جواب میں حضرت مہدی علیہ السلام کی زبان مبارک سے لفظ سائل نکل گیا ہے اور من وجہ اور ظاہری اعتبار سے بندگی میاں شاہ نعمتؓ بھی سائل تھے۔اس لئے حضرت کی زبان سے نکلا ہوا لفظ کس طرح رائیگاں جاتا صرف **قتلوا** کا ظہور ہوا اور حضرت شاہ نعمتؓ بھی شہید فی سبیل اللہ ہوئے لیکن یہ **قاتلوا و قتلوا** اور صفتِ ذاتِ مہدی نہیں ہے۔

حضرت کے جواب پر کہ سائل صفت قتال کا حامل ہے۔بندگی میاں نے میاں یوسفؓ سے فرمایا کہ حضرت کے جواب کو میاں نعمتؓ اپنی ذات پر محمول کرتے ہیں تم پوچھو کہ صفتِ قتال کا حامل کون ہے؟ میاں یوسفؓ نے حضرت سے عرض کیا تو فرمایا تم کو اس سے کیا واسطہ' تم اپنے حجرہ میں ذکر الٰہی میں مشغول رہو۔عرض کیا میرا جی! میں نہیں پوچھ رہا ہوں۔فرمایا پھر کون پوچھ رہا ہے عرض کیا میاں سید خوندمیرؓ۔فرمایا تم جاؤ ان کو میرے پاس بھیج دو۔بندگی میاںؓ حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا سید خوندمیر! صفت **قاتلوا و قتلوا** کے حامل تم ہو۔عرض کیا بندہ میں یہ طاقت کہاں؟ فرمایا خدائے تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے اور میں کہہ رہا ہوں۔فرمایا خدائے تعالیٰ کسی کو کوئی چیز دیتا ہے تو اس کی قابلیت کو دیکھ کر دیتا ہے وہ دانا بینا ہے نااہل کو نہیں دیتا اور اہل سے درگزر نہیں کرتا۔پھر فرمایا میں نے خدائے تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ ہجرت' اخراج اور ایذا کی طرح یہ صفتِ قتال بھی بندہ کی ذات سے پوری ہوجائے تو شہادت کا مرتبہ بھی حاصل ہوجاتا ہے مگر حکم ہوا کہ ہمارے علم ازلی میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ خاتم انبیاء اور خاتم اولیاء پر کوئی قادر نہ ہوسکے گا اس لئے ہم نے تمہارا بدل سید خوندمیر کو بنایا ہے۔ارشاد فرمایا سید خوندمیر! یہ خاتم ولایت محمدی کا بار ہے (یعنی جو بار مجھ کو اٹھانا چاہئے تھا وہ تم اٹھانا پڑھ رہا ہے) یاد رکھو اس بار کے اٹھانے والے کا سر جدا' تن جدا اور پوست جدا ہوگا۔جس دن اس صفت کا ظہور ہوگا وہ ایسا سخت ہوگا کہ فولاد کی ہڈیاں بھی ہوگی تو گھس جائیں گی۔تمام دنیا حتیٰ کہ تمہارے جامہ کا بند بند تمہارا دشمن ہوجائے گا۔اس دن خدا کے سوا کسی سے مدد نہ چاہنا۔اگر تمام دنیا ایک طرف اور تم ایک طرف ہوں تو پھر بھی پہلے روز تمہاری فتح اور دوسرے روز تمہاری شہادت ہوگی۔اور یہ میری مہدیت کی نشانی ہے۔

غرض بار امانت وہ بینائی حق تعالیٰ مخصوص بہ خاتمینؑ اور عشق ومحبتِ خدا ہے جس کا ثمرہ جاں دہی وجاں سپاری۔خوں فشانی وبقائے جاودانی ہے جس کو مہدی علیہ السلام نے امر قتال سے تعبیر فرمایا ہے اور اسی امر قتال کو ''بارِ ولایت محمدی'' بھی کہتے ہیں یعنی یہ امر قتال خاص مہدی علیہ السلام کی ذات کی صفت ہے مگر آپ پر کوئی قادر نہ ہوسکتا تھا اس لئے بندگی میاںؓ سے فرمایا۔

ختم بار ولایت مصطفیٰ ؐ بر ذات شماست

کما قال اللہ تعالیٰ وحملھا الانسان ' ایں نیز ذاتِ شماست

حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام مہدیت موعودہ' خلافتِ الٰہیہ' بیان قرآن' بحسب مراد اللہ کی دعوت وتبلیغ کے بعد جب اس دنیا سے تشریف لے گئے تو صرف دو کام حضرت کے ذمہ باقی رہ گئے تھے (۱) ایک کام ان طالبانِ خدا کو کامل ومکمل کرنا تھا جو حضرت کی صحبت میں تھے (۲) دوسرا کام' تکمیل صفاتِ مومن کے لئے خود حضرت کا امر قتال سے یعنی قاتلوا وقتلوا کی صفت سے متصف ہونا ہے۔

پہلے کام کی تکمیل حضرت بندگی میراں سید محمود ثانی مہدیؓ کے تفویض کی اور ارشاد فرمایا کہ یہ سب بھائی سید محمود کی صحبت میں کامل ہوجائیں گے۔یعنی حضرت ثانی مہدیؓ کو اپنا جانشین قرار دیا' اہل دائرہ اور ان اصحاب ومہاجرین کو جن کو صحبت کی ضرورت تھی ثانیٔ مہدیؓ کے حوالہ فرمایا۔حضرت ثانی مہدیؓ کا نام اور جانشینی خاص خدائے تعالیٰ کے حکم سے ہے۔جب ثانی مہدیؓ کی ولادت ہوئی تو مہدی علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ہمارے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کا نام زمین پر محمدؐ آسمان چہارم پر سید مبارک اور عرش پر محمود ہے۔ہم نے ہمارے حبیب کے اسم عرشی سے اس کو موسوم کیا ہے۔تم اس فرزند کا نام سید محمود رکھو یہ تمہارا جانشین ہے۔حضرت صادق لکھتے ہیں ارشاد باری ہوا کہ

جارے تو فرمان سے کام رکھ کہ محمود فرزند کا نام رکھ
ترا جانشین ہے یہ قائم مقام یہ وارث ترے ارث کا ہے مدام

حضرت مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد ثانی مہدیؓ کی ذات مرجعِ اصحاب عظام بنی اور وہ اصحاب ومہاجرین حضرت ثانی مہدیؓ کی صحبت میں مرتبۂ کمال کو پہنچے۔

وہ ثانی مہدیؓ کہ پدر جس کا ہے مہدیؑ — دلبندِ پدر بی بی الہ دادیؓ کا جایا
ناقص جو تھا کامل ہوا کامل ہوا اکمل — اے ثانی مہدیؓ تری صحبت میں جو آیا
آگے سے سوا بیعت مہدیؑ کو بڑھے ہاتھ — جب تیرا قدم مسندِ ارشاد پہ آیا
ہر ایک شجر اس چمنستان کا ہے شاداب — آقا نے میرے فیض کا دریا وہ بہایا

(۲) دوسرا کام جو حضرت مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس سے تکمیل شدنی تھا وہ حضرت کا شہید فی سبیل اللہ ہو جانا تھا۔ چونکہ حضرت پر کوئی قادر نہ ہوسکتا تھا اس لئے بحکم خدا حضرت نے اپنی یہ صفت بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایتؓ کے حوالہ فرمائی اور حسبِ بشارتِ مہدی علیہ السلام بندگی میاںؓ شہادت عظمیٰ سے معزز و مفتخر ہوئے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے وصالِ شریف کے وقت اپنی بینائی بندگی میاںؓ کے حوالہ فرمائی ہے۔ اس سے اسی صفت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس بنیائی کی بشارت سے جو مہدی علیہ السلام سے مخصوص ہے اور جس کو فیض بلا واسطہ اور سرتا پا مسلمانی سے تعبیر کیا جاتا ہے' بندگی میاںؓ قبل ازیں مشرف ہو چکے ہیں۔ پس کہا جاسکتا ہے کہ اس بینائی سے وہی کمال بینائی اور عشق ومحبت الٰہی کا ثمرۂ آخریں یعنی امر قتال مراد ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے لفظِ ''امانت'' سے یاد فرمایا ہے اور جس سے مہدی علیہ السلام کی صفتِ چہارمی قاتلوا و قتلوا کی تکمیل ہوئی ہے۔

صدرِ محمود کو ہم نے ترا سینہ پایا
سرِ صدیقؓ کو بدلہ ترے سر کا دیکھا

☆☆☆☆☆

ثم ان علینا بیانه
بیانِ قرآن

رسول اللہ ﷺ وحی کو یاد کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔حضرت کا خیال یہ تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ جبرئیلؑ چلے جائیں اور وحی کا کوئی لفظ یاد نہ رہے۔ چنانچہ ان کے ساتھ ساتھ پڑھتے اور الفاظ وحی کو یاد رکھنے کی بہت کوشش فرماتے تھے۔اور اس میں آپ کو بعض وقت بہت دقت ہوتی تھی ایسے موقع پر خدائے تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

لا تحرک به لسانک لتعجل به۔ ان علینا جمعه و قرآنه ۔ فاذ اقرانه فاتبع قرانه۔ ثم ان علینا بیانه (القیامۃ ۱۶۔۱۹)

یعنے ''محمد قرآن جلد یاد کر لینے کے لئے آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے۔اس قرآن کا جمع کرنا اور اس کو پڑھنا یہ ہمارا ذمہ ہے۔ہم جب اس کو بذریعہ جبرئیل پڑھنے لگیں تو آپ خاموش سنتے رہئے پھر اس قرآن کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔

اس آیت میں ارشاد فرماتا ہے کہ قرآن کو یاد کرنے کے لئے آپ عجلت نہ فرمائیں۔عجلت کے معنی ہیں ''**طلب الشئی قبل ادانه**'' کسی چیز کو وقت سے پہلے طلب کرنا۔

فرماتا ہے جب وحی نازل ہو رہی ہو تو یہ وقت آپ کے یاد کر لینے کا نہیں ہے۔آپ صرف سن لیجئے آپ مطمئن رہیں یہ قرآن آپ کے سینۂ اطہر سے کبھی محو نہ ہوگا۔اسکو جمع کرنے کا ہم نے ذمہ لے لیا ہے اور اسکو آپکی زبان سے پڑھوانا بھی ہمارا کام ہے

جمع کے معنی ہیں۔**ضم الشی بتقریر لبعضه من بعض**. چند متفرق اور پریشان اجزاء کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دینا۔قرآن کو جمع کرنے کا یا تو یہ مطلب ہے کہ اسکو ہم آپ کے سینہ میں محفوظ کر دیں گے۔یا یہ معنی ہیں کہ اس وقت جو پراگندہ اور منتشر ہے اور مختلف اجزاء پر لکھا ہوا ہے۔ایک جگہ

جمع کرنے کا انتظام کریں گے قرآن مصدر ہے اسکے معنی ہیں پڑھنا چونکہ یہ اللہ کی کتاب اور بار بار پڑھی جاتی ہے اس کا نام ہی قرآن ہوگیا۔ اس کے بعد فرماتا ہے۔ ثم ان علینا بیانه پھر اس قرآن کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔ بیان کے معنی ہیں۔ الکشف عن الشی کسی چیز کو کھول دینا کسی بات کو ایسا کھول کر بیان کرنا کہ اس کا کوئی گوشہ خفا میں نہ رہے۔

مطلب یہ ہے کہ آپ کو قرآن یاد رکھنے کی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے لئے قرآن کو متوجہ ہوکر سننا کافی ہے اس کی فکر نہ کیجئے کہ الفاظِ قرآن یاد رہیں گے یا نہیں آپ یہ اندیشہ بھی نہ کریں کہ جبرئیلؑ چلے جائیں اور کوئی لفظ یاد نہ رہے تو لوگوں کو کس طرح سناؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت کو اطمینان دلایا ہے کہ اس قرآن کو آپ کے سینہ اقدس میں محفوظ رکھنا یا جمع کرنا اور آپ کی زبان سے دوسروں تک پہونچانا یہ ہمارا ذمہ ہے۔ آپ بوقت وحی صرف سنتے رہئے۔ گویا یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ آپ وحی کو خاموش سنتے رہتے۔ اور جبرئیل علیہ السلام کے جانے کے بعد کسی کمی وبیشی کے بغیر پوری آیت اپنے اصحاب کو سنا دیتے تھے اسی طرح خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو ایک دوسری جگہ یہی حکم دیا ہے فرماتا ہے۔

ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیه و قل رب زدنی علماً (طٰہٰ ۱۱۴)

یعنے جب تک وحی آپ پر پوری نہ اتر جائے آپ قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کیجئے۔ آپ یہ دعا کریں کہ پروردگار میرے علم میں زیادتی کر۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن جیسی نعمت اور منبع ہدایت کو ہم بتدریج نازل کرے ہیں آپ اس قرآن کو جبرئیل سے لینے میں عجلت نہ کریں۔ جبرئیل کے ساتھ ساتھ نہ پڑھیں بلکہ خاموش سنتے رہیں۔ ہم ذمہ لے چکے ہیں کہ یہ قرآن آپ کے سینۂ مبارک سے نہ نکلے گا۔ آپ یہ فکر نہ کیجئے کہ میں بھول جاؤنگا۔ آپ اس کو یاد کرنے کی فکر اور اس کی حفاظت کی تدبیر نہ کیجئے۔ بلکہ یہ دعا کیجئے کہ اے پروردگار قرآن کی زیادہ سے زیادہ سمجھ اور اس کے علوم ومعارف عطا فرما۔

رسول اللہ ﷺ کو قرآن شریف یاد کرنے میں عجلت سے منع کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وحی بذریعہ جبرئیل ختم ہونے سے پہلے پڑھنا، آداب وحی کے خلاف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل ظاہر یعنے

مفسرین متکلمین کہتے ہیں کہ پورا قرآن شبِ قدر میں لوح محفوظ سے سماء دنیا پر بیک وقت نازل کر دیا گیا اور پھر حسب ضرورت ایک ایک دو آیتیں کر کے (۲۳) سال کے عرصہ میں بذریعہ جبرئیل رسول ﷺ پر پورا قرآن نازل ہوا۔ اس تدریجی طور پر نازل کرنے کو تنزیل کہتے ہیں۔ مفسرین محققین کہتے ہیں کہ شب قدر میں پورا قرآن رسول اللہ ﷺ کے سینۂ اقدس پر بیک وقت نازل کر دیا گیا۔ یہ انزال ہے اس کے معنی بیک وقت اتار دینے کے ہیں چنانچہ پورا قرآن آپ کے سینۂ اطہر میں محفوظ تھا۔ اسی وجہ سے آپ پڑھنے میں عجلت فرماتے تھے۔ آپ کو منع کیا گیا کہ اس عجلت کی ضرورت نہیں۔ آپ کی فضیلت مُسلّم لیکن آداب شریعت کی رعایت کیجئے۔ انبیاء ومرسلین کے طریقہ کے موافق اور ہماری عادت وسنت کے مطابق ہم بذریعہ جبرئیل وحی کریں تو آپ سن لیجئے اور قرأت کریں۔

قرآن کو جمع کرنے کا مطلب اس کی حفاظت کرنا ہے۔ چنانچہ جس طرح بیان فرمایا۔ **ان علینا جمعه** (قرآن کا جمع کرنا ہمارے ذمہ ہے) اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے **انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون** (الحجر۹) (قرآن کو ہم نے نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) قرآن کی حفاظت کے دو معنی ہیں۔ ایک رسول اللہ ﷺ کے سینۂ اقدس میں محفوظ کر دینا دوسری صورت یہ ہے کہ خارج میں ایک مجموعی حیثیت سے جمع کر دینا۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔ محققین کے قول کے موافق حضرت کے سینہ پاک میں محفوظ بھی کر دیا گیا۔ اور وعدہ کی ایک صورت پوری ہوئی اور اگر جمع کرنے کا مطلب خارج میں حفاظت کرنا ہے تو خدائے تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ بھی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ذریعہ پورا فرمایا جنہوں نے قرآن کا ایک ایک لفظ ایک ایک حرف جمع کیا اور پورے قرآن کو ایک جگہ محفوظ کر دیا جو قیامت تک محفوظ رہے گا۔

دوسرا وعدہ قرآت قرآن کا ہے۔ **ان علینا جمعه و قرانه** یعنے اس کی حفاظت کے علاوہ اس کی قرأت بھی ہمارے ذمہ ہے۔ اسی وعدہ کو ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ **سنقرئک فلا تنسٰی** (الاعلیٰ۶) ہم آپ کو یہ قرآن اس طرح پڑھائیں گے کہ آپ بھولیں گے نہیں۔ چنانچہ پورا قرآن نازل ہو چکا تو احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ حضرت جبرئیل کے سامنے پورے قرآن کی قرأت فرمائی۔ اور جبرئیل علیہ السلام نے سماعت کی۔

اس کے علاوہ خدائے تعالیٰ نے اس وعدہ کو اس طرح بھی پورا کیا کہ امت محمدیہ کو حکم دے دیا کہ **فاقروا ماتیسر من القران** (المزمل۲۰) نماز میں تم جس قدر قرآن پڑھ سکتے ہو، پڑھا کرو مختلف آیات واحادیث میں قرآن کو حفظ کرنے اور اس کی تلاوت کرتے رہنے کی فضیلت اور ثواب بیان کیا گیا جس کی وجہ سے مسلمان قرآن کو حفظ کرتے اور اس کی تلاوت وقرأت کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح خدائے تعالیٰ نے **ان علینا جمعه و قرانه** کا وعدہ پورا فرمایا۔

حفاظت قرآن اور قرأت قرآن یہ دونوں قرآن مجید کے دو خاص معجزے ہیں کسی کتاب آسمانی میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ خدائے تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا وعدہ فرمایا نہ ان کی قرأت کا۔ یہی وجہ ہے کہ توریت وانجیل وغیرہ آج اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں ہیں اور ایک نسخہ دوسرے نسخہ سے نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف خدائے تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور اسی خدائی وعدہ کا یہ کرشمہ ہیکہ آج سے ۱۴ سو سال پہلے جو قرآن مجید رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے ہاتھوں میں دیا تھا اس میں آج تک ایک شوشہ کا تغیر اور ایک نقط کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور امت محمدیہ کے بچے بچے کی زبان پر اس کلام پاک کی قرأت جاری ہے۔

خدائے تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں تین وعدے فرمائے ہیں **ان علینا جمعه**(۱) **وقرآنه**(۲) **ثم ان علینا بیانه**(۳) ایک قرآن کو جمع کرنا۔ دوسرا قرآن کو پڑھوانا تیسرا قرآن کا بیان کروانا۔ خدائے تعالیٰ نے یہ تینوں وعدے ایسے الفاظ میں فرمائے ہیں کہ ان الفاظ سے کلامِ عرب میں لزوم اور وجوب کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ ان الفاظ ''ان'' اور ''علیٰ'' ہیں جن سے کلام میں قطعیت اور وجوب ثابت ہوتی ہے، چنانچہ لفظ ''ان'' تحقیق کلام کے لئے مستعمل ہے۔ مثلاً خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ **انکم یوم القیامة تبعثون** تم قیامت کے روز بے شک اٹھائے جاؤ گے۔ یہاں لفظ ''ان'' کا فائدہ یہ ہے کہ قیامت کے روز اٹھائے جانا ایسی حقیقت ہے کہ اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح عربی میں لفظ ''علیٰ'' وجوب کے لئے آتا ہے۔ مثلاً **علیّ الف درهم لزید** مجھ پر زید کے ہزار درہم ہیں۔ یہ اقرار ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ زید کو ہزار درہم دینا میرے ذمہ واجب ہے۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ثم ان علینا بیانه** چونکہ خدائے تعالیٰ پر کوئی بات واجب نہیں ہوسکتی اس لئے

آیت کا مطلب یہ ہے کہ "ہماری طرف سے قرآن کا بیان کروانا قطعی ویقینی ہے"

ان آیات میں خدائے تعالیٰ نے تینوں وعدے ایک ہی نہج پر نہیں فرمائے۔ اس طرح ارشاد نہیں ہوا کہ ان علینا جمعه و قرانه و بیانه قرآن جمع کرنا۔ اس کی قرأت کرنا اور اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔ بلکہ یوں فرمایا۔ ان علینا جمعه و قرآنه اس کے بعد فرمایا فاذا قراء ناه فاتبع قرآنه اور کلام کو ختم فرمایا۔ اس کے بعد مستقل طور پر لفظ ان و علینا کو مکرر لا کر اور حرف عطف "ثم" کو درمیان میں لا کر بیان قرآن کا وعدہ فرمایا ارشاد ہوا "ثم ان علینا بیانه" اس اسلوب بیان سے ثابت ہے کہ جمع قرآن اور قرأت قرآن کے وعدے کے علاوہ بیان قرآن کا ایک علحدہ اور مستقل وعدہ ہے اور لفظ "ثم" سے دونوں وعدوں میں فصل دیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جمع و قرأت قرآن کا وعدہ پورا کرنے کے بعد خدائے تعالیٰ جب چاہے گا بیان قرآن کا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس وجہ سے کہ کلام عرب میں "ثم" تراخی مع التعقیب کے لئے آتا ہے۔ یعنے ایک کام دوسرے کام کے بعد تاخیر سے ہوتا ہے۔ تاخیر قریب ہو یا بعید اس کو ایک مثال سے یوں سمجھنا چاہئے کہ جاء زید و عمرو کا مطلب یہ ہے کہ زید اور عمر دونوں آئے اس میں ترتیب اور معیت مقصود نہیں ہے۔ خواہ زید و عمر مل کر آئے ہوں یا الگ الگ خواہ زید پہلے آیا ہو یا عمر و "واؤ" صرف جمع کے لئے ہے اور "ثم" تراخی و تعقیب کے لئے موضوع ہے۔ جاء زید ثم عمرو کا معنی یہ ہے کہ زید پہلے آیا اور اس کے بعد تاخیر سے عمر و آیا۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان علینا جمعه و قرآنه ثم ان علینا بیانه تو ثابت ہوا کہ جمع قرآن اور قرأت قرآن کے ساتھ ہی بیان قرآن نہیں ہوسکتا کیونکہ ثم تاخیر کیلئے مستعمل ہے۔

ثم میں تاخیر قریب اور تاخیر بعید دونوں پہلو ہیں۔ جاء زید ثم عمرو میں جہاں تاخیر قریب مقصود ہے۔ قرآن مجید میں تاخیر بعید کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً فرماتا ہے۔ ان الینا ایابهم ثم ان علینا حسابهم (الغاشیة ٢٥-٢٦) یعنی بے شک ان لوگوں کو لوٹ کر ہمارے پاس آنا ہے۔ یعنی ایک دن مرنا ہے پھر ان سے حساب لینا ہمارے ذمہ ہے۔ ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد حساب قیامت میں ہوگا کیونکہ "ثم" کا اقتضا یہی ہے کہ مرنے کے بعد حساب میں تاخیر ہو یہ تاخیر بعید ہے۔

ایک آیت میں "ثم" تاخیر قریب اور تاخیر بعید دونوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ فرماتا

ہے لقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلناه نطفة فی قرار مکین ثم جعلنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشاناه خلقا آخر فتبارک الله احسن الخالقین ثم انکم بعد ذلک لمیتون ثم انکم یوم القیامة تبعثون. (المومنون۱۲۔۱۶)

یعنے ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا ہے۔ پھر اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ (یعنی ماں کے پیٹ میں) رکھا۔ پھر نطفہ کو لوتھڑا اور لوتھڑے کو مضغہ بنایا۔ پھر مضغہ سے ہڈیاں بنائیں۔ پھر اس پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر اس کو دوبارہ پیدا کیا (یعنے اب تک بے جان تھا اب اس میں جان ڈالی) اللہ برکت والا اور بہترین پیدا کرنے والا ہے پھر تم اس پیدائش کے بعد مرو گے۔ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

خدائے تعالیٰ نے اس آیت میں ثم کو تراخی قریب اور تراخی بعید دونوں کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ نطفہ سے علقہ، علقہ سے مضغہ، مضغہ سے ہڈیاں بننے اور پھر اس میں جان پڑنے میں کچھ زیادہ تاخیر نہیں ہے۔ یہاں " ثم " تاخیر قریب ہی کے لئے ہے۔ البتہ پیدائش کے بعد موت میں کچھ تاخیر ہے بھی تو موت کے بعد قیامت کے دن اٹھنے میں تو سیکڑوں، ہزاروں سال کی تاخیر ہے۔ اور سب جگہ خدائے تعالیٰ نے " ثم " ہی استعمال فرمایا ہے۔ پس ثم ان علینا بیانه میں تاخیر بعید کا بھی احتمال ہے۔ اس واسطے امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ ''نزول قرآن کے بعد تاخیر بیان کے جائز ہونے پر اس آیت سے استدلال درست ہے'' قاضی بیضاوی لکھتے ہیں کہ " هو دلیل علیٰ جواز تاخیر البیان " یعنی خدائے تعالیٰ کا یہ فرمان " ثم ان علینا بیانه اس بات پر دلیل ہے کہ نزول قرآن کے بعد بیان قرآن تاخیر سے ہو''۔ علماء کو اختلاف ہے کہ بیان میں تاخیر ہو سکتی ہے یا نہیں۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ مطلق بیان کی تاخیر میں اختلاف ہے۔ لیکن بیان تفصیلی کی تاخیر جائز ہے۔ لکھتے ہیں۔

فاما البیان التفصیلی فیجوز تاخیره فتحتمل الآیة علی تاخیر البیان التفصیلی

یعنے ''بیان تفصیلی کی تاخیر جائز ہے۔ آیت ثم ان علینا بیانه میں بیان تفصیلی کی تاخیر کا احتمال ہے۔

مہدویہ کی بھی یہی تحقیق ہے کہ ثم ان علینا بیانه سے احکام ولایت کا تفصیلی بیان علی

سبیل الدعوۃ مراد ہے۔

اس آیت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنا یہ وعدہ کب اور کس کے ذریعہ پورا کرے گا۔مگر چونکہ لزوم و وجوب کے طور پر فرماتا ہے کہ اس قرآن کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔اس لئے وہ قادر مطلق اور فاعل مختار ہے۔جب چاہے اور جس کے ذریعہ چاہے اپنی کتاب کا بیان کرا سکتا ہے جس طرح خدائے تعالیٰ نے جمع قرآن کا وعدہ پورا فرمایا اور اس کے لئے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو توفیق دی۔اور انہوں نے قرآن کو جمع کیا۔اور اس کا ایک حرف بھی ضائع نہیں ہوا اور جس طرح قرأت قرآن کا وعدہ پورا کیا اور رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرمایا۔**سنقرئک فلا تنسیٰ** ہم یہ قرآن آپ کو اس طرح پڑھائیں گے کہ آپ کبھی نہ بھولیں گے۔اور امت محمدیہ ﷺ کو حکم دیا کہ **فاقرؤا علی تیسر من القرآن**۔یعنے نماز میں قرآن مجید جس قدر پڑھ سکتے ہو پڑھو۔اسی طرح بیان قرآن کے مواقع بھی فراہم فرمایا۔چنانچہ نزول قرآن کے بعد معانی قرآن کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا رہا۔جو آیتیں شریعت سے متعلق تھیں ان کی تفسیر احادیث شریفہ کی روشنی میں ہوتی رہی۔خدائے تعالیٰ نے صحابہ تابعین ،تبع تابعین اور بزرگان سلف کو توفیق دی اور انہوں نے اپنے زمانہ میں اپنے علم کے موافق تفسیریں لکھیں اور یہ بھی قرآن مجید کا ایسا مخصوص معجزہ ہے کہ قیامت تک تفسیریں لکھی جائیں گی مگر قرآن کے حقائق و دقایق ختم نہیں ہوں گے۔اور یہ ظاہر ہے کہ بیان قرآن کی خوبی بیان کرنے والے کے علم پر موقوف ہے۔جو جس قدر بڑا عالم ہوگا اسی کی تفسیر بھی اسی قدر وقیع ہوگی۔اور یہ معلوم ہے کہ حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد دنیا میں کوئی عالم اور مفسّر ایسا پیدا نہیں ہوا جو خطا سے معصوم ہو۔اس لئے صرف وہ توجیہ وتاویل صحیح ہے جو شرعی احکام کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے۔باقی تفسیروں سے ظن کے سواء کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

رہے احکام باطنی اس کو اولیائے امت بیان کرتے رہے۔ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جامع طور پر ''**علیٰ وجه الکمال**'' بیان قرآن کا وعدہ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ پورا فرمایا۔کیونکہ مہدی علیہ السلام کی ذات فیوض ولایت محمدیہ کی خاتم اور گنجینہ ولایت محمدیہ کی خازن ہے۔حضرت مہدی علیہ السلام کی ذات خلیفۃ اللہ ہے اور عصمت لازمہ خلافت الٰہیہ ہے۔

یعنی جو اللہ کا خلیفہ ہوگا بالضرور خطا سے معصوم ہوگا۔ آپ کے فرمان اور بیانِ قرآن میں خطا کا احتمال نہیں ہے۔ فرمان رسالت مآب " **المهدی منی یقفو اثری و لا یخطی**" (مہدی میری اولاد سے ہیں میرے نقشِ قدم پر چلیں گے اور خطا نہیں کریں گے) آپ کی شان میں وارد ہے۔ چنانچہ مہدی علیہ السلام نے اپنے عام بیانِ قرآن سے اسلام کو تازہ کیا۔ احکامِ ظنی اور بدعتوں سے اسلام کو پاک کیا اور خاص طور پر ان اسرارِ قرآنی اور احکام احسانی کو جن کا تعلق ولایتِ محمدیہ سے ہے حسب مراد اللہ بیان فرمایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

چوں از جونپور ہجرت کردہ بداناپور رسیدیم کرۃ اُولیٰ تجلی ذات شد فرمان در رسید کہ سید محمد ترا عالِم کتاب خود نمودیم و معنئ قرآن کہ مرادِ مابود ترا آمو ختیم ، ترا علم اولین و آخرین د ادیم و مبین معانی قرآنی نمودیم ، **ثم ان علینا بیانه** در حق تست۔

یعنے جب میں جونپور سے ہجرت کر کے داناپور میں آیا تو پہلی مرتبہ تجلی ذاتی چمکی اور فرمانِ الٰہی شرفِ صدور لایا کہ سید محمد! ہم نے تم کو اپنی کتاب کا عالم بنایا ہے۔ قرآن کے معنی جو ہماری مراد ہیں تم کو سکھلا دیئے ہیں۔ اولین و آخرین کا علم تم کو دے دیا ہے۔ اور تم کو مبین معانی قرآن بنایا ہے۔ ہمارا وعدہ "**ثم ان علینا بیانه**" تمہارے حق میں ہے۔

قرآن شریف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ایک آیت سے دوسری آیت کی وضاحت ہوتی ہے۔ اسی واسطے مفسرین کا مشہور ضابطہ ہے کہ " **القرآن یفسر بعضه لبعضا**" یعنے قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے بھی ایک جگہ قرآن مجید کو " **کتاباً متشا بها مثانی**" فرمایا ہے یعنی اس کی ایک آیت دوسری آیت سے ملتی جلتی اور بار ہا دہرائی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تکرار و اعادہ سے بات سمجھ میں آتی اور ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جس طرح یہاں فرمایا " **ثم ان علینا بیانه**" دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **الرا کتب اُحکمت اٰیاته ثم فصلت من لدن حکیم خبیر** (ھود۔ ۱) یعنی" قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط و مستحکم ہیں پھر اس کی تفصیل بیان کی جائے گی اس خدا کی طرف سے جو حکیم و خبیر ہے" خدائے تعالیٰ کے حکم سے حضرت مہدی

علیہ السلام نے اس آیت کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس کو اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے۔

" احکمت اٰیاته بلسان محمد ثم فصلت ایات بلسان المهدی الموعود"

یعنے قرآن مجید کی آیتیں محمد رسول ﷺ کی زبان سے ضبط واستحکام پائیں۔ پھر مہدی موعود کی زبان سے ان کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے " **الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان** " یعنے رحمٰن نے قرآن سکھلایا، ایک انسان کو پیدا کیا۔ اس کو بیان سکھلایا " امام اناؑ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ " انسان سے تمہاری ذات مراد ہے" یعنے خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید کو رسالت مآب کی ذاتِ اقدس پر تنزیل وترتیب سے نازل کیا اور اس کا بیان مہدی علیہ السلام کو سکھلایا۔ ان آیات کی تفسیر میں مفسرین نے جو کچھ موشگافی کی ہے وہ ان کے علم کی حدتک ہے ہمارے پاس حضرت مہدیؑ کا فرمان جو منجانب اللہ ہے اور امام معصوم کے ذریعہ ہم تک پہونچا ہے قطعی ویقینی ہے۔ اس کے مقابلہ میں مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہمارے پاس قابل اعتنا نہیں ہے۔

غرض " **ثم ان علینا بیانه** " اور دوسری آیتوں کا مطلب یہی ہے کہ قرآن شریف کے معانی کو جن کا تعلق احکامِ ولایت محمدی ﷺ سے ہے۔ خدائے تعالیٰ کے منشاء اور اس کی مراد کے موافق بیان کرنا خاص مہدی علیہ السلام کا منصب ہے۔ صرف مہدویہ کا یہ مذہب نہیں ہے بلکہ محققین اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی۔ صدرالدین قونوی اور عبدالرزاق کاشانی جیسے اولیاء کرام نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔" **ثم ان علینا بیانه ای بلسان المهدی**" یعنی یہ بیان قرآن جو احکام ولایت محمدی ﷺ سے متعلق ہے مہدی علیہ السلام کی زبان سے ہوگا۔

یہ اعتراض نہایت مہمل اور لغو ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا وہ تو اللہ کی مراد کو نہ سمجھیں اور بیان نہ کریں۔ اور مہدی علیہ السلام نزولِ قرآن کے نوسو برس کے بعد اس کا بیان کریں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ **نعوذ بالله** مہدویہ کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ قرآن کے معانی سے خدائے تعالیٰ کے منشاء اور مراد کے موافق صرف مہدی علیہ السلام واقف ہیں۔ حاشا وکلا یہ ہمارا اعتقاد نہیں ہے ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جناب سرور کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات جن کی ذات اقدس مہبط جبرئیل منزل قرآن تھی تمام

رموز ونکات قرآنی اور جمیع حقائق ودقائق فرقانی سے بالکلیہ اور کما حقہ واقف وباخبر تھے جو شخص ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور کرے کہ قرآن کی ایک آیت بلکہ ایک لفظ بلکہ ایک حرف کا معنی ومطلب بھی حسبِ مرادِ خدا آپ نہ جانتے تھے تو وہ ایمان واسلام سے بے نصیب ہے۔

بات صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سینۂ اطہر میں دو علم تھے۔ ایک ظاہر قرآن کا علم دوسرا باطن قران کا علم یعنی علم شریعت اور علم طریقت علم شریعت کا رسول اللہ ﷺ نے عام بیان فرمایا۔ تمام دنیا اس سے فیض یاب ہوئی۔ آج تک ہو رہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ مگر علم حقیقت جو سینۂ اقدس میں موجزن تھا اور جو بے واسطہ جبرئیلؑ غیب الغیب سے مقام اوادنی میں . لی مع الله وقت "لا یسعنی فیه ملک مقرب و لا نبی مرسل " کی حالت میں سرور کائنات کے حوالہ ہوا تھا۔ "اوحی الیٰ عبده ما اوحیٰ" سے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت نے اس کا عام بیان نہیں فرمایا۔ اور اس علم کی عام دعوت وتبلیغ نہیں فرمائی۔ یعنے حضرت نے احکام نبوت کو یعنی ظاہر قرآن یا شریعت کو عام طور پر بیان فرمایا۔ اور ہر پیغمبر کا یہی کام ہے کہ وہ اللہ کی کتاب سے صرف شریعت کو بیان کردے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا یہی ضابطہ قرار دیا ہے کہ ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم (ابراہیم۴) یعنی ہم نے جب کوئی رسول بھیجا تو اس قوم کی زبان میں (بات کرنے والا) بھیجا تا کہ وہ رسول ان میں بیان کرے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو خاص طور پر حکم دیا ہے کہ "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیهم "(النحل۴۴) ہم نے تم پر قرآن اتارا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے وہ بیان کریں جو ان کے لئے اتارا گیا ہے۔ اس حکم محکم کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید سے شریعت کا مکمل بیان فرمایا۔ لیکن احکام ولایت کا عام بیان نہیں فرمایا۔ جن کا تعلق باطن قرآن سے ہے۔ اور جن کو حقیقت کہتے ہیں۔ بخاری شریف میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ "حفظت من رسول الله وعائین فاما احد هما فبثثته و اما الاخر لو بثثته لقطع هذا البلعوم " میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو ظرف محفوظ رکھے ہیں۔ ایک تو لوگوں میں پھیلا دیا۔ دوسرا بھی پھیلا دوں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے گا۔ علامہ شہاب الدین قسطلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ "المرا دبه علم الاسرار المصئون عن الاغیار المختص با لعلماء بالله من اهل العرفان

و المشاهدات والا تقان ''یعنے اس سے علم اسرار مراد ہے جو غیروں سے محفوظ ہے اہل عرفان و مشاہدات علماء باللہ سے مخصوص ہے۔

اس سے ثابت ہے کہ خاص خاص اصحاب کے سواء جن میں صلاحیت واہلیت تھی' حضرت نے عام طور پر ان احکام کو بیان نہیں فرمایا۔ محققین اہل سنت بھی قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف احکام نبوت۔ یعنے شریعت کو بیان فرمایا احکام ولایت یعنے حقیقت کی عام دعوت نہیں کی۔ کیوں کہ زمانہ نبوت احکام ولایت کو بیان کرنے کے لئے موزوں ومناسب نہ تھا چنانچہ عبدالرحمٰن جامی شرح فصوص الحکم میں فرماتے ہیں۔

غیر مامور بکشف الحقایق و الا سرار کخاتم الولایة بل کان مامور ا بسترها.

''رسول اللہ ﷺ خاتم الولایت کی طرح حقایق واسرار کے اظہار پر مامور نہ تھے بلکہ آپ کو مقام تشریع میں اسرار ولایت کے چھپانے کا حکم دیا گیا تھا''

مہدی علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ ''رسول اللہ'' کی ذات سرتا پا ولایت تھی مگر رسول اللہ ﷺ احکام ولایت کے بیان کرنے پر مامور نہ تھے بندہ مامور ہے''۔

غرض رسول اللہ ﷺ نے خاص اصحاب کو ان اسرار وحقایق کی تعلیم دی اسی تعلیم خصوصی کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ اولیائے کرام مشہور خانوادے قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، وغیرہ وغیرہ سب کسی نہ کسی صحابی مکرم کے واسطہ سے ذات اقدس رسالت مآب تک پہونچتے ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ حضرت نے ان اسرار وحقایق کو عام طور پر بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کے وعدہ'' **ثم ان علینا بیانه** '' کے موافق احکام ولایت کی عام دعوت وتبلیغ کو حضرت مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس پر موقوف رکھا۔ اسی وجہ سے بعثت مہدی ضروریات دین سے ٹھہری۔ مہدی علیہ السلام نے اپنی بعثت کی غرض وغایت یہی بیان کی ہے۔ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہ، عقیدہ شریفہ میں لکھتے ہیں کہ مہدی علیہ السلام نے فرمایا۔ **حق تعالیٰ مارا کہ فرستادہ است مخصوص برائے این است کہ آں احکام وبیان کہ تعلق بہ ولایت محمدی دارد بواسطۂ مہدی ظاہر شود.**

یعنی'' مجھے خدائے تعالیٰ نے خاص اسی لئے بھیجا ہے کہ وہ احکام و بیان جو ولایت محمدی سے

متعلق ہیں مہدی کے ذریعے ظاہر ہوں''۔

اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے صرف احکام نبوت کو (۲۳) سال میں تکمیل تک پہونچایا اور بڑی حکمت عملی سے یہ منزل طے کی۔ رسول اللہ ﷺ نے معاذ ابن جبلؓ کو تبلیغ اسلام کیلئے یمن کو بھیجا ہے۔ حضرت نے ان کو تاکید فرمائی کہ جب اہل یمن مسلمان ہو جائیں تو ان سے کہنا کہ تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔، جب وہ نماز کے عادی ہو جائیں تو کہنا کہ رمضان کے ایک مہینہ کے روزے فرض ہیں۔ پھر زکواۃ اور حج کے احکام سنانا غرض احکام نبوت کی اس طرح بتدریج تعلیم دی جاتی تھی۔ احکام ولایت تو سخت ترین احکام ہیں اسی لئے حضرت نے ابتدائے اسلام میں ان کا بیان نہیں فرمایا، بعض صحابہ کا قول ہے۔ **لقد احسن الله الينا كل الاحسان كنا مشركين فلوجاء نا رسول الله بهذاالدين جملة و بالقراٰن دفعة لثقات هذه التكاليف علينا فما كنا ندخل فى الاسلام ولكنه دعا نا الى كلمة واحدة علىٰ سبيل الرفق الىٰ ان تم الدين و كملت الشريعة**

یعنی'' خدائے تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہم مشرک تھے۔ اگر رسول اللہ ﷺ دین کے تمام احکام اور پورا قرآن وقت واحد میں ہمارے سامنے پیش فرماتے تو ہم پر بڑا شاق گزرتا اور ہم مسلمان نہ ہو سکتے لیکن رسول اللہ ﷺ نے نہایت نرمی اور سہولت سے ایک ایک بات بیان فرمائی۔ اسی طرح دین اور شریعت کی تکمیل ہوئی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ '' **ادع الىٰ سبيل ربک بالحكمة و الموعظة الحسنة**'' (النحل ۱۲۵) آپ حکمت اور موعظۂ حسنہ سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیے۔ علامہ روز بہان تفسیر عرائس البیان میں لکھتے ہیں۔

'' **خاطب الجمهور بلسان الشريعةلابلسان الحقيقة فان تكلمت معهم بالحقيقة طاشت العقول فيها و بقت الخلق بلا فهم و علم** ''

یعنے عام لوگوں کو حقیقت کی زبان میں نہیں بلکہ زبان شریعت میں مخاطب فرمائیے اگر آپ ان سے حقیقت کی باتیں کریں گے تو ان کی عقل پریشان ہو جائے گی۔ اور وہ لاعلم ہی رہیں گے۔

اسی واسطے رسول اللہ ﷺ نے احکام شریعت کی تبلیغ کی اور اس کا بیان فرمایا۔ اور احکام ولایت

یعنے حقیقت کے بیان کو علی سبیل الدعوت مہدی علیہ السلام پر موقوف رکھا اور آپ کی بعثت ایسی ضروری قرار دی کہ اس کے بغیر قیامت نہ آئے گی۔ اور مہدی علیہ السلام سے بیعت کرنے کو اس قدر ضروری قرار دیا کہ برف پر رینگنا پڑے تو جاؤ اور ان سے بیعت کرو کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ ہیں اور فرمایا۔

" المهدی منا یختم الله به الدین کما فتحه بنا "مہدی ہم (زمرۂ انبیاء) سے ہیں خدائے تعالیٰ ان پر دین کو ختم کرے گا، جس طرح ہم (انبیاء) سے شروع فرمایا ہے۔" وہ یہی بیان قرآن ہے جس کے ذریعے مہدی علیہ السلام احکام ولایت محمدی کو علی سبیل الدعوت مامور من اللہ کی حیثیت سے بیان کر کے دین کو ختم کریں گے یہ وہ احکام ہیں جن کو آدم سے لے کر مہدی تک کسی رسول اور خلیفۃ اللہ نے بیان نہیں کیا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اشارہ فرماتے ہیں۔ نحن نا تیکم بالتنزیل و اما التاویل سیاتی به المهدی فی آخر الزماں (تفسیر تاویلات القرآن)

یعنی" ہم سب پیغمبر تنزیل یعنی ظاہری احکام تمہارے پاس لاتے ہیں۔ اس کی تاویل یعنے باطنی احکام آخر زمانہ میں مہدی لائیں گے؟" محققین نے لکھا ہے کہ مہدی علیہ السلام کا عیسیٰ علیہ السلام نے" فارقلیط" کے نام سے ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ وہ تاویل بیان کریں گے۔ چنانچہ شیخ مقتول حکیم شہاب الدین اشراقی" ہیاکل النور" میں لکھتے ہیں۔

" فاتنزیل موکول " الی الانبیا ء و التاویل و البیان موکول " الی المظهر الاعظم الانوری الاروحی الفار قلیط کماا نذرالمسیح حیث قال انی ذاهب الیٰ ربکم لیبعث الیکم الفارقلیط الذی ینبکم بالتاویل ان الفارقلیط الذی یرسله ابی باسمه یعلمکم کل شی و قداشیر الیه فی المصحف حیث قال ثم ان علینا بیانه و ثم للتراخی ."

"یعنے تنزیل انبیاء سے متعلق ہے اور تاویل نورانی اور روحانی مظہر اعظم یعنے فارقلیط کے ذمہ ہے۔ چنانچہ مسیح نے خبر دی ہے کہ میں تمہارے باپ کے پاس جاتا ہوں تا کہ وہ تمہارے فارقلیط کو بھیجے جو تم کو تاویل بتائے گا۔ وہ فارقلیط جس کو میرا باپ فارقلیط کے نام سے بھیجے گا تم کو ہر چیز کی تعلیم دے گا"

قرآن میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو فرماتا ہے۔ ثم ان علینا بیانه" ثم "

تراخی کے لئے آتا ہے۔ علامہ محقق جلال الدین دوانی نے اس کی شرح میں لکھا۔

لفظ" عبرانی " **ومعناه الفارق بین الحق و الباطل والمرا دبه مظهر الولایة التی هی باطن النبوة**

یعنے ''فارقلیط عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں حق و باطل میں فرق کرنے والا اور اس سے مراد ولایت کا مظہر ہے جو باطن نبوت ہے۔ محقق دوانی نے پھر فرمایا۔

''لیعلم من قوله ثم ان علینا بیانه ای تمام الکشف عن حقایق مار نبا ئه من صور الا وضاء المنزلة علی الخاتم و تجرید ها عن ملا بس الصّور بالکلیة متراخ عن زمانه بانه یظهر فی زمان من هو فار قلیط وهو مظهر الولایة الخاصة به ''.

''یعنے خدائے تعالیٰ کے فرمان ثم ان علینا بیانه سے معلوم ہوتا ہے کہ خاتم (نبوت) پر نازل شدہ اوضاع و اطوار کے حقایق کا کامل کشف اور ظاہری لباس سے بے پردہ بیان زمان خاتم (نبوت) سے متراخی ہے اور اس کا ظہور فارقلیط کے زمانہ میں ہوگا جو ولایت خاصۂ محمدیہ کا مظہر ہے''

خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے " **الیوم اکملت لکم دینکم** " میں نے آج تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ احکام نبوت اور احکام ولایت کے مجموعہ کا نام دین ہے اور دین کی یہ تکمیل بلحاظ تنزیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے احکام نبوت یعنی شریعت کو بیان فرمایا اور احکام ولایت کے بیان کو بعثت مہدی علیہ السلام پر موقوف رکھا دین کے ایک حصہ کی تبلیغ رسول اللہ ﷺ نے فرمادی تھی۔ دوسرے حصہ کی تبلیغ مہدی علیہ السلام کے ذریعہ ہوئی جو دین بلحاظ تنزیل مکمل تھا وہ بلحاظ تبلیغ بھی مکمل ہو گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح نبوت و رسالت کا کمال ظہور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے ہوا۔ اسی طرح احکام ولایت محمدیہ کا کامل بیان مہدی علیہ السلام کی ذات پر ختم ہوا۔

ثم ان علینا بیانه سے انہی احکام ولایت کا بیان مقصود ہے۔

☆☆☆☆☆

ترک دنیا

مہدویہ کے پاس ترک دنیا بمنزلہ فرض کے ہے۔اس پر بحث کرنے سے پہلے یہ واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ ترک دنیا کس کو کہتے ہیں۔

دنیا کی نسبت آیات واحادیث میں کیا تصریحات ملتی ہیں۔ترک دنیا کے کیا معنی ہیں۔

کیا ترک دنیا مہدویہ کے مخصوص ہے یا شارع علیہ السلام کی پاک سیرت اور اولیاء وصدیقین کی زندگی کا ضروری جز ہے۔

دنیا کس کو کہتے ہیں: دنیا' دنو سے مشتق ہے جس کے معنی قرب کے بعد اور اسی مناسبت سے حیواۃ دنیا اس حیات فانی کو کہتے ہیں اور آخرت اس عالم کو کہتے ہیں جو موت کے بعد سے تعلق رکھتا ہے۔چنانچہ امام غزالیؒ نے دنیا وآخرت کی یہ مختصر تعریف کی ہے۔

ان الدنیا والاخرۃ عبارۃ عن حالتین ھا القریب الدانی منھا یسمی دنیا وھو کل ما قبل الموت والمتراضی المتاخر یسمیٰ آخرۃ وھو بعد الموت (احیاءالعلوم)

''دنیا وآخرت دو حالتوں سے مراد ہے ان میں سے قریبی حالت کو دنیا کہتے ہیں اور وہ موت سے پہلے تک ہے اور بعد میں آنے والی حالت آخرت ہے جو موت کے بعد سے متعلق ہے''

اس لحاظ سے عموماً دنیا کا اطلاق آخرت کے مقابل ہوتا ہے جیسے دنیا وآخرت۔دنیا کا استعمال دین کے مقابلہ میں ہوتا ہے جیسے دین ودنیا آیات قرآنی سے بھی اس استعمال کی تائید ہوتی ہے۔جیسے فرماتا ہے۔

اولئک الذین حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ وما لھم من ناصرین (آل عمران۲۲)

یہ وہ لوگ جن کے اعمال دنیا وآخرت میں حبط ہوگئے اور ان کا مددگار کوئی نہیں۔

و ذر الذین اتخذو وا دینھُم لعباً ولھوا و غر تھم الحیواۃ الدنیا (الانعام ۷۰)

یعنی''ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب سمجھا اور ان کو

حیات دنیا نے مغرور کر دیا''۔

گویا آخرت یا دین کے ماسوا دنیا ہے۔آدمی کے تمام اعمال وافعال جو اس حیات دنیا میں یا زندگانی دنیا میں صادر ہوتے ہیں وہ پہلی حالت یعنی اس فانی زندگی سے متعلق ہوں تو وہ اعمال دنیوی ہیں جیسے لہو ولعب اور حظِ نفسانی وغیرہ جن میں کوئی غرض دینی واخروی نہ ہو اور اگر دین یا آخرت سے تعلق رکھتے ہوں تو وہ اعمال اخروی یا اعمال دینی ہیں۔ جیسے خالص عبادت جن میں کوئی دنیوی غرض شامل نہ ہو۔تیسرے وہ اعمال وافعال جو بظاہر حیات دنیا سے متعلق ہوں لیکن وہ حکم شارع کی ایناع یا کسی دینی واخروی غرض ونیت پر مبنی ہوں تو وہ بھی خالص دنیوی نہیں بلکہ بظاہر دنیوی اور بباطن دینی و اخروی ہوتے ہیں۔حدیث شریف میں ان تمام اقسام کے اعمال کی جامع تقسیم اوران کے احکام اس طرح بیان ہوئے ہیں۔

الدنیا ملعونہ وملعون فیما الاما کان فیھا اللہ

یعنی دنیا مافیہا ملعون ہے لیکن اس دنیا میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ ملعون نہیں ہے

یہ حدیث محققین صوفیاء کے مستندات سے ہے۔جس سے وہ اکثر مسائل کے استنباط میں استدلال کرتے ہیں۔اس حدیث کے مفہوم ومنشاء کو ملحوظ رکھ کر حسب اختلاف مدارج ومراتب بعض محققین ماسویٰ اللہ کو دنیا کہتے ہیں کسی نے اللہ سے غافل ہونے کو دنیا کہا ہے۔چنانچہ مولانا رومی نے دنیا کی یہ تعریف کی ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بُدن

نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

مولانا روم کی یہ تصریح آیت قرآنی کے مطابق ہے کہ زن وفرزند اور اموال واسباب وغیرہ عین دنیا نہیں بلکہ متاع حیات دنیا ہیں جو غفلت کے اسباب ہیں۔غفلت کے بھی مدارج ہیں۔انتہائی درجہ بقائے خودی وہستی ہے اس لئے کسی کے نزدیک خودی وہستی دنیا ہے۔چنانچہ سہل نستری کا قول ہے کہ **الدنیا نفسک اذا افینتھا فلا دنیا لک**

دنیا تیرا نفس ہے جب تو اس کو فنا کر دے تو پھر تیرے لئے دنیا نہیں

اس کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کی نسبت آیات واحادیث میں کیا تصریحات ملتی ہیں کیوں کہ تمام اسلامی احکام وتعلیمات کا ماخذ اوراصل اصول آیات قرآنی واحادیث' رسالت پناہی ہی ہیں۔ اوران سے جو بات ثابت ہووہ ہرمسلمان کے لئے واجب الاعتقاداورواجب العمل ہے۔ چنانچہ بعض آیات کا اقتباس یہ ہے۔

(۱) **اولئک الذی اشتروا الحیواۃ الدنیا بالاخرۃ فلا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینصرون** (البقرۃ۸۶)

ترجمہ: آخرت کے معاوضہ میں دنیا کومول لینے والے کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔

(۲) **فاما من طغٰی واثر الحیواۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوٰی** (النازعات۳۷۔۳۹)

ترجمہ: جوشخص دنیا کوآخرت پرترجیح دے اس کا مقام جہنم ہے۔

(۳) **بل توثرون الحیواۃ الدنیا والاخرۃخیر وابقی ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسیٰ** (الاعلیٰ۱۶۔۱۹)

ترجمہ: حیات الدنیا کوترجیح دیتے ہوحالانکہ آخرت بہتر ہےاور باقی رہنے والی ہے یہی حکم ابراہیمؑ وموسیٰ کے اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔

(۴) **یعلمون ظاھرا من الحیواۃ الدنیا وھم عن الاخرۃ ھم غافلون** (الروم۷)

ترجمہ: اکثرلوگ صرف ظاہری حیات الدنیا کوجانتے ہیں اورآخرت سے غافل ہیں۔

(۵) **ان الذین لا یرجون لقاء نا ورضوا بالحیواۃ الدنیا واطمانوا بھا و الذین ھم عن آیا تنا غافلون اولئک ماوٰ ھم النار بما کانو یکسبون** (یونس۷،۸)

ترجمہ: جولوگ خدا کے دیدار کے امیدوارنہیں اورحیات دنیا پرراضی اوراسی پرمطمئن ہیں اور خدا کی آیات سے غافل ہیں ان کا مقام ان کے اعمال کے معاوضہ میں جہنم ہے۔

(۶) **فمن الناس من یقول ربنا آتنا فی الدنیا وماله فی الاخرۃ من خلاق** (البقرۃ۲۰۰)

ترجمہ: جولوگ صرف دنیاہی کی بھلائی چاہتے ہیں انکے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

(۷) **قل متاع الدنیا قلیل والاخرۃ خیر لمن اتقیٰ ولا تظلمون فتیلا** (النساء۷۷)

ترجمہ: متاع دنیا آخرت کے مقابلے میں قلیل ہے اور آخرت اس سے بہتر ہے۔

(۸) **أرضیتم بالحیواۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیواۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل** (التوبۃ ۳۸)

ترجمہ: کیاتم آخرت کے بدلے حیات دنیا پر راضی ہوحالانکہ متاع حیات دنیا آخرت کے مقابلے میں قلیل ہے۔

(۹) **وما الحیواۃ الدنیا الا متاع الغرور** (آل عمران ۱۸۵)

ترجمہ: اورحیات دنیا غرور کی پونجی ہے۔

(۱۰) **من کان یرید الحیواۃ الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون اولئک الذین لیس لھم فی الاخرۃ الا النار** (ھود۱۵،۱۶)

ترجمہ: حیات دنیااوراس کی زینت کا جوشخص ارادہ کرے اس کو دنیا میں پورا پورا بدلہ مل جائے گا مگرآخرت میں جہنم کے سواءاس کے لئے کچھ نہیں ہے۔

غرض اس قسم کی آیات جو دنیا کی مذمت پر دلالت کرتی ہیں بہت ہیں۔اوراس کے مقابل دنیا کے راغب یا طالب ہونے کا کوئی حکم نہیں ملتا۔امام غزالی ''احیاء العلوم'' میں لکھتے ہیں کہ دنیا کی مذمت میں بہت زیادہ آیات وارد ہیں اور دنیا کی مذمت اورلوگوں کو دنیا سے پھرانے اور آخرت کی طرف بلانے پرقرآن کا اکثر حصہ مشتمل ہے بلکہ انبیاءعلیہ السلام کی بعثت کی اصلی غرض یہی ہے۔

احادیث رسول اللہ ﷺ کو دیکھو کہ ان میں دنیا کی نسبت کیا تصریح ملتی ہے چند احادیث کا اقتباس یہاں لکھا جاتا ہے۔

کنز العمال میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا سے محبت رکھی اس نے اپنی آخرت کونقصان پہنچالیااور جس نے آخرت سے محبت رکھی اس نے اپنی دنیا کونقصان پہنچایا پس تم باقی رہنے والی آخرت کوفنا ہوجانے والی دنیا پرترجیح دو۔

کنز العمال میں یہ بھی مرقوم ہے جب تک میری امت میں دنیا کی محبت ظاہر نہ ہوگی وہ اچھی رہے گی۔ یہ بھی آیا ہے۔ دنیا کی محبت وہ گناہ عظیم ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کی خواستگاری نہ کرسکیں گے۔ ایک اور موقع پر مرقوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت تمام خطاؤں کا سر ہے اور دنیا کی محبت کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔

جو شخص دنیا میں پڑ گیا اور اپنے کو جہنم میں ڈال دیا۔ جب میری امت دنیا کی عظمت کرنے لگے گی اس سے اسلام کی ہیبت نکل جائے گی۔ اللہ کی قسم مجھے تمہاری فقیری محتاجی کا خوف نہیں ہے لیکن تم پر دنیا کی کشائش ہوجانے کا خوف ہے کہ تم اس کی طرف راغب ہوجاؤ گے جس طرح تم سے پہلے کی امتوں پر دنیا کشادہ ہوگئی تھی اور وہ اس کی طرف راغب ہوگئے تھے پس تم کو بھی دنیا ہلاک کردے گی جس طرح پہلے لوگوں کو ہلاک کردی تھی۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے دنیا کی نسبت جو تصریحات اور احکام ملتے ہیں ان کو نظر کرتے اس سوال کا جواب صاف ہوجاتا ہے کہ ترک دنیا کے کیا معنی ہیں مہدویہ کے نزدیک ان ہی تصریحات واحکام کی تعمیل کا نام ترک دنیا ہے۔ یہ مفہوم عام ظاہری باطنی' ادنیٰ واعلیٰ تمام مدارج کو جو ان احکام سے مستفاد ہورہے ہیں' حاوی ہے۔ متکلمین کے اصول پر دنیا کا ارادہ نہ کرنا اس کو پسند نہ کرنا آخرت پر دنیا کو ترجیح نہ دینا اس سے محبت نہ رکھنا دنیا پر مغرور اور مطمئن نہ ہونا دنیا پر مغرور ہوکر دین کو لہو ولعب نہ سمجھنا' دنیا کو آخرت کے بدلے میں مول نہ لینا یہ سب دنیا ترک کرنے کی شقیں ہیں یا ترک دنیا کے مفہوم کلّی کی جزئیات ہیں۔ یہ سب صورتیں جو آیات واحادیث سے ثابت ہیں اور جو اسلامی تعلیمات کا ضروری جز ہیں ظاہر ہے کہ کسی اہل سنت کے نزدیک بھی غیر مستحسن قرار نہیں دئے جاسکتے۔

اس سے آگے محققین کے اصول پر ترک دنیا کے معنی کی کھوج کی جائے تو ثابت ہوگا کہ ماسوی اللہ کا نام دنیا ہے تو ترک ماسوی اللہ ترک دنیا ہے۔ خدائے تعالیٰ سے غافل ہونا دنیا ہے تو ترک دنیا کے معنی ترک غفلت ہے جس کی طرف آسمانی اشارہ ہے ''**لا تکن من الغافلین**'' تم غافلین میں شامل مت ہوجاؤ۔ خودی وہستی دنیا ہے تو ترک خودی وہستی ترک دنیا ہے۔ اب کوئی ہمیں یہ بتائے کہ ان تمام معنی کے نظر کرتے ہوئے قرآن واحادیث کے منشاء کے مطابق جو شخص اپنی

قابلیت واستعداد کے مطابق کسی بھی درجہ کی ترک دنیا کرے تو اس کو کوئی بھی انصاف پسند غیر مستحسن نہیں کہہ سکتا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا ترک دنیا مہدویہ ہی سے مخصوص ہے یا نہیں۔ اگر ہم ان برگزیدہ ہستیوں کو جنہیں اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ عام اہلِ اسلام میں خاص امتیاز اور تفوق حاصل ہے۔ عام اولیاء کے قطع نظر جن کی تفصیلی حالات بیان کرنا موجب طوالت ہے۔ بعض خاص خاص اور مشہور اولیاء اللہ کے حالات پر غور کیا جائے جن کے ہزاروں لاکھوں اہلِ سنت معتقدین ہیں مثلاً حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ تو ان کے حالات کا جز مشترک یہی پایا جاتا ہے کہ کاروبارِ دنیوی کے تارک اور اہل دنیا سے یکسو اور عبادت وریاضت میں مشغول۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے حالات میں آپ کے ترک دنیا کرنے کا واقعہ محمد حافظ اللہ مولف سوانح خواجہ اجمیری نے اس طرح لکھا ہے کہ آپ کو ترک پدری میں ایک باغ ملا تھا آپ ہمیشہ اسی باغ میں خوش وخرم رہا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت خواجہ شیخ ابراہیم قندوزی مجذوب اس باغ میں تشریف لائے اور اپنی کمبل سے کسی چیز کا ایک ٹکڑا نکال کر اپنے لعاب دہن میں تر کر کے حضرت خواجہ کے منہ میں ڈال دیا جس کے بعد سے آپ کا دل دنیا اور معاملات دنیا سے سرد ہونے لگا۔ اور آخر آپ نے وہ باغ اور تمام مال واسباب راہ خدا میں دیدیا اور طلب خدا میں وطن چھوڑ کر سفر اختیار کیا۔ آپ کا فرمان ہے ''عارف دنیا کا دشمن ہوتا ہے'' عارف وہی ہے جو دنیا سے منہ پھیر لے'' خدا رسی کے لئے اول زنگار دنیا سے آئینہ دل کو صاف کرنا ضروری ہے'' (مظہر عرفان)

حضرت کے اس واقعہ میں ترک دنیا کے صاف الفاظ مذکور ہیں اور آپ کے فرامین میں اس کی ضرورت کا اشارہ جلی طور پر پایا جاتا ہے۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ آپ کے یہ فرامین مستحسن نہیں ہیں

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بعض حالات حضرت ہی کے بیان کردہ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) می فرمودت مدت هست وپنج سال صحرائے عراق وخرابۂ آن اقامت در ندم

(۲) بحالتیکه هیچ کس مرانمی شناخت ومن کسے راشنا ختم

(۳) تامدت چهل سال نماز فجر رابوضوبے عشاء می گذاردم وتا بانز ده سال بعد

از نماز عشاء بریک پا استادہ دست در میخ دیوار زدہ ختم قرآن تا وقت سحر میکردم ' همچنیں دنیا بصورت مختلف جلوہ کردی و عشوہ نمودی گاہ در صورت پری رویے وگاہ پیر جون بیر تند خویے۔ بردیے بانگ می زدم می گریخت

کسی سفر کے اثناء ایک شخص آپ سے ملا اور اپنے واپس آنے تک اسی مقام پر ٹھیرے رہنے کا وعدہ لے کر چلا گیا اور ایک سال بعد آیا اور پھر دوبارہ سہ بارہ یہی کہکر چلا گیا اور آپ تین سال تک وہیں ٹھیرے رہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں'' **ناسہ مرتبہ این چنیں واقع شد نوبت آخر باخود شیرو نان آور دو گفت من خضرم ماسورم۔ باینکہ با تو طعام خورم۔ طعام را نجوردیم پس گفت۔ بر خیز ودر بغداد رفتہ بنشین وترک سیاحت کن۔ پر سلاند کہ درین مدت سہ سال قوت از کجا بود گفت از ہر چہ پیدا می شد سر زمین از یر گھائے درخشاں** وغیرہ (مناقب غوثیہ)

حضرت ابراہیم ادھم نے بادشاہت چھوڑ کر ترک دنیا اور فقیری اختیار کی۔ کوئی بتائے کہ بادشاہت چھوڑ کر انہوں نے کسب معاش کے لئے کونسی سعی کی۔ اور کیا آپ کا یہ عمل غیر مستحسن کہا جا سکتا ہے۔

عام اولیاء اللہ کے علاوہ خود اصحاب رسول میں ایک ایسی جماعت موجود تھی جو تمام کاروبار دنیا کی تارک اور ہمیشہ تعلیم قرآن، تعلیم دین اور عبادت وریاضت میں مشغول رہتی تھی۔ چنانچہ اصحاب صفہ اس زمرہ میں ہیں۔ اصحاب صفہ کے حالات تمام صحابہ کرام اور خود رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں کے روبرو تھے اور کبھی نہ صحابہ نے اور نہ آنحضرت ﷺ نے ان حالات کو غیر مستحسن فرمایا اور اس کے برخلاف ان کے مناقب بیان فرمائے۔ اور ان کے حق میں بشارتیں ملتی ہیں۔ مہدویہ کے پاس عملاً ترک دنیا کا یہی معنی ہے کہ اپنے نبی کریم ﷺ کی اتباع میں ہر مومن دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دے۔ ہمیشہ تبلیغ وتعلیم دین اور اللہ کی عبادت وبندگی میں مصروف رہے بلکہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا وقف کر دے کہ اس کا ہر کام ہر بات للہ ہو بلکہ اس کی نظر میں غیر اللہ کا وجود تک باقی نہ رہے۔

☆☆☆☆☆

ترکِ دنیا رہبانیت نہیں ہے

دنیا کے معنی قرب ونزدیکی کے ہیں۔اسی وجہ سے ہماری اس زندگی کو جوفنا ہوجانے والی ہے حیاتِ دنیا سے اور موت کے بعد جو عالم ہم پر طاری ہوجاتا ہے اس کو آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اسی قرب وبُعد کے معنی کے اعتبار سے خدائے تعالیٰ نے دنیا کو آخرت کے مقابل استعمال فرمایا ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔

اولئک الذین حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ وما لھم من ناصرین (العمران ۲۲)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا وآخرت میں حبط ہوگئے اور انکا کوئی مددگار نہیں''

ہمارے تمام اعمال وافعال جو اس زندگی میں ہم سے صادر ہوتے ہیں' اگر حیٰوۃ فانی سے متعلق ہیں تو وہ اعمال دنیوی ہیں جن میں کوئی دینی غرض نہیں ہوتی۔اگر آخرت سے تعلق رکھتے ہیں تو وہ اعمالِ اخروی یا اعمال دینی کہلاتے ہیں۔اور بعض دینی اعمال بھی جن میں کوئی دینی غرض شامل ہو' اگرچہ بظاہر دنیوی ہیں لیکن در باطن دینی واخروی ہوتے ہیں۔ایک حدیث شریف میں اس کا بہترین فیصلہ اس طرح فرمایا گیا ہے کہ

الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیھا الا ما کان للہ (کنزالعمال صفحہ۲)

یعنی''دنیا اور جو کچھ دنیا میں ملعون ہے مگر اس دنیا میں جو کچھ اللہ کے لئے ہے وہ ملعون نہیں ہے''

اس حدیث کے منشاء ومفہوم کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض محققین نے فرمایا کہ''ماسوی اللہ'' کا نام دنیا ہے۔مولانا روم نے فرمایا ہے کہ خدا سے غفلت کا نام دنیا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل شدن

نے قماش نہ نقرۂ وفرزند وزن

مولانا روم نے ایک آیت سے اس مضمون کو اخذ فرمایا ہے کہ زن وفرزند اور مال ومتاع عین

دنیا نہیں بلکہ متاع حیٰوۃ دنیا ہیں جو غفلت کے اسباب ہیں۔ اگر خدا سے غافل ہو جانا دنیا ہے تو غفلت کے مدارج ہیں۔ غفلت کا انتہائی درجہ ہماری ہستی وخودی کا باقی رہ جانا ہے۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا **ما الدنیا یا رسول اللہ**۔ دنیا کیا چیز ہے تو فرمایا **الدنیا نفسک اذا افنیتھا فلا دنیا لک** دنیا تمہارا نفس ہے بالفاظِ دیگر تمہاری ہستی وخودی کا نام دنیا ہے۔ جب تم اس کو فنا کر دو گے تو پھر تمہارے لئے دنیا نہیں ہے۔

تمام اسلامی احکام کا ماخذ قرآن وحدیث ہیں۔ ان سے جو بات ثابت ہو وہ ہر مسلمان کے لئے واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہے۔ دنیا کے بارے میں بعض آیات کا ضروری اقتباس یہ ہے کہ دنیا لہو ولعب اور زینت وتفاخر اور اموال واولاد کی بہتات اور جلد زائل ہو جانے والی ہے (۲۷۔۹)

حیات دنیا غرور کی پونجی اور سرمایہ ہے (ایضاً)

متاعِ دنیا آخرت کی بہ نسبت قلیل اور آخرت اس سے بہتر ہے (۵۔۸)

تم حیات دنیا پر مغرور مت ہو (۲۱۔۱۳)

جو لوگ صرف حیاتِ دنیا کی بھلائی چاہتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے (۲۔۹)

جو شخص حیات دنیا اور اس کی زینت کا ارادہ کرے تو اس کو دنیا میں پورا بدلہ مل جائے گا۔ آخرت میں اس کے لئے جہنم کے سوا کچھ نہیں ہے (۱۲۔۲)

کتبِ احادیث میں دنیا کی مذمّت اور اس کو اختیار کرنے والے کے بارے میں اس قدر کثرت سے حدیثیں وارد ہیں کہ ان کا استقصاً نہیں ہو سکتا مثلاً فرمایا۔

من تقحم فی الدنیا فھو یتقحم فی النار (کنز العمال ۲)

یعنی ''جو شخص دنیا میں پڑ گیا وہ اپنے کو جہنم میں ڈال دیا''

حب الدنیا راس کل خطیئۃ (ایضاً) ''دنیا کی محبت تمام خطاؤں کا سر ہے''

اکبر الکبار حب الدنیا (ایضاً) ''دنیا کی محبت تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے''

ذنب عظیم لا یسال الناس اللہ مغفرۃ منہ حب الدنیا (ایضاً)

''سب سے بڑا گناہ جس کی مغفرت کی خواستگاری بھی لوگ خدا سے نہ کر سکیں گے وہ دنیا کی محبت ہے''

اس طرح کی بہت سی آیات واحادیث مذمّتِ دنیا میں وارد ہیں۔امام غزالی احیاءالعلوم میں لکھتے ہیں۔

''قرآن مجید میں بہت سی آیتیں دنیا کی مذمت اور لوگوں کو دنیا سے چھڑانے اور آخرت کی طرف بلانے کے بارے میں وارد ہیں۔ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی اصلی غرض بھی یہی ہے''

اہلِ سنت کے دو بڑے گروہ ہیں ایک متکلمین دوسرے محققین۔ یہ دونوں بھی قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔لیکن طریقۂ استدلال جدا ہے۔اور اصطلاحات جدا جدا ہیں۔

دنیا کے بارے میں جس قدر آیات واحادیث وارد ہیں متکلمین کے اصول پر

''دنیا کا ارادہ نہ کرنا' دنیا کو پسند نہ کرنا' آخرت پر دنیا کو ترجیح نہ دینا' دنیا سے محبت نہ رکھنا' دنیا پر مغرور نہ ہونا' دنیا سے مطمئن نہ ہونا' دنیا پر مغرور ہوکر دین کو لہو ولعب نہ بنانا'' یہ سب ترک دنیا کی مختلف صورتیں ہیں۔

محققین کے اصول پر''ماسوی اللہ'' کا نام دنیا ہے تو ماسوی اللہ کو ترک کرنا ترک دنیا ہے۔ اگر خدا سے غافل ہونا' دنیا ہے تو ترک دنیا کے معنی ترکِ غفلت ہوئے۔اسی کی طرف خدائے تعالیٰ اشارہ فرمارہا ہے''**ولاتکن من الغافلین**''تم غافلین سے نہ ہوجاؤ۔اگر خودی وہستی دنیا ہے تو ترک ہستی وخودی کا نام ترک دنیا ہے۔

اہل ظاہر اور اہل باطن کی اصطلاحات سمجھنے کے بغیر ان پر اعتراض کرنے کی غلطی نہیں کرنی چاہئے۔بعض لوگوں نے ترک دنیا کا معنی ومطلب سمجھنے کے بغیر ترک دنیا کو رہبانیت سمجھا' حالانکہ متکلمین ومحققین دونوں کے اصول پر ترک دنیا کو رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔فطری قوتوں کو معطل کردینا کسی عضو کو بے حس وبیکار کردینا خصّی وغیرہ ہوجانا' رہبانیت ہے۔لیکن اپنی فطری قوتوں کو جائز طریقہ سے استعمال کرنا اور ناجائز طریقوں سے پرہیز کرنا دنیا کو ہیچ اور دین کو اہم سمجھنا' دنیوی آسائش وزینت سے الگ ہوکر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے عبادت وریاضت میں مشغول رہنا۔رہبانیت نہیں ہے۔ بلکہ علمائے متکلمین کی اصطلاح میں اس کو زہد فی الدنیا کہتے ہیں اور محققین کے پاس ترک غفلت اور ترکِ خودی کا نام ترک دنیا ہے۔مہدویہ کے پاس بھی رہبانیت ناجائز ہے۔وہ فرمان نبوی **لا رھبانیۃفی الاسلام** کے سب سے زیادہ عامل ومعتقد ہیں۔مہدویہ

کے پاس ترک دنیا کا مفہوم متکلمین یا اہل ظاہر کی اصطلاح میں زہد فی الدنیا ہے۔ اور محققین یا اہل باطن کی اصطلاح کے موافق ترک دنیا کے معنی ترک غفلت یا ترک ہستی وخودی کے ہیں جس کے بغیر وصول الی اللہ ممکن نہیں ہے۔

یہ ترک دنیا مہدویہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ جس طرح امام غزالی نے فرمایا ہر پیغمبر دنیا سے نفرت دلانے کے لئے مبعوث ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد تبلیغ دین اور عبادت وریاضت میں مشغول رہے اور اپنے ضروریات کو خدا پر سونپ دیا۔ تجارت وزراعت میں مصروف تھے نہ ملازمت میں۔ نہ کسی پیشہ سے سروکار تھا اور ''مالی وللدنیا'' (مجھے دنیا سے کیا واسطہ) فرمایا۔ خلفائے راشدین کا ہر قدم جن کی خلافت منہاج نبوت پر تھی للّٰہیت پر اٹھا انہوں نے جو کچھ کیا وہ دین ہی دین تھا۔ کسی صحابی کے پاس مال ومتاع زیادہ تھا تو دنیائے محمود اور دنیائے مذموم کے فرق کو فراموش نہ کرنا چاہئے۔ ان کا مال ان کا زادِ آخرت تھا۔ خلافت راشدہ کے بعد جب مذہب اور سیاست الگ الگ ہوگئے تو ایک خالص مذہبی جماعت جس کو اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے نام سے تمام مسلمان اپنا رہبر ورہنما سمجھتے ہیں۔ اسی طریقہ پر گامزن رہی۔ تذکرہ الاولیاء کو پڑھئے یہ سب ہی بزرگ دنیا کو ترک کرتے اور کراتے رہے ان کی غرض نیک تھی وہ خدا کے طلب میں دنیا کو چھوڑتے تھے۔ چونکہ دنیا ادنیٰ اور آخرت اعلیٰ ہے۔ ترکِ ادنیٰ اور اختیار اعلیٰ کا اصول ان کے پیش نظر تھا۔ مثال کے طور پر صرف ایک حوالہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ جب کسی مرید کو خلافت عطا کرتے تو رخصت کے وقت یہ وصیت فرماتے تھے۔

باید کہ تارک دنیا باشی بسوئے دنیا دار یاب دنیا مائل

نہ شوی وہ قبول نہ کنی وصیلۂ بادشاہاں نہ گیری

یعنی'' ترک دنیا کرو۔ دنیا اور اہل دنیا کی طرف مائل نہ ہوں۔ جاگیر قبول نہ کرو اور بادشاہوں سے انعام واکرام نہ لو''

کیا اولیاء اللہ کی اس تعلیم کو غیر اسلامی' شریعت کے خلاف اور رہبانیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔؟ مہدویہ بھی بفضل وتوفیق الٰہی جب طلب خدا میں قدم رکھتے ہیں تو اس کے سوا کیا کہتے ہیں اور

کیا کرتے ہیں؟ صرف ان پر رہبانیت کا طعن وطنز کیوں؟

نہ من تنہا در ین میخانہ مستم جنید وشبلی وعطار شد مست

ترک دنیا کی اس اصولی بحث کے بعد ترک دنیا کے متعلق مہدویہ کا جو مسلک ہے اور جن اصول پر مبنی ہے مختصر طور پر اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

من کان یرید الحیوٰۃ الدنیا و زینتھا نوف الیھم اعمالھم وھم فیھا لا یبخسون اولٰئک الذین لیس لھم فی الآخرۃ الا النار (ھود ۱۶.۱۵) یعنی ''جو لوگ حیات دنیا اور اس کی زینت کے طالب ومرید ہیں تو ہم ان کو دنیا ہی میں ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیتے ہیں اور وہ خسارہ میں نہیں رہتے۔ آخرت میں ان کے لئے دوزخ کے سوا کچھ نہیں ہے''

خدائے تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں صاف ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا کی زندگی کے خواہشمند ہیں تو آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ امامنا حضرت مہدی علیہ السلام نے بیان قرآن کے وقت کلمہ ''من'' کو عام رکھا۔ ایک ملا صاحب نے عرض کیا کہ مفسرین نے اس کو کفار سے خاص کیا ہے۔ فرمایا خدائے تعالیٰ من (جو شخص) مطلق فرمایا ہے اور میں بھی مطلق کہتا ہوں' جو مرید دنیا ہوگا جس میں یہ صفت پائی جائے گی وہ اس حکم میں داخل ہے۔

ایک اور جگہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

فاما من طغٰی و اثر الحیوٰۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوٰی (النازعات ۳۷'۳۸'۳۹)

یعنی ''جس نے طغیان کیا اور دنیا کی زندگی اختیار کی تو اس کا مقام دوزخ ہے''

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے طالب دنیا' مرید دنیا اور حیات دنیا کو اختیار کرنے والے کے لئے دوزخ کی وعید (دھمکی) دی ہے۔ پس حیات دنیا کا ارادہ کرنا' اس کو اختیار کرنا' اس کو آخرت پر ترجیح دینا موجبِ دخول دوزخ ہے۔ اور جو چیز موجب دخول دوزخ ہے اس کو ترک کرنا یقیناً فرض ہے پس ترک دنیا فرض ہے۔ ایسی بہت سی آیتیں مذمت دنیا میں وارد ہیں انہی آیات کی بناء پر امامنا مہدی موعود علیہ السلام نے ترک دنیا کو فرض فرمایا ہے۔

اسی طرح خدائے تعالیٰ فرماتا ہے **من کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً** (الکھف ۱۱۰)

یعنی ''جو اپنے پروردگار کے دیدار کا آرزومند ہے تو اس کو چاہئے کہ عملِ صالح کرے''

اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے اپنے دیدار کو عمل صالح پر موقوف فرماتا ہے اور امام خیر الانام داعی الی اللہ علی بصیرۃ خلیفۃ اللہ امام آخر الزماں حضرت مہدی علیہ السلام نے بحکم خدا ارشاد فرمایا کہ عمل صالح سے ترکِ ہستی وخودی مراد ہے۔ اسی کا نام ترک دنیا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف خدائے تعالیٰ نے اشارہ فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد ہوا کہ ''لن ترانی'' تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ یعنی جب تک تم ہیں یعنی تمہاری ہستی وخودی باقی ہے تم مجھے نہ دیکھو گے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر دیدار خدا محال ہوتا تو یوں فرماتا ''لن اریٰ'' میں دیکھ نہیں سکتا یا میں دیکھا نہیں جاتا بلکہ لن ترانی فرمایا یعنی کسی علت کی وجہ سے تم دیکھ نہیں سکتے۔

اس کے علاوہ کلام عرب میں لفظ ''لن'' صرف نفی مستقبل کے لئے ہے تائید کے لئے نہیں اس کے معنی میں ہمیشگی نہیں ہے اس کے یہ معنی کرنا کہ تم مجھے کبھی نہ دیکھو گے جس طرح معتزلہ اور امامیہ کا خیال ہے صحیح نہیں۔ عربیت کے خلاف ہے۔

پس ترک دنیا سے ہمارے پاس اہل ظاہر کی اصطلاح میں ''زھد فی الدنیا'' اور اہل باطن کی اصطلاح میں ''ترک ہستی وخودی'' دونوں مراد ہیں کیونکہ جس طرح ترک دنیا (ترک ہستی وخودی) فرض ہے اسی طرح متاعِ دنیا کو ترک کرنا بھی فرض ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

'' زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذلک متاع الحیٰوۃ الدنیا واللہ عندہ حسن المآب (العمران ۱۴)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''لوگ عورتوں، بچوں، سونے، چاندی، گھوڑوں، مویشی اور کھیت باڑی کے فریفتہ ہیں۔ یہ تو حیات دنیا کی متاع ہے اور اللہ کے پاس بہترین ٹھکانہ ہے''

مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں سے فلاحیت حاصل نہیں ہوتی، ان سے چند روز فائدہ اٹھالیا جاسکتا ہے۔ یہ فنا ہونے والی چیزیں ہیں۔ خدا کا قرب اور بہترین ٹھکانہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس سے پرہیز کرو اور صراحت فرمایا کہ ان کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتیں دائمی اور بہترین ہیں۔ حاصل مطلب

یہ ہے کہ اگر سالک اور طالب خدا متاعِ دنیا میں مشغول رہے تو یہ اشتغال موجب غفلت ہوگا اور جو چیز خدا سے غافل کردے وہ حرام ہے۔ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ موجباتِ غفلت سے احتراز کرنا رہبانیت نہیں ہے۔ رہبانیت میں طبعی خواہشوں کو ترک کیا جاتا ہے اور طبعی خواہشوں کا ترک محال بھی ہے اور قانونِ قدرت کے خلاف بھی۔ شریعتِ محمدیہ نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور ترک دنیا میں طبعی خواہشوں کو نہیں بلکہ ارادی خواہشوں کو ترک کیا جاتا ہے اور اس سے غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ طالب خدا کو غیر خدا سے محبت نہ ہونے پائے' اس کا ہر کام خدا کے لئے ہو۔ اور نفسانی خواہشوں سے یکسو ہوکر خلوت وجلوت میں اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی حکم دیا ہے فرماتا ہے وتبتل الیه تبتیلا یعنی پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہوجاؤ۔ عزلت کی فرضیت بھی اسی آیت سے ثابت ہے۔

ترک دنیا کی حقیقت سے ناواقفیت کی بناء پر بعض لوگوں نے دھوکا کھایا اور اس کو رہبانیت کہدیا۔ اور مہدویہ کے پردہ میں ہزاروں اولیائے امت محمدیہ کی شان میں گستاخی کی۔ جنہوں ے اپنی اپنی حیثیت کے موافق حضرت رسول کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کی۔ پس مہدویہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ ان میں جو لوگ اپنے کو طلب خدا کے لئے خاص کرلیتے ہیں۔ ان کی ترک دنیا انہی اولیاء اللہ کی پاک زندگی کا نمونہ ہے۔ اور وہ اپنے عمل میں اتباع رسول اللہ ﷺ کے دامنِ اقدس سے وابستہ ہیں۔ اور جو مہدوی اس عمل میں قاصر ہیں تو اس سے ضرور توبہ کرتے ہیں یعنی اگر اعلیٰ مدارج ترک دنیا پر فائز نہ ہوئے ہوں یا عملاً ترکِ دنیا سے قاصر ہوں تو اپنی عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں ترک دنیا کا ضرور اقرار کرکے اپنے قصورِ عمل کی تلافی یا توبہ کرلیتے ہیں۔

بعض لوگ مہدویہ کے آخری وقت کی ترک دنیا پر بھی معترض اور اس کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ توبۃ النصوح یعنی توبۂ خالص ہے۔ شرعی ضابطہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جس کام کا حکم دیا ہے۔ اور جس سے منع فرمایا ہے اس پر دل سے ایمان لانا' زبان سے اقرار کرنا اور عمل بالارکان ضروری ہے۔ مثلاً خدائے تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور شراب پینے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے نماز کی فرضیت اور شراب کی حرمت پر دل سے ایمان لانا' زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے۔ ورنہ اس پر کفر کا اطلاق ہوگا اور اس ایمان قلبی اور اقرار زبانی کے موافق اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ یعنی

نماز پڑھنے اور شراب سے احتراز کرے۔فرضیت اور حرمت کے اس اعتقاد کے بعد بھی اگر نماز ترک کردے اور شراب کا استعمال کرے تو یہ قصورِ عمل ہے۔اس کی تلافی توبہ سے ہوسکتی ہے اور توبہ کا وقت آخر عمر تک ہے۔ مثلاً ترک نماز کی توبہ یہ ہے کہ نماز شروع کردے اور آئندہ نماز پڑھنے کا عہد کرے۔شراب پینے کی توبہ یہ ہے کہ شراب چھوڑ دے اور آئندہ نہ پینے کا عہد کرے۔اسی طرح دنیا کے بارے میں خدا اور رسول نے جو کچھ حکم دیا ہے اس کی جس قدر مذمت کی ہے اور اس کے اختیار کرنے پر عذاب کی وعید فرمائی ہے اس پر ہر مومن کو ایمان بالجنان' اقرار باللسان اور عمل بالارکان ضروری ہے۔ اگر ایمانِ قلبی' اقرار لسانی کے بعد عمل میں قاصر ہے تو اس سے توبہ ضروری ہے اور انہماک فی الدنیا سے توبہ کا وقت بھی دوسرے نواہی کی طرح آخر عمر تک ہے۔اسلئے اگر کوئی مہدوی ترک دنیا سے عملاً قاصر ہو تو اپنی عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں ترک دنیا کا عملاً اقرار کر کے اپنے قصورِ عمل کی تلافی کر لیتا ہے۔اور خدا و رسول کے حکم کے موافق تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر دنیا سے اس طرح رخصت ہوتا ہے کہ متاعِ دنیا سے اس کے پاس کوئی چیز نہ رہے۔

امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں عائشہ صدیقہؓ کے پاس سات دینار رکھوائے تھے۔اور وفات سے پہلے ان کو صدقہ کر دینے کا تین مرتبہ حکم دیا تھا۔پھر آپ پر غشی طاری ہوگئی اور دینار صدقہ نہ ہو سکے۔ہوش آیا تو ان دیناروں کو طلب کر کے اپنے دستِ مبارک میں رکھا اور فرمایا محمدؐ اپنے پروردگار سے کیا گمان کر سکتا ہے کہ اگر وہ ایسی حالت میں خدا کے پاس چلا جائے کہ یہ دینار اس کے پاس موجود ہیں (مدارج النبوۃ) پس اگر کوئی مہدوی ترک دنیا کے اعلیٰ مدارج پر فائز نہ ہو سکے اور آخر وقت بھی ارادۂ دنیا اور اشتغال فی الدنیا سے توبہ کر لے تو وہ اپنے اس عمل میں بھی اپنے رسول مقبول کی اتباع میں حضرت کے دامن اقدس سے وابستہ ہے۔ جو لوگ مہدویہ کی آخر وقت کی ترک دنیا کو غیر ضروری سمجھتے اور اس پر مضحکہ اڑاتے ہیں ان کو اسوہ حسنہ رسول اللہ ﷺ سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

اس کے علاوہ حدیث شریف کی رو سے حُبِّ دنیا تمام گناہوں کا سر ہے تو جب وہ آخرِ وقت ہی سہی ترک دنیا کرتے ہیں تو گویا اپنے صغیرہ و کبیرہ سب گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔اعتراض کرنے

والے مرکر دنیا کو چھوڑتے ہیں اور جبراً وقہراً چھوڑتے اور ایک مہدوی توبہ خالص کر کے اپنے رسول اکرم کی اتباع میں دنیا کو چھوڑ کر مرتا ہے۔

ترک دنیا کے ظاہری الفاظ کے علاوہ غالباً فقرائے گروہ مہدویہ کے ترکِ کسب کی وجہ سے بھی ترک دنیا پر رہبانیت کا غلط قیاس قائم کرلیا گیا ہے حالانکہ توکل کے اعلیٰ ترین مرتبہ کے حصول کے لئے بحکم قرآنی '' **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ** '' (جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کے لئے کافی ہے) اور باتباع رسولِ مقبول' کسب کو ترک کیا جاتا ہے۔ پہلے بھی اس پر گفتگو کی گئی ہے۔ اب ذرا تفصیلی بحث کی جاتی ہے۔

اسلام میں کسب جائز ہے اور حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے کسب کی اجازت دی ہے اور نیز حضرت سے عرض کرنے پر کہ ایک شخص بغیر کسب معاش کے مفلس ومحتاج ہی رہ کر ترک دنیا کرتا ہے اور ایک شخص کسب کر کے مالداری کے بعد دنیا کو چھوڑتا ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ فرمایا زمین وآسمان کا فرق ہے۔ جس قدر مال ودولت چھوڑے گا اسی قدر زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ اس ارشاد صداقت بنیاد کی بناء پر حضرت کے خلفِ ارشد جانشین وخلیفۂ اول آقائے مہدویہ بندگی میراں سید محمود ثانی مہدیؓ نے اس پر عمل فرمایا ہے۔ اور آج بھی سب مہدوی کسب کو جائز سمجھتے اور اس پر عمل پیرا ہیں بلکہ حسبِ احکام شرع شریف' سوال وگداگری کے مقابلہ میں کسب حلال کو اولیٰ وافضل سمجھتے ہیں۔ بھیک مانگنے والے کے لئے' اپنا بوجھ دوسرے پر ڈالنے والے کے لئے نکما اور اپاہج بن کر بیٹھ جانے والے کے لئے کسبِ حلال نہ صرف جائز بلکہ فرض ہوجاتا ہے۔ حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ کسب فرض ہے وہ اسی مقام کا حکم ہے۔ لیکن جو متوکل علی اللہ ہوتا ہے اللہ کے وعدۂ رزاقیت '' **ما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا** '' (زمین پر ہر چلنے والے کا رزق اللہ پر واجب ہے) پر بھروسہ رکھتا اور اپنی ضروریات کو خدا پر سونپ کر خدا کی طلب اور ذکر وفکر' ریاضت ومجاہدہ میں رہتا ہے اس کے لئے کسب ضرور ادعائے خدا طلبی اور توکلِ تام کے خلاف ہے۔

پس مردِ مومن کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت یہ ہے کہ ان نے طلب خدا میں لوازماتِ طلب (یعنی فرائض ولایت) پر عمل کرنے کا عہد کر چکا ہے جن کے من جملہ توکل تام بھی اس کا ایک

لازمہ ہے ہماری قومی اصطلاح میں اس شخص کو تارک الدنیا کہتے ہیں۔اس کے لئے کسب جائز نہیں ہے بلکہ توکل کے اعلیٰ درجہ پر قدم رکھنا اس پر لازم و متحتم ہے۔مرد مومن کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ ابھی خدا طلبی کا عہد نہیں کیا ہے' قاصر العمل ہے۔لیکن یقین جازم رکھتا ہے کہ جب توفیق ایزدی شامل حال ہوگی تو حسبِ فرمان مہدی علیہ السلام ترک دنیا کر کے خدا طلبی کا عہد کرے گا۔اس کے لئے کسب جائز ہے۔

ذاتِ پاک سرورِ کائنات علی التحیۃ والتسلیمات میں یہ دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔ عطائے نبوت سے پہلے چالیس سال کی عمر تک کسب حلال سے قوتِ لابدی حاصل فرمایا۔اجرت لے کر اہل مکّہ کی بکریاں چرائیں' فرمایا''**کنت ارعاھالاھل مکۃبالقرار یط**''(کنز العمال) یعنی چند قیراط لے کر اہل مکہ کی بکریاں چراتا تھا۔پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی ملازمت کی اور ان کی طرف سے تجارت کرتے رہے۔لیکن نبوت پر فائز ہونے کے بعد سے وفاتِ شریف تک اپنی ذاتِ اقدس کو صرف تبلیغ دین' رشد وہدایت اور عبادت وریاضت کے لئے وقف کر دیا اور اپنے تمام ضروریات کو خدائے قادر و توانا پر سونپ دیا۔تجارت' زراعت' ملازمت یا کسی پیشہ میں اپنے اوقاتِ عزیز کو صرف نہیں فرمایا۔متواتر تین دن کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔اور گھر میں دو دو مہینے تک چولھے میں آگ نہیں سُلگتی تھی۔آپ نے ارشاد فرمایا۔

مااوحی الی ان اجمع المال و اکون من التاجرین ولکن اوحی الی ان سبح بحمد ربک وکن من الساجدین واعبدربک حتی یاتیک الیقین (اشعۃ اللمعات)

یعنی''مجھ پر یہ وحی نہیں کی گئی ہے کہ میں مال جمع کروں اور تاجر بنوں بلکہ یہ وحی کی گئی ہے کہ محمد! تم اپنے پروردگار کی تسبیح کرو اس کی حمد وثنا بیان کرو اور ساجدین سے بن جاؤ اور وقتِ موت تک اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو''

غرض رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ پاک ان دونوں حیثیتوں کی جامع ہے۔یعنی قبل نبوت تو کچھ کسب فرمایا' اور بعد نبوت صرف تبلیغ دین اور عبادت وریاضت میں مصروف رہے' اصحاب صفہ جو

قریباً پانچسو تھے صرف اللہ کے ہوکر رہ گئے تھے کسب حلال کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے تھے۔ اولیاء کرام صوفیائے عظام جنہوں نے خدا طلبی اور رشد وہدایت کو لازم کرلیا تھا' رسول اللہ ﷺ کی اسی دوسری حیثیت کی اتباع کی ہے۔ انبیائے سابقین کے بارے میں یہ غلط فہمی پیدا کی جاتی ہے کہ فلاں نبی فلاں پیشہ کرتے اور فلاں نبی فلاں کسب کرتے تھے۔ حالانکہ یہ سب حالات نبوت سے پہلے کے ہیں۔ عطائے نبوت کی عمر چالیس سال ہے۔ ممکن ہے قبل نبوت کچھ نہ کچھ پیشہ یا کسب کرتے ہوں گے۔ مگر منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد کسب معاش کے ذرائع ترک کرکے خدائے تعالیٰ پر توکل کرنا اور اس کی رزاقیت پر بھروسہ کرنا انبیاء علیہم السلام کا دستور رہا ہے اور یہی سنتِ انبیاء ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے جب رسول اللہ ﷺ نے بعد نبوت' زراعت' تجارت اور کسی معین آمدنی کو ترک کرکے اپنی ذات اقدس کو خدا پر سونپ دیا تھا تو یقیناً انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی عمل تھا۔ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کوئی روایت اس کے خلاف پائی جائے کہ وہ بعدِ نبوت بھی کسب کرتے تھے تو درایتاً ساقط الاعتبار ہے۔

حضرت مہدی علیہ السلام سے علماء نے سوال کیا کہ آپ کسب کو حرام کہتے ہیں۔ فرمایا مومن کے لئے کسب جائز ہے' قرآن مجید میں دیکھو کہ مومن کس کو کہتے ہیں۔ حضرت کے فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن وہی ہے جو خدائے تعالیٰ کو رزاقِ مطلق اور معطی حقیقی سمجھے' خدا پر سے نظر نہ اُٹھے اور اپنے کسب اور ذریعۂ معاش پر اس کو بھروسہ نہ ہو۔ اس کے لئے کسب جائز ہے۔ اس جائز صورت سے ایک اور افضل واعلیٰ مقام توکل تام اور تسلیم ورضا کا ہے جس کو انبیاء علیہم السلام اور سید المرسلین' خاتم النبیین ﷺ نے اختیار کیا اور بعدِ نبوت جس پر عمل فرمایا۔ مہدوی اگر کسب کرتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام اور حضرت افضل الانبیاء ﷺ کی قبل بعثت کی اتباع ہے۔ اور اگر طلبِ خدا میں کسب ترک کرتے ہیں تو بعدِ بعثت کے عمل یعنی توکل کامل اور تسلیم ورضا کی متابعت ہے۔

ایک اور سوال کے جواب میں کہ آپ علم پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس چیز سے رسول اللہ ﷺ نے منع نہیں فرمایا' بندہ اس سے کسی طرح منع کرسکتا ہے۔ فرمایا نصِ قرآن یعنی خدائے تعالیٰ کے حکم سے ذکر اللہ (ذکر خفی جس سے سالک کی ہستی وخودی فنا ہوتی اور وہ

فنا فی اللہ وبقا باللہ کے مرتبۂ علیا پر فائز ہوتا ہے) فرض ہے۔ اور جو چیز مانع ذکر اور موجبِ غفلت ہے حرام ہے۔ خواہ کسب ہو' مخلوق کے ساتھ اختلاط ہو' کھانا' پینا' سونا ہو سب حرام ہے۔'' حضرت مہدی علیہ السلام کے اس فرمان صداقت نشان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ طالبِ خدا ہمیشہ اللہ کا ذکر کرے اور کسی وقت اللہ سے غافل نہ رہے۔ کسب پر موقوف نہیں جو چیز مانع ذکر اور موجبِ غفلت ہے حرام ہے۔

مختصر یہ کہ اگر مہدوی منہیات شرعیہ مثلاً سوال وغیرہ سے بچنے کے لئے کسب کرتے ہیں تو جائز ہے۔ اگر حصولِ ثواب کے لئے یعنی زیادہ مال ومتاع چھوڑ کر رجوع الی اللہ کا قصد ہے تو تب بھی جائز ہے۔ جس کی طرف امام ہمام مہدی علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ مفلس و مالدار کی ترک دنیا میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ لیکن ان طالبانِ خدا اور مدعیانِ توکل کے لئے جو راہِ سلوک ومعرفت پر گامزن ہیں اور خدا کی طلب میں دنیا کو ترک کرنے کا عہد کر چکے ہیں' کسب حلال بھی منافی توکل اور ادعائے خدا طلبی کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی عمل تھا' اصحاب صفہؓ اور اولیائے پیشیں نے اسی سنتِ رسول کی اتباع کی اور حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام نے اسی اسوۂ حسنہ رسول اللہ ﷺ کو زندہ فرمایا۔ آج گروہ مہدویہ کے فقراء اپنے رسول کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں اور اسی اتباعِ رسول مقبول کا دوسرا نام ترکِ دنیا اور فقیری ہے۔ اور اسی کو احادیث میں زہد فی الدنیا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کو رہبانیت' بیکاری' اپاہج بن کر بیٹھ جانا' اسلام کے مغائر اور شریعت کے خلاف کہنا صحیح نہیں ہے۔ فقط

☆☆☆☆☆

عزلت از خلق

فرائضِ ولایت میں طالب خدا کے لئے عزلت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔حضرت امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مصدقین پرنصِ قرآن سے عزلت کوفرض فرمایا ہے۔خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں ارشادفرماتا ہے۔

واذکرُ اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا(مزمل ۸)

یعنی ''محمدؐ اپنے پروردگار کا ذکر کرتے رہو اور سب سے ٹوٹ کر اللہ ہی کے ہو رہو''

عربی زبان میں تبتل اور تبتیل دونوں مصدر ہیں اور لغت میں دونوں کا ایک ہی معنی ہیں۔

از دنیا بریدن بجهت خدائے تعالیٰ(صراح)

یعنی ''خدائے تعالیٰ کے لئے دنیا سے الگ تھلگ ہوجانا''

امام بغوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

التبتل رفض الدنیا وما فیھا والتماس ما عند اللہ

یعنی ''تبتل'' کے معنی دنیاومافیھا کوچھوڑنے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس کوطلب کرنے کے ہیں''

امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں علماء کے یہ اقوال نقل کرتے ہیں کہ

قال الفراء یقال للعابد اذا ترک کل شئی واقبل علی العبادۃ قد تبتل ای انقطع عن کل شئی الی امر اللہ وطاعتہ وقال زید بن اسلم التبتل رفض الدنیا مع کل فیھا والتماس ما عند اللہ

یعنی ''فراء کا قول ہے کہ عابد جب ہر چیز کو چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہوجاتا ہے تو کہتے ہیں قد تبتل یعنی عابد ہر چیز سے روگرداں ہوکر خدائے تعالیٰ کے حکم اور اس کی عبادت کی طرف متوجہ ہوگیا ہے۔ اور زید بن اسلم کا قول ہے کہ دنیاومافیھا کوترک کرکے جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس کوطلب کرنا تبتل ہے''

قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ وتبتل الیه تبتیلا کے معنی یہ ہیں کہ

وانقطع الیه بالعباده وجدد نفسک عما سواه یعنی'' خدائے تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ محمد صلعم! غیر خدا سے منقطع ہوکر اللہ کی عبادت میں لگے رہو اور اپنی ذات کے ماسوی اللہ سے الگ کرلو''

تفسیر طبری میں لکھا ہے۔ **انقطع الیه انقطاعا لحوائجک وعبادتک دون سائر الاشیاء غیر وهو من قولهم تبتلت هذا الامر ''ومنه قیل لا عیسیٰ بن مریم العقول لا انقطاعها الی الله ویقال للعابدا لمنقطع عن الدنیا واسبابها الی عبادة الله ''قد تبتل''**

یعنی''تبتل الیه تبتیلا'' کے معنی یہ ہیں کہ محمد صلعم اپنی ضروریات اور عبادت دونوں کے لئے بھی غیر اللہ سے منقطع ہوکر اللہ کی طرف متوجہ ہوجاؤ۔عرب اپنے محاورہ میں کہتے ہیں۔'' **تبتلت هذا الامر** ''یعنی میں سب سے منقطع ہوکر اللہ ہی کا ہورہا ہوں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم علیہا السلام کو اسی وجہ سے بتول کہا جاتا ہے کہ وہ غیر اللہ سے منقطع ہوکر اللہ ہی کی ہورہی تھیں۔اور اس عابد وزاہد کو بھی جو دنیا اور اسباب دنیا سے منقطع ہوکر اللہ کی عبادت میں مشغول ہے۔کہا جاتا ہے کہ **قد تبتل** یعنی فلاں شخص منقطع الی اللہ یعنی عزلت گزیں ہوگیا ہے **قد تبتل ای قطع کل شئی الا امر الله وطاعته وقیل لفاطمةؓ البتول لا نقطامها عن نساء اهل زمانها ونساء الامة عفا فاوفضلا وینا وحسبا وقیل لا نقطاعها عن الدنیا الی الله وبها سمیت میرم البتول ویقال لها ذٰلک لترکها التزویج**

یعنی'' محمد ﷺ ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے رہو اور کامل طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہوجاؤ۔ تبتل کے اصل معنی دنیا سے منقطع ہوکر اللہ کی طرف متوجہ ہوجانے کے ہیں۔آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ خالصاً مخلصاً اللہ ہی کے ہورہو عابد جب ہر چیز کو ترک کردیتا اور عبادت میں مشغول ہوجاتا ہے تو کہتے ہیں'' **قد تبتل** ''یعنی اللہ کے امر وطاعت کے سوا سب کو چھوڑ دیا ہے۔حضرت فاطمہؓ کو اسی لئے بتول کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں بلکہ امت محمدیہ کی تمام عورتوں سے عفت وفضیلت اور دین وحسب کے اعتبار سے ممتاز اور منقطع الی اللہ تھیں اور اسی وجہ سے مریم صدیقہ علیہا السلام

کو بھی بتول کہا جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ انہوں نے عقد نکاح کو ترک کر دیا تھا''

امام ابوالبرکات نسفی مدارک التنزیل میں لکھتے ہیں:

وتبتل الیه ای انقطع الی عبادته من کل شئی والتبتل الانقطاع الی الله تعالیٰ بتامیل الخیر منه دون غیره وقیل رفض الدنیا وما فیها والتماس ما عند الله

یعنی'' آیت کریمہ **تبتل الیه** کے معنی یہ ہیں کہ محمد صلعم ہر چیز سے منقطع ہو کر اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جایئے۔ تبتل کے معنی ہیں سب سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا اور صرف اللہ سے خیر کی امید رکھنا' بعض لوگ کہتے ہیں کہ تبتل کے معنی دنیا و مافیھا کو چھوڑ دینے اور جو کچھ (نعمات اُخروی سے) اللہ کے پاس ہے اس کو طلب کرنے کے ہیں''

مفسر محقق عبدالرزاق کاشانی نے تفسیر تاویلات میں فرمایا۔

وانقطع الی الله بالاعراض عما سوی الله انقطاها تاما یعنی'' **تبتل الیه تبتیلا** '' کے معنی یہ ہیں کہ محمد صلعم خدا کے سوا ہر چیز سے بالکل علیحدہ ہو کر منقطع الی اللہ یعنی عزلت اختیار کر لیجئے''

مفسرین کی ان تصریحات سے ثابت ہے کہ تبتل (عزلت) کے معنی انقطاع الی اللہ اور رفض الدنیا و مافیہا کے ہیں یعنی سب سے ٹوٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا یا دنیا و مافیھا کو چھوڑ دینا۔ دنیا کو چھوڑنے کے معنی محبت دنیا چھوڑنے کے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ **حب الدنیا راس کل خطیئة** یعنی دنیا کی محبت تمام گناہوں کی اصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر گناہ اسی محبت دنیا کی وجہ سے سرزد ہوتا ہے۔ پس تبتل یا عزلت کے معنی حُبِّ دنیا کو ترک کرنے کے بھی ہیں۔ دنیا کی محبت متاعِ دنیا کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لہذا متاع دنیا اور حیات دنیا (ہستی و خودی) کو چھوڑنے کو مختصراً رفض الدنیا یا ترکِ دنیا کہا جاتا ہے۔

خدائے تعالیٰ نے صیغۂ امر سے ارشاد فرمایا ہے کہ'' **تبتل الیه**'' اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اصول فقہ کا ضابطہ یہ ہے کہ جب صیغۂ امر بلا قرینۂ مانعہ واقع ہوتا ہے تو اس سے فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ پس تبتل یعنی عزلت فرض ہے۔ صاحب مدارک نے فرمایا'' **وفی اختلافِ المصادر زیادة تاکید**'' یعنی خدائے تعالیٰ نے تبتل کا حکم دیا اور اس کو مصدر سے موکد فرمایا نزاکت یہ ہے کہ **تبتل الیه تبتیلا**

فرماتا تو تاکید ہوتی لیکن دوسرا مصدر تبتیلاً فرمانے میں تاکید مزید مقصود ہے۔غرض اس آیت سے عزلت کی فرضیت مع التاکید ثابت ہے۔کیونکہ یہاں کوئی ایسا قرینۂ صارفہ نہیں ہے جوصیغۂ امر کے اصل یعنی وجوب کا مانع ہو۔

خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک اور مقام پر عزلت کا صیغۂ امر سے حکم دیا ہے فرماتا ہے۔

وذر الذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا وغرتھم الحیوٰۃ الدنیا (الانعام ۷۰)

یعنی ''محمد صلعم آپ ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلیں جنہوں نے دین کولہو ولعب بنا رکھا ہے اور حیاتِ دنیا نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے''

امامنا علیہ السلام نے حیاتِ دنیا کے معنی فرمایا کہ **زیستن بجاں کہ آں را ھستی وخودی گوئند**

یعنی ایسی زندگی جس میں ہستی وخودی باقی رہے وہ حیات دنیا ہے تو آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوا کہ جن لوگوں نے دین کو تماشا بنا رکھا ہے اور محوِ خود پرستی ہیں یعنی طالب دنیا ہیں' طالب خدا نہیں ہیں ان کی صحبت سے احتراز کیا جائے۔

ان دونوں آیتوں میں خطاب ذات پاک سرور کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات سے ہے مگر علماء کا اتفاق ہے کہ اس قسم کے خطابات اگرچہ ذاتِ اقدس سے خاص ہیں لیکن ان کا مفہوم عام اور تمام اُمت کو شامل ہے۔چنانچہ امام جصاص نے احکام القرآن میں لکھا ہے۔

علینا اتباع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما امرہ اللہ بہ

یعنی ''خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جو حکم دیا ہے اس کی اتباع ہم پر بھی لازم ہے''

خدائے تعالیٰ نے ان مذکورہ دونوں آیتوں میں حکم دیا ہے کہ سب سے منقطع ہوکر اللہ کی طرف متوجہ ہوجاؤ۔اس صاف وصریح حکم کے علاوہ متعدد جگہ عزلت اور اہل عزلت کی تعریف فرمائی ہے اور ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کا کسی فعل یا صفت کی تعریف کرنا معنی امر کو متضمن ہے۔مثلاً فرماتا ہے **یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقنٰھم ینفقون** یعنی جولوگ متقی اور پرہیزگار ہیں وہ نماز پڑھتے اور اللہ نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے اللہ کے نام پر خرچ کرتے ہیں۔اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو متقی ہیں اس کو نماز پڑھنا اور اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہئے۔اسی طرح عزلت کی فضیلت بیان فرمائی۔چنانچہ ابرہیم

علیہ السلام نے جب اپنے باپ اور بت پرستوں سے عزلت اختیار کرلی تو خدائے تعالیٰ مقام مدح میں اس کا ذکر فرماتا ہے کہ **واعتزلکم ماتدعون من دون اللہ وادعو ربی عسیٰ الا اکون بدعاء ربی شقیا فلما اعتزلھم وما یعبدون من دون اللہ وھبنا لہ اسحٰق ویعقوب** (مریم ۴۸،۴۹)

یعنی ''ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں تم سے اوران معبودوں سے جن کی تم پرستش کرتے ہو، علیحدگی اختیار کرتا اور اپنے رب کی بندگی کرتا ہوں مجھے امید ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے شقی نہ بنائے گا۔ جب ابراہیمؑ نے ان بت پرستوں سے اور بتوں سے علیحدگی اختیار کرلی تو ہم نے ان کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ عطا کئے''

ایک اور جگہ فرماتا ہے کہ جب اصحابِ کہف نے اپنے زمانہ کے کفار سے علیحدگی اختیار کرلی تو خدائے تعالیٰ نے ان کو بشارت دی کہ **واذا عتزلتموھم وما یعبد ون الا اللہ فا وا الی الکھف ینشر لکم ربکم من رحمتہ ویھیی لکم من امرکم مرفقا** (الکھف ۱۶)

یعنی ''جب تم نے اپنی قوم سے اوران معبودوں سے جن کی وہ پرستش کرتے ہیں علیحدگی اختیار کرلی تو اب غار میں جا بیٹھو، خدائے تعالیٰ تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں آرام وسہولت فراہم کرے گا۔

جب خدائے تعالیٰ کسی امر کی فضیلت ومنقبت بیان فرماتا ہے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ پس ان آیات سے عزلت کی فضیلت صراحتاً اور فرضیت ضمناً وکنایتاً ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو تو خدائے تعالیٰ نے خاص طور پر حکم دیا ہے کہ ''سب سے ٹوٹ کر اللہ ہی کے ہو رہو۔ اس حکمِ محکم کی بناء پر امام محی الدین نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ

حببت العزلۃ الی رسول اللہ لان معھا فراغ ا لقلب وھی معینۃ علی التفکر و بھا ینقطع عن مالوفات البشر ویتخشع قلبہ

یعنی ''رسول اللہ ﷺ کو عزلت نہایت پسند تھی کیونکہ اس سے فراغِ خاطر حاصل ہوتا، ذکر میں مدد ملتی، مرغوبات بشری منقطع ہوتے اور دل میں خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے''

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ تو اک بحرِ بے پایاں ہے اس کا استقصاء ممکن نہیں ہے۔ اولیائے امت ہی کے حالات کو دیکھ کر قطرہ سے دریا کا قیاس کیا جاسکتا ہے جو لوگ طالب خدا کی عزلت از خلق کو

رہبانیت کہتے ہیں ان کی آنکھیں آفتاب کو تو نہیں دیکھ سکتیں البتہ پانی میں آفتاب کا عکس دیکھ کر ان کو وجودِ آفتاب کا یقین آ سکتا ہے اور سمجھ سکتے ہیں کہ یہ عین دین ہے۔

امام بخاری نے عزلت کا ایک خاص باب باندھا ہے اور ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ

جاء اعرابی الی رسول الله صلعم فقال یا رسول الله ایّ الناس خیر قال علیه السلام من جاهد بنفسه وما له ورجل فی شعب من الشعاب یعبد ربه ویدا ع الناس من شره

یعنی ''رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ لوگوں میں کون بہتر ہے فرمایا جس نے اپنی ذات اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ بھی خیر الناس ہے جو لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے کسی پہاڑ کے درّہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہے''

تفسیر مدارک میں روایت ہے کہ **علیک بالعزلة فانها عبادة**

یعنی ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عزلت عبادۃ ہے تم اس کو اختیار کرو''

یہ روایت بھی ہے کہ **لا تدعوا حظکم من العزلة فان العزلة لکم عبادة**

یعنی ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو عزلت سے جو حصہ ملا ہے اس کو نہ چھوڑو کیونکہ عزلت تمہارے لئے عبادت ہے۔''

جامع الصغیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' **الزم بیتک** ''اپنے گھر میں خانہ نشین ہو جا۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حکم دیا تھا کہ

خذوا حظکم من العزلة (فتح الباری) یعنی ''عزلت جو تمہارا حصہ ہے حاصل کرو''

امام غزالی نے احیاء العلوم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ

افضل المجالس فی قعر بیتک لا تَریٰ ولاتُریٰ یعنی ''تمہارے بیٹھنے کے لئے بہترین جگہ تمہارے گھر کا وہ اندرونی حصہ ہے جہاں نہ تم کسی کو دیکھو نہ کوئی تم کو دیکھ سکے''

اصحاب رسول اللہ ﷺ میں اصحاب صفہ جن کی تعداد چار سو تک بیان کی جاتی ہے عزلت گزیں اور مشغول مع اللہ تھے۔ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام نے عزلت کو حرزِ جان بنائے رکھا۔ ابن حجر کا بیان ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں

مکا بدة العزلة خیر من مداراة الخلطة یعنی'' لوگوں کے ساتھ اختلاط وارتباط اوران کی خوشامدودرآمد سے عزلت کی سختیاں اٹھانا بہتر ہے''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے طالب حق کے لئے عزلت کوفرض قرار دیا ہے۔غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں۔ **لا یتم الورع الا ان یری عشرة اشیاء فریضة علی نفسه اولها وثانیها وثالثها والرابع غض البصر عن المحارم وهو لا یحصل الا بالعزلة**

یعنی'' پرہیزگاری دس چیزوں سے حاصل ہوتی ہے جوطالب پرفرض ہیں۔پہلی' دوسری اورتیسری چیزیں فلاں ہیں۔ چوتھی چیز جوفرض ہے وہ شرعی محارم سے آنکھ بند کرلینا ہے۔اورشرعی محارم منہیات سے چشم پوشی عزلت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی''

ایک طالبِ خدا جوعمر بھرعزلت اختیار کرتا اورمراحل سلوک طئے کرتا ہے اس کے فضائل وبرکات کا کیا کہنا ہے۔ چندروزہ عزلت وگوشہ نشینی بھی جس پراولیائے پیشیں اور بزرگانِ دین نے عمل فرمایا ہے اور جس کو اصطلاح میں اربعین یا چلہ کشی کہتے ہیں اس کے بارے میں حضرت شہاب الدین سہروردیؒ عوارف المعارف میں لکھتے ہیں کہ

قال رسول الله ﷺ من اخلص الله اربعین صباحاً ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه الی لسانه یعنی'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جوشخص چالیس دن خلوصِ نیت سے اللہ کی عبادت کرے توحکمت کے چشمے اس کے دل سے نکل کرزبان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں''

عزلت کا کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ طالب خدا لوگوں کے اختلاط کی وجہ سے جن گناہوں میں مبتلا ہوسکتا ہے عزلت کی وجہ سے ان سے محفوظ رہتا ہے۔مثلاً غیبت' چغلی' جھوٹ اورفضول کلامی وغیرہ۔اسی طرح عزلت گزیں اس ریا سے محفوظ رہتا ہے جس کی وجہ سے تمام اعمالِ حسنہ حبطہ ہوجاتے ہیں۔ ریا کو شرک اصغر کہتے ہیں۔ چنانچہ امام بغوی معالم التنزیل میں روایت کرتے ہیں کہ

ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ان اخوف ما اخاف علیکم الشرک الاصغر قالوا یا رسول الله وما الشرک الا صغر قال الرّیا

یعنی'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ جس بات کا خوف

ہے کہ وہ شرکِ اصغر ہے' صحابہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ شرک اصغر کیا ہے فرمایا ''ریا''

پس عزلت اس شرکِ اصغر جیسے گناہ سے بچاتی ہے کیونکہ گوشۂ تنہائی میں عبادت وریاضت کی جائے تو اس میں ریا کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔اس کے علاوہ لوگوں کے شرور و فتن سے بچنے کا ایک ذریعہ بھی یہی عزلت ہے۔اسی وجہ سے پاکانِ خدا نے عزلت وخلوت کو اختیار فرمایا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ **الخلوة وهي من شان الصالحين وعباد الله العارفين**

یعنی ''خلوت کو صالحین اور عارف باللہ بزرگوں نے اختیار کیا ہے''

دنیا کی کوئی عبادت خلوصِ نیت کے بغیر فائدہ مند نہیں ہوتی۔صاحب عوارف لکھتے ہیں کہ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے تھے کہ'' خلوت سے زیادہ اور کوئی چیز اخلاص کو نہیں اُبھارتی۔اور یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ '' **الوحدة منية الصالحين** ''یعنی ''عزلت وخلوت کی صالحین نے تمنا کی ہے''

عزلت کی دو قسمیں ہیں۔ایک عزلت ظاہری' دوسری عزلتِ باطنی۔جب کوئی شخص طلب خدا میں قدم رکھتا ہے تو سکونِ قلب اور دنیا واہل دنیا کے شرور و فتن اور مکروہات ومنہیاتِ شرعیہ سے بچنے کے لئے تنہائی اس کے لئے کبریتِ احمر ہے تا کہ ان تمام اسباب وعلل سے محفوظ رہے جو سالکِ راہِ خدا کے لئے طلب خدا میں مخل ہوتے ہیں۔یہ عزلتِ ظاہری ایک مبتدی کے لئے اشد ضروری ہے تا کہ خلق سے اختلاط ارتباط کی وجہ سے اس کے ذکر وفکر میں خلل نہ واقع ہو۔اور مبتدی تمام مناسکِ سلوک طئے کر کے منزلِ آخریں میں پہنچ جاتا ہے تو **اشتغال مع الخلق** اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہوتا۔وہ ہر وقت مشغول بحق ہے۔اس کو عزلت باطنی کہتے ہیں۔یعنی سالک کامل کا دل ہر حالت میں خدائے تعالیٰ کی طرف مائل وراغب رہتا ہے' اور غیر اللہ سے اس کا دل مشوش نہیں ہوتا اور مخلوق کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور بات چیت سے اس کو پریشان خاطری نہیں ہوتی وہ اس حالت میں بھی حضور قلب کے ساتھ مشغول مع اللہ رہتا ہے' یہ منتہی کا مقام ہے کہ بظاہر'' باہمہ'' ہے یعنی خلق کی رشد وہدایت اور تبلیغ دین میں مشغول ہے لیکن در باطن'' بے ہمہ'' ہے کہ ایک لمحہ کے لئے اس کی توجہ ذاتِ حق سے ہٹنے نہیں پاتی اور اللہ سے علاقہ سب علاقوں پر غالب رہتا ہے۔اسی کو صوفیہ کی اصطلاح میں'' بے ہمہ وباہمہ'' اور'' خلوت درانجمن'' کہتے ہیں۔

عزلت کی یہ دونوں صورتیں حضرت ختمی مرتبت سرور کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کی سیرت

مبارکہ سے مستفاد ہیں۔ آنحضرت ﷺ نبوت سے پہلے غارِ حرا میں عزلت گزیں رہے ہیں۔ دنیا کے علائق سے کوئی واسطہ اور خلایق سے اختلاط نہیں ہے' یہ عزلتِ ظاہری ہے۔ منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد تبلیغ دین' رشد وہدایت اور مخلوق سے ارتباط واختلاط بھی ہے لیکن ایک شمہ برابر ذاتِ حق سے غفلت اور ایک طرفۃ العین (پلک جھپکنے میں جتنی دیر لگتی ہے) یعنی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ مخالطت توجہ الی اللہ کی مانع نہیں ہے۔

اِدھر اللہ سے واصل' اُدھر مخلوق کا شامل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں **ولذلک کان رسول اللہ ﷺ فی ابتداء امرہ یتبتل فی جبل حراء وینعزل الیہ حتی قوی فیہ نور النبوۃ فکان الخلق لا یحجبونہ عن اللہ فکان ببد ندمع الخلق وبقلبہ مقبلا علی اللہ تعالیٰ**

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نبوت سے پہلے غارِ حرا میں عزلت گزیں تھے لیکن منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد نورِ نبوت قوی ہوگیا تو مخلوق کے ساتھ مخالطت' ذاتِ حق سے حجاب نہ رہی' آپ بظاہر مخلوق کے ساتھ تھے لیکن قلبِ مبارک اللہ کی طرف تھا''

حضرت امام ہمام مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان کہ ''عزلت فرض ہے' عزلتِ ظاہری اور عزلتِ باطنی دونوں صورتوں کا جامع ہے' گروہ مبارک میں عزلت کی دونوں صورتوں پر عملدرآمد جاری ہے۔ جس طرح ایک طالب خدا جہاں سلوک کے ابتدائی مراحل میں عزلت وتنہائی اختیار کر کے تشویشِ قلب اور مخلوق کے شرور و فتن سے محفوظ رہتا ہے اسی طرح اگر وہ پیر طریقت کی صحبت وخدمت اور طالبانِ خدا کی معیت میں ہے اور قال اللہ وقال الرسول کا مشغلہ ہے تو یہ بھی عزلت ہی ہے۔ چنانچہ دریائے وحدت آشام بندگی میاں شاہ نظامؒ نے حضرت مہدی علیہ السلام سے عرض کیا۔

اگر رضا باشد بندہ بجائے خلوت بماند حضرت میراں فرمودند آنجا باید ماند کہ از کسے چیزے بشنوید ویا خود بگوئید ودیگراں را بشنوائید (انصاف نامہ ب۱۳)

یعنی ''اگر حضرت کی اجازت ہوتو بندہ خلوت میں رہتا ہے فرمایا ایسی جگہ رہو جہاں تم خود کچھ سن سکو یا تم کہو اور دوسرے سن سکیں''

فرائض ولایت میں ایک فرض دوسرے فرض سے اس طرح وابستہ ہے کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک فرض پر عمل کرنا دوسرے فرض پر عمل کرنے کا مستلزم ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت مہدی علیہ السلام نے ترک دنیا کو فرض فرمایا اور ترک دنیا سے ترکِ ہستی وخودی مراد ہے۔ پس جو ترکِ خودی کرے گا وہ مشغول مع اللہ ہوگا اور جو مشغول مع اللہ ہے ' وہ لازماً عزلت گزیں ہے اور اگر دائرہ معلیٰ میں طالبانِ خدا کے ساتھ ہے تو صحبتِ صادقین کا فرض بھی اس سے ادا ہو رہا ہے اور جس نے صادقین کی صحبت اختیار کی وہ دوسرے فرائض مثلاً ذکر وفکر' ہجرت وطلب خدا وغیرہ سے بھی بہرہ ور ہے۔

یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو جانا چاہئے کہ عزلت مانع جہاد ہے' حالانکہ ایسا خیال کرنا صحیح نہیں 'عزلت غیرِ حق سے روگردانی کا نام ہے اور جہاد تو سراسر حق ہے' اس سے اعراض وغفلت کسی کو کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

بات صرف یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک '' ہجوم'' جس کو انگریزی میں (Offencive) کہتے ہیں۔ ہجوم کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہمیشہ تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں جہاد کرتی رہے یہ فرض کفایہ ہے یعنی کسی ایک جماعت کے ادا کرنے سے دوسرے مسلمان فارغ الذمہ ہوجاتے ہیں۔ جہاد کی دوسری قسم '' دفاع''(Defence) ہے یعنی جب مسلمانوں پر حملہ کردیا جائے تو اسکی مدافعت تمام مسلمانوں پر فرض ہوجاتی ہے۔ اور یہ فرض دوسرے فرائض سے زیادہ موکد ہے۔ رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ اقدس جو عزلت کی مخاطبِ اول ہے جب مدافعت کی ضرورت پیش آئی تو حضرت نے بہ نفسِ نفیس جہاد فرمایا اور اصحابِ صفّہ جو عزلت گزیں تھے حضرت کی معیت میں مصروفِ جہاد رہے۔ امامنا مہدی موعود علیہ السلام نے بھی ایسے موقع پر کہ مسلمانوں پر حملہ کردیا گیا تھا بذات اقدس جہاد فرمایا۔ جنگ دلپت اسکی واضح مثال ہے۔ بزرگانِ دین مہدویہ بھی جب دفاع کی ضرورت پیش آئی ہے اس جہاد میں پیش ہیں۔ کیونکہ جن اسباب ووجوہ کی بناء پر جہاد فرض عین ہوجاتا ہے تو اس سے تساہل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تو جہاد بالسیف یا جہاد مع الکفار ہے جس کی

فرضیت شرائط پر موقوف ہے اس کو'' جہاد اصغر'' کہتے ہیں۔ جہاد کی ایک اور اعلیٰ قسم'' جہاد مع النفس'' یا ''مع الشیطان'' ہے یعنی اپنے خواہشات اور ہوا و ہوس کی مخالفت کرنے والے اور صرف خدا کی عبادت و بندگی میں لگے رہنے والے کو بھی مجاہد کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

والمجاهد من جاهد بنفسه فی طاعة الله (مسلم) یعنی مجاہد وہ ہے جو اللہ کی طاعت و بندگی میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا رہے۔

اسکو جہاد اکبر کہتے ہیں جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ

رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر (بیضاوی)

یعنی'' ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں''

اس فرمان سے یہ بھی مستفاد ہے کہ اپنے نفس سے جہاد کرنے کے علاوہ دلیل و برہان سے دین کی حفاظت و اشاعت کرنا بھی اس جہادِ اکبر میں داخل ہے۔ غرض عزلت گزیں کسی صورت میں جہاد سے قاصر نہیں ہے۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام نے طالبِ خدا کے لئے عزلت کی بڑی تاکید فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے کہ

بر طالب خدا را چه چیز فرض است که بداں بخدا برسد باز فرمودند که آں چیز عشق است ونیز فرمودند که عشق چگو نه حاصل می شود باز فرمودند که توجهِ دل دائم سوئے خدائے تعالیٰ دارد چناں در دل هیچ چیز مائل نه شود برائے ایں معنی '' خلوت'' اختیار کند وبا هیچ کس نه پرداز د نه بایار ونه بااغیار (انصاف نامه باب ۱۲)

یعنی'' طالبِ خدا پر کونسی چیز فرض ہے جس کی وجہ سے وہ خدا کو پہنچے؟ خود ارشاد فرمایا وہ چیز'' عشق'' ہے فرمایا عشق کب حاصل ہوتا ہے؟ فرمایا دل کی توجہ ہمیشہ خدا کی طرف رکھے اور دل کسی اور کی طرف مائل نہ ہو۔ اس لئے ہمیشہ خلوت میں رہے۔ یار اور اغیار کے ساتھ مشغول نہ ہو''

عزلت کی مزید تاکید اور ضرورت اس طرح بیان فرمائی۔

'' **بر هریکے مرد و زن طلبِ دیدار خدا فرض است تا آنکه بچشم سر**

یا بچشم ِدل یا در خواب خدائے را نہ بیند مومن نباشد مگر طالب صادق کہ روئے دل خود را از غیر حق گردانیدہ و روئے دل خودرا سوئے مولیٰ آوردہ و مشغول بخداست و از دنیا و از خلق عزلت گرفتہ و ہمت از خود بیرون آمدن می کند ایں چنیں کس را ہم حکم ایمان کردہ اند(انصاف نامہ باب۱۲)

اس فرمان صداقت نشان کا خلاصہ یہ ہے کہ

''ہر مرد اور عورت پر طلبِ دیدار خدا فرض ہے۔ جب تک کوئی مرد یا عورت' چشم سر یا چشم دل یا خواب میں خدا کو نہ دیکھے مومن نہیں۔ مگر جو شخص غیر حق سے روگرداں اور ہمیشہ مشغول مع اللہ ہے' اور دنیا واہل دنیا سے الگ تھلگ عزلت میں ہے اور اپنی ہستی وخودی کو فنا کرنے کی کوشش میں ہے تو یہ طالبِ صادق ہے اور طالبِ صادق بھی حکماً مومن ہے۔

اس فرمان مبارک کا مطلب یہ ہے کہ مومنِ حقیقی تو وہی ہے جو ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں خدا کو دیکھے لیکن دیدارِ خدا بندہ کے اختیار میں نہیں بلکہ خدا کے فضل پر موقوف ہے۔ اسی وجہ سے دیدارِ خدا فرض نہیں بلکہ طلبِ دیدار خدا فرض ہے۔ اور جو طالبِ دیدار ہے وہ بھی مومن حکمی ہے' مگر شرط یہ ہے کہ اس کی طلب صادق ہو اور طالبِ صادق کی علامت یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ مشغول بحق ہو' اور اہل دنیا سے منقطع ہو کر عزلت اختیار کرے جس کی طرف خدائے تعالیٰ ''وتبتل الیہ تبتیلا'' سے اشارہ فرما رہا ہے۔ فقط

☆☆☆☆☆

مسئلہ دیدار

حامداً ومصلیاً ۔ دیدار کا مسئلہ ولایت کے متعلقات سے ہے۔لوازمات نبوت سے نہیں ہے۔ چنانچہ نقد النصوص شرح فصوص میں ہے کہ الولایۃ لاتنقع ابداً۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم رویت حقائق ولایت سے ہے۔لوازم نبوت سے نہیں ہے۔اور ولایت کے مظاہر میں اکمل ترین مظہر خاتم الاولیاء ہے جس کا عہدہ رویت کا دعویٰ کرنا ہے۔پس اس معاملہ میں امامنا علیہ السلام کا یہ فرمان قطعی حجت اور کسی دلیل کامحتاج نہیں۔

"مارا حق تعالیٰ فرستادہ است مخصوص برائے این است کہ آن احکام وبیان کہ تعلق بہ ولایتِ محمدی دارد بواسطۂ مہدی دارد ظاہر شود و نیز حکم کردہ است کہ بر ہریکے مرد و زن طلبِ دیدار خدا فرض است"

دیدار کے مسئلہ میں اسلامی فرقوں میں یہ اختلاف ہے کہ معتزلہ وغیرہ بعض فرقوں کے پاس خدائے تعالیٰ کا دیدار مطلقاً محال ہے نہ دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں اور دیدار کے محال ہونے پر کئی عقلی ونقلی حجتیں پیش کرنے میں ان فرقوں کے مقابل اہلِ سنت کے نزدیک دیدار الٰہی محال نہیں ہے۔ بلکہ دیدار کومحال کہنا موجب کفر ہے۔چنانچہ فتاویٰ ہندیہ المعروف بہ فتاویٰ عالمگیری میں مرقوم ہے کہ

من قال باستحالة الروية فهو كافر جو دیدار کے محال ہونے کا قائل ہووہ کافر ہے۔

اہل سنت منکرین دیدار فرقوں کی تمام حجتوں کی تردید اور عقلی ونقلی دلائل سے خدائے تعالیٰ کے دیدار کے جائز اور ممکن ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔

اہل سنت کے دونوں مشہور گروہ متکلمین ومحققین نفس دیدار باری تعالیٰ کے جائز وممکن ہونے کی حدتک متفق القول رہنے کے باوجود دیدارِ اخروی اور دیدار دنیوی کی نسبت کچھ مختلف القول ہیں۔ چنانچہ ہم یہاں اس مسئلہ کی تفصیلی بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے پہلے متکلمین کے مسلک اور بعد میں محققین کے مشرب پر ان کے اقوال وضوابط سے اس مسئلہ کے ضروری پہلو واضح کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔حضرت اعظم کی فقہ اکبر میں ہے۔

اللہ تعالیٰ آخرت میں نظر آئے گا اور مومنین اپنے سر کی آنکھوں سے بغیر تشبیہ وکیفیت کے اللہ تعالیٰ کو جنت میں دیکھیں گے۔اور اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین مسافت نہ ہوگی''

شرح مواقف میں جو علم کلام کی مشہور کتاب ہے دیدار کے متعلق لکھا ہے۔

اس امر پر ہمارے ائمہ کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا وآخرت میں عقلاً جائز ہے اور نقلاً اس کے دنیا میں جائز نہ ہونے میں اختلاف ہے۔بعض علماء نے دنیا میں دیدار ہونے کو ثابت کیا ہے۔ اور بعض نے اس کی نفی کی ہے۔اور یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا جائز ہے یا نہیں۔بعض نے اس کو بھی ناجائز اور بعض نے جائز کہا ہے۔اور حق یہ ہے کہ اس میں کوئی مانع نہیں ہے۔اگر چہ یہ حقیقت میں رویت نہیں ہے۔ہمارے علماء کو اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو دیکھتا ہے۔

شرح عقائد میں لکھا ہے:''یہ دنیا میں رویت باری کے ممکن ہونے کا اشارہ ہے اسی لئے صحابہ میں اختلاف ہے کہ نبی صلعم نے معراج میں اپنے پروردگار کو دیکھا یا نہیں اور کسی امر کے واقع ہونے میں اختلاف ہونا خود اس امر کے ممکن ہونے کی دلیل ہے۔لیکن خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اکثر اسلاف سے منقول ہوا ہے۔اور ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کا مشاہدہ ہے جو قلب سے ہوتا ہے نہ کہ آنکھ سے''

معراج میں رسول اللہ صلعم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہونے کی دلالت جن آیاتِ قرآنی میں پائی جاتی ہے جیسے **مازاغ البصروماطغیٰ**(النجم۱۷) **ما کذب الفواد مارایٰ افتمارونه علی مایریٰ** (النجم۱۱'۱۲)وغیرھا

اگر چہ ان آیات قرآنی کا معنی ومطلب بیان کرنے میں مفسرین' متکلمین اور مفسرین' محققین میں کچھ اختلاف ہے لیکن بعض علماء کا قول ہے کہ معراج کے متعلق جس قدر کثیر احادیث وارد ہیں۔ان میں سے متعدد احادیث سے آنحضرت ﷺ کو معراج میں شرفِ دیدار الٰہی حاصل ہونا ثابت ہوتا ہے ان سے تفسیر القرآن بالحدیث کے اصول پر ان مذکورہ آیات کی تفسیر ہوجاتی ہے۔چنانچہ یہ حدیثیں عبداللہ بن عباسؓ ' جابر بن عبداللہؓ ' انس بن مالکؓ ' معاذ بن جبلؓ ' ابوذرؓ ' ابوعبیدہ بن الجراحؓ وغیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔اور ان کی روایت امام احمد بن حنبل' مسلم' ابوداؤد' حاکم' ترمذی' طبرانی' دیلمی' ذہبی' منادی' خطیب وغیرہ محدثین نے کی ہے۔اور کئی مشہور محدثین ان احادیث کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔

صحابۂ کرام میں حضرت ابوذرؓ ' ابوہریرہؓ ' عبداللہ بن الحارثؓ ' انس بن مالکؓ جابر بن عبداللہ' معاذ

بن جبلؓ وغیرہ اس کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے چنانچہ مسلم، ترمذی، نسائی، حاکم، طبرانی وغیرہ نے ابن عباسؓ سے جو روایتیں بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے اور اپنے دل سے دیکھا ہے۔ حضرت جامیؒ فرماتے ہیں۔

دید محمدؐ نہ بچشم دگر
بلکہ ہمیں چشمِ سر و چشم سر

شرح عقائد کے مذکورہ قول میں اکثر بزرگوں کو خواب میں دیدارِ الٰہی ہونے کا جو ذکر ہے اس کے ثبوت میں بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ چنانچہ دار الجبار میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے اللہ تعالیٰ کو سو مرتبہ خواب میں دیکھا ہے۔ یواقیت میں لکھا ہے کہ حمزہ الذباب نے خواب میں خدائے تعالیٰ کو دیکھا طٰہٰ ویٰسین کی قراءت اللہ تعالیٰ کے روبرو کی اور اللہ تعالیٰ نے کئی مقام پر اصلاح فرمائی۔ غرض اس قسم کے واقعات اور بزرگوں کے بہت سے ملتے ہیں۔

اس تمام مضمون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ متکلمین اس کے قائل ہیں کہ جنت میں مومنین اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے بلا کیفیت وتشبیہ وبغیر مسافت کے دیکھیں گے۔ اور یہ کہ دنیا میں دیدار الٰہی جائز وممکن ہے۔ معراج میں حضور سرور کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونے کی تصریح احادیث میں پائی جاتی ہے۔ اور متعدد صحابہ اس کے قائل ہیں۔ خواب میں اور قلبی مشاہدہ کی حد تک دیدارِ الٰہی ہوسکتی ہے اور کئی بزرگوں کو ہوا ہے۔

اس کے مقابل محققین صوفیا دنیا میں ہی اور بیداری میں سر کی آنکھوں سے دیدار الٰہی ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ صوفی المشرب اصحاب کے بعض اقوال بطور مثال نقل کئے جاتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے۔

بطور ما نباشد منع دیدار
مگر ای راز با موسیٰ بگوئید

کسی کا قول ہے۔

مارا برائے دیدن یار آفریدہ اند
ورنہ وجودما بچہ کار آفریدہ اند

حافظؒ علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔

این جان عاریت کہ بحافظؔ سپر دوست
روزی رخش بہ بینم و تسلیم دے کنم

حضرت جامیؒ نے نفحات الانس میں حضرت عبداللہ بلیانی کا یہ کلام نقل کیا ہے۔

تا حق به دو چشمِ سر نه بینم هر دم
از پائے طلب من نشینم هر دم
گویند خدا بچشم سر نتواں دید
آن ایشا نند و من جنینم هر دم

کسی نے کہا ہے۔

امروز آن کوش که بینا باشی
حیرانش جمال آں دل آراء باشی
شرمت باوا چو کود کاں دو شبِ عید
تا چند در انتظار فردا باشی

آخرت میں مومنین کو دیدار ہونے کے متعلق منکرین دیدار فرقوں کی تردید میں جو وجوہ و دلائل متکلمین پیش کرتے یا خواب میں یا قلب سے اس کے ممکن ہونے کے جن وجوہات کی بناء پر قائل ہیں محققین دنیا میں اور حالت بیداری میں اور سر کی آنکھوں سے دیدارِ باری تعالیٰ کا جائز ہونا ان ہی وجوہ ودلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ فتوحاتِ مکیہ میں لکھا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جب دیدار کا وقوع خواب میں اور آخرت میں جائز ہے تو جس شخص کو خدا چاہے بیداری اور اس زندگانیٔ دنیا میں بھی اس کے لئے دیدار واقع ہونا جائز ہے۔ جبکہ متکلمین کے پاس عقل سے خدائے تعالیٰ کا ادراک صحیح ہے تو بغیر احاطہ کے بصر سے بھی اس کا ادراک جائز ہے اس لئے کہ عقل اور بصر دونوں بھی حادث ہیں اور حادث کو دوسرے حادث پر حدوث کے اعتبار سے کوئی فضیلت نہیں ہے (باب ۳۶۹)

اور اسی باب میں فتوحات مکیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''جو یہ کہے کہ اس کا ادراک عقلاً ہوسکتا ہے لیکن بصارت سے نہیں ہوسکتا تو وہ متلاعب ہے۔ جس کو عقل، بصر اور حقائق کا کما حقہ علم ہی نہیں ہے۔''

حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح آنکھوں سے حجاب میں ہے قلوب سے بھی حجاب میں ہے۔ پس اگر وہ اپنی تجلی ڈالے تو پھر آنکھ اور دل دونوں ایک ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف کسی شاعر نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

دمیکه حسن کند میل خود نمائی ها

زچشم سنگ تو اند نگاه پیدا کرد

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مہدویہ عقیدہ کی رو سے بچشمِ سر یا خواب میں دیدارِ الٰہی کا ہونا اہلِ سنت کے مسلک کے خلاف نہیں کیونکہ متکلمین دنیا میں دل سے یا خواب میں دیدارِ الٰہی کے ممکن ہونے کے قائل ہیں اور محققین کے پاس دنیا میں، حالتِ بیداری میں، سر کی آنکھوں سے بھی دیدار خداوندی جائز ہے۔ اور مہدویہ کا مسلک ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

بعض لوگ نادانی سے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب عقیدہ کی رو سے خدا کو بچشمِ سر یا خواب میں دیکھنا مومن کی صفت قرار دی گئی ہے تو کیا وہ شخص جو خدا کو بچشمِ سر یا بحالتِ خواب نہ دیکھے مومن ہوسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عقیدہ کی رو سے مومن کے لئے بچشمِ سر یا بچشمِ دل یا خواب میں دیدار لازم ہے۔ لیکن اس کے ساتھ طالب صادق بھی مومن کے حکم میں داخل ہے۔ اس کے قطع نظر اس قسم کے بہت سے احکام قرآن میں مذکور ہوئے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث بھی اس بات میں بکثرت موجود ہیں کہ جن کی رو سے خاص صفت یا خاص عمل پر ایمان کا ہونا موقوف ہے۔ لیکن علماء نے اس کی نسبت یہ صراحت کردی ہے کہ ان احکام میں گو نفس ایمان مذکور ہے تاہم اس سے ایمان کا کمال مراد ہے۔ یہاں ہم ذیل میں وہ چند احادیث درج کرتے ہیں جن پر عمل نہ کرنے کی صورت میں ایمان کی نفی ہوتی ہے مثلاً

(۱) جس شخص میں امانت نہ ہو اس میں ایمان نہیں۔

(۲) جس میں عہد کی پابندی نہ ہو اس کو دین نہیں۔

(۳) مسلمان وہی ہے جس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ وسلامت رہیں۔

(۴) جس نے نماز کو عمداً ترک کیا وہ کافر ہوا۔

(۵) وہ شخص مومن نہیں ہے جس کا ہمسایہ بھوکا ہو اور وہ خود پیٹ بھر کر رات گذارے۔

کیا اوپر بتائے گئے احکامات کی رو سے جو سب کے سب حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات عالیہ پر مبنی ہیں۔ وہ لوگ جو امانت دار نہیں یا عہد کے پابند نہیں یا نماز کے عمداً تارک ہیں۔ یا بھوکے پڑوسی کی ہمدردی نہ کرتے ہوں اور خود شکم سیر رہتے ہیں کیا مومن اور مسلمان کہلائے جاسکتے ہیں ان کا جو، جواب ہوگا وہی ہمارے پر کئے گئے اعتراض کا جواب ہوگا۔

ooo

ماہر دواز جملہ مشرکاں نہ ایم

امامنا حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے وفات سے کچھ پہلے بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایتؓ کے زانو پر اپنا سر مبارک رکھا اور اس آیت کا بیان فرمایا۔قل هٰذه سبيلى ادعوا لى الله علىٰ بصيرة انا ومن اتبعنى سبحان الله وما انا من المشركين

یعنی ''کہہ دواے محمدؐ یہ میرا راستہ ہے' اللہ کی طرف بصیرت پر میں بلاتا ہوں اور وہ شخص بلائے گا جو میرا تابع ہے' اللہ پاک ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں''

مفسرینِ متکلمین نے اس آیت کی تفسیر میں بڑی بے اعتنائی کی ہے۔الى الله کے معنی انہوں نے الى دين الله کے لئے ہیں یعنی میں اللہ کے دین کی طرف بلاتا ہوں۔بصیرت سے دلیلِ واضح مراد لی۔تابع سے عام تابع مراد لیا خواہ وہ تابع تام ہو یا تابع ناقص۔مطلب یہ کہ علماء کا کام ہے کہ لوگوں کو دلیل برہان سے دین اسلام کی دعوت دیں۔

اس تفسیر سے ہم کو اختلاف ہے۔جس طرح بصیرت کے معنی دلیل واضح کے ہیں اسی طرح لغت کی مستند کتابوں میں بینائی کے بھی ہیں۔مفسرین' محققین نے یہی معنی اختیار کئے ہیں۔خدائے تعالیٰ نے تابع کو مطلق ذکر فرمایا ہے اور مطلق سے فردِ کامل مراد لی جاتی ہے۔پس تابع ناقص جو رسول اللہ ﷺ کی پوری پوری اتباع نہ کرے اس آیت کا مصداق نہیں ہوسکتا اور اس کی دعوت مسلمہ نہیں ہوسکتی۔معصوم کی پوری پوری اتباع وہی کرے گا جو خود بھی معصوم ہوگا' اس کی دعوت رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی طرح واجب التسلیم ہوگی اور وہ خلیفۃ اللہ امام مہدی علیہ السلام کی ذات ہے۔حدیث شریف المهدى منّى يقفوا ثرى ولا يخطى اسی تابع کا بیان واقع ہوئی ہے۔تفسیر تاویلات میں لکھا ہے کہ ''هذه سبيلى'' سے مراد توحید ذاتی ہے اور شیخ اکبر نے فرمایا کہ ''من اتبعنى'' میں ''من'' سے مہدی علیہ السلام مراد ہیں امامنؑا نے بھی فرمایا ''من'' سے بندہ کی ذات مراد ہے۔

عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب حرفِ نفی یعنی ''ما''، ضمیر متفصل متکلم پر داخل ہوتا ہے تو متکلم سے نفی حکم کی تخصیص ہوجاتی ہے۔ پس'' ما انا من المشرکین ''میں عدمِ شرک رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہوجائے گی اور چونکہ عدم شرک **داعی الی اللہ علی بصیرۃ** یعنی رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اور داعی الی اللہ علی بصیرۃ آپ کے تابع امام مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس بھی ہے اس لئے عدم شرک حضرت مہدی علیہ السلام کی بھی خصوصیت ہوگی۔ چنانچہ امامنا علیہ السلام نے اس آیتِ کریمہ کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

ماھر دو از جملہ مشرکاں نہ ایم

یہ سن کر بندگی میاں سید خوندمیرؓ نے بندگی میراں سید محمودؓ سے آہستہ کہا کہ یہ کونسا شرک ہے اگر آج اس کی تحقیق نہ ہوئی تو آئندہ مشکل ہوگی۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے فوراً آنکھ کھولی اور فرمایا سید خوندمیر! جو خدا کو مقید دیکھے وہ مشرک ہے۔

اس فرمان گنجینۂ عرفان کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کو مقید دیکھنے والا مشرک ہے۔ اور چونکہ صرف خاتمینؑ خدا کو مقید نہیں دیکھتے، مشرک نہیں ہیں۔ یعنی رویت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک رویتِ مطلقہ، دوسری رویتِ مقیدہ جو رویت کسی واسطہ کے بغیر اور غیر منتہی ہو اس کو رویتِ مطلقہ کہتے ہیں۔ اور جو رویت بالواسطہ ہوتی اور کسی مقام پر ختم ہوجاتی ہے وہ رویتِ مقیدہ ہے۔ حضرات خاتمین علیہما السلام ذاتِ احدیت کا آئینہ ہیں ان کو بالواسطہ رویت نہیں ہوتی بلکہ یہ خود از سرتا پا عینِ ذات ہیں۔ اسی حیثیت کی رویت مطلقہ سے تعبیر کی جاتی ہے۔

خاتمین علیہما السلام کے سوا جو بھی خدا کو دیکھتا ہے وہ مشکوٰۃِ خاتم ولایتِ محمدیہؐ میں دیکھتا ہے یہ رویتِ مقیدہ ہے اور چونکہ اس رویت میں مِنْ وجھٍ غیریت پائی جاتی ہے اس لئے اس پر شرک کا اطلاق ہوتا ہے۔ خاتمین علیہما السلام اس شرکِ اعتباری سے بھی منزّہ ہیں۔ ''ما انا من المشرکین ''اسی مقام کا حکم ہے۔

بعض لوگ فنائے کامل اور رویتِ مطلقہ کو ایک سمجھنے کی غلطی کرتے ہیں، حالانکہ فنائے کامل کے بعد بھی مشکوٰۃ خاتم ولایت محمدیؐ کا ذریعہ ضروری ہے۔ رویت مطلقہ کا درجہ فنائے کامل سے بھی بہت اعلیٰ وارفع ہے جو خاص خاتمین علیہما السلام کا مقام ہے۔ سرتا پا مسلمانی اور فیض بلا واسطہ اسی مقام و مرتبہ کی

تعبیرات ہیں۔ چونکہ امامنا علیہ السلام نے میراں سید محمودؓ اور میاں سید خوندمیرؓ کو سرتا پا مسلمانی اور فیض بلا واسطہ کی بشارت دی ہے۔ اس لئے خاتمین علیہما السلام کے بعد صرف سیدین صالحینؓ اپنی کامل استعداد خدا کے فضل اور مہدیٔ موعودؑ کے صدقہ سے سرتا پا مسلمان ہیں ان دونوں کو فیضِ بلا واسطہ یعنی رویتِ مطلقہ کا مقام حاصل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ خاتمین علیہما السلام اصالتاً و بالذات اس مقامِ اعلیٰ و مرتبۂ عظمیٰ پر فائز ہیں اور سیدین صالحینؓ تبعاً بالعرض۔

رویت مقیدہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ طالب خدا کی سیر ایک مقام پر ختم ہو جائے اور ایک ہی تجلی پر قانع رہے۔ یا یہ کہ صفاتِ الٰہیہ میں سے وہ ایک ہی صفت کا مظہر ہو۔ یہی رویت مقیدہ ہے۔ چونکہ خاتمین علیہما السلام ''ذات'' کے مظہر ہیں اور حقیقی عبداللہ یہی وہ دو ذوات مقدسہ ہیں اس لئے ان کی سیر کہیں ختم ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت امامنا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ''خدا کی ذات کی انتہا نہیں ہے اور خاتمینؑ کی طلب کی انتہا نہیں ہے''

یہی رویت مطلقہ ہے۔ اس لامتناہی رویت کے مقابلہ میں پہلی رویت یا سیر جو ایک مقام پر ختم ہو جاتی ہے، شرک قرار پاتی ہے جس سے خاتمینؑ بری ہیں۔ چونکہ سیدین رضی اللہ عنہما کو خاتمین علیہما السلام کی ذات میں سیر ہے اس لئے سیدینؓ کی سیر بھی لامتناہی ہے کہ کہیں ختم ہی نہیں ہوتی۔ اس اعتبار سے بھی سیدین رضی اللہ عنہما کو رویتِ مطلقہ حاصل ہے جو خاتمین علیہما السلام کا خاصہ ہے جس سے سیدینؓ تبعاً متصف ہیں۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء** یہی وہ مقام ہے جہاں ''رسولؐ و مہدیؑ'' اور ''میراں سید محمودؓ اور میاں سید خوندمیرؓ'' میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ حقیقت پیشِ نظر رہے تو ''تسویتِ خاتمینؑ'' اور تسویت ''سیدینؓ'' کے حق ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں رہتا۔

تسویت سیدینؓ کا مسئلہ تو ہمارا قومی اعتقادی مسئلہ ہے جس کی بناء خلیفۃ اللہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے فرامین پر ہے جو منتہائے دلیل ہیں جن کی موجودگی میں کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے البتہ رسولؐ و مہدیؑ کی تسویت کا مسئلہ مہدویہ سے مختص نہیں ہے۔ محققین اہل سنت بھی اس کے قائل و معتقد ہیں۔ مہدویہ کا اعتقاد متکلمین و محققینِ اہل سنت کی تحقیق کے مطابق یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور امام مہدی علیہ السلام خاتمِ دین یا خاتمِ ولایت محمدیہؐ یا خاتم الاولیاء ہیں۔ متکلمین

محققین اپنے اپنے اصول پر رسول اللہ ﷺ اور مہدی علیہ السلام میں جو نسبتیں قائم کرتے ہیں مہدویہ کا اعتقاد اس کے مغائر نہیں ہے۔ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء میں جو نسبتیں پائی جاتی ہیں علمائے اہل سنت نے ان کی مختلف تعبیرات کی ہیں۔ کسی نے مماثلت، کسی نے مشابہت، کسی نے مظہریت، کسی نے نسبتِ تامّہ اور کسی نے اتصاف بالاوصاف سے تعبیر کی ہے۔ مہدویہ کی اصطلاح میں ''تسویت'' بھی انہی نسبتوں کی ایک تعبیر ہے۔

نسبتوں کی تصریح سے پہلے یہ بحث دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ کی نظیر ممکن ہے یا نہیں؟ آج سے کم وبیش سو سال پہلے ہندوستان کے علماء میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مثل کوئی شخص امت میں پیدا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مولوی عبدالحئ فرنگی محل نے اپنی تصانیف میں اس حدیث سے امکان نظیر پر استدلال کیا ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

آسمانوں کی طرح زمین بھی سات ہیں۔ ہر زمین میں تمہارے نبی کے جیسا ایک نبی اور آدم ونوح وابراہیم اور عیسیٰ کے مثل ایک ایک نبی ہے (طبرانی، بیہقی، حاکم وغیرہ)

اس حدیث پر جس قدر اعتراضات ہوسکتے تھے عبدالحئ صاحب نے ان سب کے جوابات دیئے اور ثابت کیا کہ یہ حدیث صحیح اور حکماً مرفوع یعنی قولِ رسول اللہ ﷺ ہے۔

بعض لوگوں نے نبوت وخاتمیت سے حجت لی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نبی اور خاتم الانبیاء ہیں اس لئے آپ کی نظیر ممکن نہیں ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی نظیر کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نبی بھی ہو۔ انبیائے سابقین ہزاروں گزرے باوجود نبی ہونے کے ایک بھی مثیل رسول اللہ ﷺ نہیں ہے اور حضرت کا خاتم الانبیاء ہونا اس امر کا مستلزم نہیں ہے کہ کوئی آپ کا نظیر ومثیل نہ ہو۔ مولوی حیدر علی رامپوری امکان نظیر کے قائل تھے انہوں نے لکھا ہے کہ ''ایک بادشاہ کے دو اعلیٰ عہدہ دار ہیں ایک امیر الممالک ہے دوسرا امیر العساکر ہے۔ ہر ایک کی مفوضہ خدمت الگ الگ ہے۔ لیکن بادشاہ کے پاس دونوں مساوی المرتبت ہوسکتے ہیں'' مولوی فضل حق خیرآبادی کو جو منطق وفلسفہ کے بڑے عالم تھے امکانِ نظیر سے شدید انکار تھا انہوں نے امتناع النظیر ایک کتاب ہی لکھدی ہے۔ مولوی عبدالحئ، مولوی حیدر علی اور مولوی فضل حق کا انتقال ہوگیا اور یہ مسئلہ لاینحل ہی رہا۔ مولوی فضل حق کے فاضل بیٹے مولوی عبدالحق

خیر آبادی باپ کی طرح امتناع نظیر کے قائل تھے یہ حیدر آباد آئے تو یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ نظیر رسول اللہ ﷺ ممکن ہے یا نہیں؟ ایک مجلس میں جس میں حیدر آباد کے بعض علماء مولوی عبدالحق خیر آبادی اور مولوی عبدالصمد قندھاری (مولانا سید نصرتؒ اور مولانا سید اشرف شمسیؒ کے استاد) شریک تھے اس مسئلہ کا ذکر آیا۔ مولوی عبدالصمد قندھاری نے کہا کہ:

''رسول اللہؐ کو خاتم الانبیاء تسلیم کرنے کے بعد بھی حضرت کا وجود تین حال سے خالی نہ ہوگا۔ واجب ہوگا یا ممتنع ہوگا یا ممکن ہوگا۔ وجود با وجود واجب ہو تو تعدد باری لازم آئے گا دو خدا ہو جائیں گے۔ ممتنع معدوم محض ہوتا ہے یہاں حضرت کی ذات اقدس موجود ہے پس بالضرور حضرت کا وجود ممکن ہوگا۔ ممکن کی نظیر بھی واجب ہو تو وہی تعدد واجب لازم آنے کے علاوہ نظیر اصل سے بڑھ جائے گی۔ یہ صریحاً باطل ہے۔ اگر ممکن کی نظیر ممتنع ہو تو یہ اس امکان کے مبائن ہے جو اصل ممکن میں موجود ہے جب ممکن کی نظیر واجب یا ممتنع نہیں ہو سکتی تو ثابت ہوا کہ نظیر ممکن، ممکن ہے''

علامہ قندھاری نے حدیث ابن عباسؓ کی صحت بیان کی اور امکانِ نظیر کے بارے میں نہایت تفصیل کے ساتھ نقلی و عقلی ایسی چست تقریر کی کہ فاضل خیر آبادی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ غرض فحول علمائے اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ عقلاً و نقلاً رسول اللہ ﷺ کی نظیر ممکن ہے۔

ڈاکٹر اقبال منطق و فلسفہ کے علاوہ قرآن و حدیث اور سلوک و عرفان میں بھی وسیع نظیر رکھتے ہیں۔ غالباً بعثت مہدیؑ کے بارے میں اسلامی روایات اور محققین کے اقوال ان کے پیش نظر ہیں اور بعثتِ مہدیؑ کے منتظر بھی ہیں۔ نہیں معلوم قواعد عقلیہ اور روایات نقلیہ کے خلاف نعت رسول اللہ ﷺ میں یہ ایک شعر ان کے قلم سے کیسے نکل گیا جو عقل و نقل کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ کہتے ہیں۔

مجھے انکار نہیں آمد مہدی سے مگر
غیر ممکن ہے کوئی مثل ہو پیدا تیرا

حالانکہ ناممکن صرف ایک ہی امر ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے جیسا ایک خدا نہیں پیدا کر سکتا۔ بلکہ یہ بھی اختلافی مسئلہ ہے بعض متکلمین کہتے ہیں کہ آیۂ کریمہ'' ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر '' کی رو سے خدا اس پر بھی قادر ہے مگر اس کی مشیت جاری نہیں ہوئی کہ اپنے جیسا خدا پیدا کرے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ

ذاتِ تو قادر است بایجاد ہر محال
الّا بآفریدنِ چوں خود یگانۂ

غرض عقلاً ونقلاً رسول اللہ ﷺ کی نظیر ممتنع نہیں ہے۔

جس طرح فرمان صداقت نشان ''ماہر دواز جملہ مشرکاں نہ ایم'' سے رسول اللہؐ ومہدی علیہ السلام میں تسویت مستفاد ہے۔اسی طرح آیت کریمہ ''**عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا** '' سے تسویت خاتمین پر استدلال کیا جاسکتا ہے یعنی خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ قریب میں تم کو مقام محمود پر مبعوث کرے گا۔مفسرین اہل ظاہر نے مقام محمود سے مقام شفاعت مراد لیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ آپ کی ذات پاک شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین ہے۔لیکن ظاہری معنی کے علاوہ محققین نے مقام محمود کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''**ھو مقام ختم الولایۃ بظھور المھدی**'' یہ قول صاحب تفسیر تاویلات کا ہے اور اکثر وبیشتر محققین نے مقام محمود کے یہی معنی لکھے ہیں۔حضرت مہدی علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ مقام محمود سے ''**ولایۃ اللہ**'' مراد ہے۔آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ اس وقت مقام حامدیت میں ہیں اور لباسِ نبوت میں احکام شریعت کی تبلیغ کررہے ہیں۔لیکن قریب میں خدائے تعالیٰ آپ کو مقام محمود یعنی مقام ختم ولایت محمدیہ میں مبعوث کرے گا۔اور لباس ولایت میں احکام حقیقت کی تبلیغ کریں گے یعنی **یبعثک ربک مقاما محمودا** کا خطاب رسول اللہ ﷺ کے باطن سے ہے اور وہ مہدیٔ موعودؑ کی ذات ہے پس مقام ولایت اللہ یا ختم ولایت محمدیہ ؐ میں مہدیؑ کا ظہور بعینہٖ رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہے۔ حضرت جامیؒ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

حافظؔ شیرازی فرماتے ہیں۔

مژدہ اے دل کہ مسیحا نفسے می آید
کہ زا نفاس خوشش بوے کسے می آید

خبرم نیست که منزل گه مقصود کجاست
این قدر هست که بانگِ جرسے می آید

صاحب ارشاد العارفین نے لکھا'' **از حیثیت نبوت خاتم نبوت شد ومحمدؐ نام یافت واز حیثیت ولایت خاتم ولایت آمد ومحمدؐ مهدی نام یافت**''یعنی حقیقت واحدہ بحیثیت نبوت' خاتم نبوت ہوئی اور محمدؐ نام پایا۔اور بحیثیت ولایت خاتم ولایت ہوئی اور محمدؐ مہدی نام پایا۔ کوئی اس کو تناسخ نہ سمجھے وہ از روئے شریعت ناجائز ومحال ہے۔ یہ وحدتِ حقیقی ہے مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

این نیست تناسخ سخنِ وحدتِ صرف است منکر مشوید شد
کافر شود آں کس که بانکار بر آمد در دوزخیاں شد

پس آیۂ کریمہ **عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا** سے ثابت ہے کہ خاتمین یکذات موصوف بجمیع صفات ہیں ولایت اللہ یا ولایت محمدیہ جس کو تعین اول کہتے ہیں اس ذاتِ واحد کا ظہور دو مرتبہ ہوا۔ایک مرتبہ لباس نبوت میں دوسری مرتبہ لباس ولایت میں' صرف اول وآخر اور مقدم وموخر کا فرق ہے اور کچھ نہیں۔

مہدویہ کا استدلال تو قرآن مجید کی نصوص صریحہ سے ہے۔متکلمین ومحققین اہل سنت کے اصول پر بھی تسویت کی بحث کئی طرح سے ہوسکتی ہے۔مثلاً متکلمین کے اصول پر رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس' خلیفۃ اللہ' معصوم عن الخطاء' خُلقِ عظیم سے متصف اور دافعِ ہلاکت امت ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی خلیفۃ اللہ ہیں۔ پس خلافت الٰہیہ ایسی صفت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرح مہدی علیہ السلام کے سوا اس صفت سے کوئی متصف نہیں ہے۔اکابرین اہل سنت نے مہدی علیہ السلام کی عصمت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ'' **المهدی منی یقفوا ثری ولا یخطی**''یعنی مہدیؑ میری اولاد سے ہیں' میرے نقش قدم پر چلیں گے اور خطا نہیں کریں گے اس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مہدی علیہ السلام معصوم عن الخطا ہونے میں مشترک ہیں۔اور ظاہر ہے کہ معصوم کی کامل اتباع وہی کرے گا جو معصوم ہے اور یہ کلیہ کہ **تابع من حیث التبعیت** اپنے متبوع کے برابر نہیں ہوتا' تابع ناقص سے متعلق ہے۔ چونکہ مہدی علیہ السلام معصوم ہیں اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ

کے تابع تام ہیں اور تابع تام متبوع کی خصوصیات کے سوا تمام اعمال وافعال میں متبوع کے برابر ہوتا ہے۔ پس مہدی علیہ السلام کا معصوم عن الخطا ہونا اور آپ کا تابع تام رسول اللہ ہونا یعنی مہدی علیہ السلام کا قول، فعل اور حال۔ رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور حال کے جیسا ہونا رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ثابت ہے۔ اور صفت عصمت میں مہدی علیہ السلام نظیر رسول اللہ ﷺ ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں فرمایا ہے کہ ''**انک لعلیٰ خلق عظیم**''یعنی آپ خُلقِ عظیم پر ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہدی علیہ السلام اخلاق میں میرے مشابہہ ہوں گے۔ پس خُلقِ عظیم میں رسولؐ ومہدیؑ میں مشابہت ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات اقدس کی طرح مہدی علیہ السلام کو بھی دافع ہلاکت امت فرمایا ہے پس اس صفت میں بھی رسول ومہدی کی مماثلت ثابت ہے۔ مثال کے طور پر ان چند اوصاف جلیلہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان میں مہدی علیہ السلام کے سوا رسول اللہ ﷺ کا کوئی سہیم وعدیل نہیں ہے۔

متکلمین کے اصول پر چند وجوہ ذکر کرنے کے بعد محققین کے طریقہ استدلال پر بھی ایک نظر ڈالنا مناسب ہے۔ محققین اہل سنت خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء میں نسبتوں کے تعلق سے بڑی غامض اور دقیق بحث کرتے ہیں۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ صوفیائے کرام کے پاس رسول اللہ ﷺ کی نبوت تمام انبیائے سابقین کی نبوت سے کامل اور افضل واعلیٰ ہے۔ اسی طرح آپ کی ولایت بھی جس کو ولایت محمدیؐ، نور محمدیؐ اور حقیقت محمدیؐ کہتے ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی ولایت سے افضل ہے۔ اس ولایت محمدیؐ کے مظہر اتم کو صوفیائے کرام خاتم ولایت محمدیؐ، خاتم الاولیاء یا باطن خاتم الانبیاء کہتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ خاتم ولایت محمدیؐ یا خاتم الاولیاء حضرت مہدی علیہ السلام ہیں۔ صاحب تجلیات رحمانی نے لکھا ہے۔ **چنانچہ ختم نبوت بر رسولؐ اللہ است ہمچناں ختم ولایت بر مہدی علیہ السلام است**

صاحب مفاتیح الاعجاز لکھتے ہیں۔ **خاتم الاولیاء عبارت از محمدؐ مہدی است کہ موعودِ حضرت رسالت است علیہ السلام**

مولانا عبدالرزاق کاشانی نے اصطلاحاتِ صوفیہ میں خاتم الاولیا کے تحت لکھا ہے۔

وھو المھدی الموعود فی آخر الزماں

یعنی خاتم الاولیاء مہدی موعود ہیں جو آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے۔

حضرت شیخ اکبر نے بھی لکھا کہ خاتم ولایۃ محمدیہ حضرت مہدی علیہ السلام ہیں۔

پس رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء اور مہدی علیہ السلام خاتم الاولیاء ہیں۔اس صفت ختمیت میں مہدی علیہ السلام نظیر رسول اللہ ہیں۔اور یہ وہ فضیلت وخصوصیت ہے جو امت محمدیہ میں مہدی علیہ السلام کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔

صاحب گلشن راز اور ان کے شارح صاحب مفاتیح الاعجاز نے لکھا ہے کہ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء میں نسبتِ تامّہ اور کمالِ یکتائی ہے۔خاتم الاولیاء' خاتم الانبیاء کا باطن اور مقام لی مع اللہ کے وارث ہیں جو خاص رسول اللہ ﷺ کا مقام ہے۔نسبت تامّہ کے یہ معنی ہیں کہ نسبت صُلبی' نسبتِ قلبی اور نسبت حقی حقیقی تینوں نسبتیں پائی جاتی ہیں۔چونکہ خاتم الاولیاء رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے ہیں اس لئے نسبتِ صُلبی حاصل ہے۔اور چونکہ خاتم الاولیاء کا قلب مبارک خاتم الانبیاء کی کامل اتباع سے تجلیات لامتناہی کا آئینہ ہے۔نسبتی قلبی ثابت ہے اور چونکہ خاتم الاولیاء مقام ''لی مع اللہ وقت'' کے وارث ہیں جو خاص رسول اللہ ﷺ کا مقام ہے جہاں کسی نبی مرسل اور ملک مقرب کی گنجائش نہیں ہے' نسبت حقی' حقیقی متحقق ہے۔اور لکھا ہے کہ یہ نسبت تمام نسبتوں سے اعلیٰ وافضل ہے۔پس صاحب مفاتیح الاعجاز نے رسولؐ ومہدیؑ کی تسویت کو نسبت تامہ اور کمالِ یکتائی سے تعبیر کیا ہے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم نص شیثیہ میں فرمایا کہ بعض عارفین کہتے ہیں کہ جس طرح پہچاننے کا حق ہے ہم نے اللہ کو پہچان لیا۔اور بعض اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں کہ جس طرح پہچاننے کا حق ہے ہم نے نہیں پہچانا۔یعنی پہلے گروہ نے خدا کی ذات کو محدود کر دیا اور دوسرے گروہ کی طلب ختم ہو چکی (ان دونوں صورتوں کو مہدویہ کی اصطلاح میں رویتِ مقیدہ کہتے ہیں) اور خدا کے علم ومعرفت کا تیسرا مقام یہ ہے کہ ہو عارفین نہ کمالِ عرفان کے مدعی ہیں اور نہ ان کی طلب ہی ختم ہوتی ہے۔جس طرح خدا کی ذات کی انتہا نہیں ہے اسی طرح ان کی طلب کی بھی انتہا نہیں ہے۔(مہدویہ کے پاس رویت مطلقہ یہی ہے)اس کو محققین کی اصطلاح میں علم باللہ' علم سکوتی اور سیر لامتناہی کہتے ہیں۔اس کے بعد حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ یہ تیسرا مقام خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء کے سواء کسی کو حاصل نہیں ہے۔امامنا علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ خدا کی ذات کی انتہا نہیں ہے۔اور خاتمینؑ کی طلب کی انتہا نہیں

ہے۔ شیخ اکبر کی اس تصریح سے ثابت ہے کہ علم باللہ، علم سکوتی اور سیر لامتناہی میں رسول اللہ ﷺ اور مہدی علیہ السلام دونوں برابر ہیں۔ امامنا علیہ السلام کا فرمان ''**ماھر دو از جملہ مشرکاں نہ ایم**'' اسی مقام کا حکم ہے۔

شیخ اکبر نے یہ لطیف بحث بھی فرمائی ہے کہ نہ صرف اولیائے امت کو بلکہ انبیائے علیہم السلام حتیٰ کہ خاتم الانبیاء کو بھی مشکوٰۃ خاتم الاولیاء کے بغیر دیدار نہیں ہوتا۔ اگرچہ خاتم الاولیاء احکام شریعت میں خاتم الانبیاء کے تابع ہیں۔ لیکن اس ظاہری تبعیّت سے خاتم الاولیاء کی شان ومنزلت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیوں کہ خاتم الاولیاء ایک جہت سے انزل ہیں تو دوسری جہت سے اعلیٰ ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی اور مولانا عبدالرزاق کاشانی نے اپنی اپنی شرح فصوص الحکم میں شیخ اکبر کے اس قول کی جو وضاحت کی ہے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ خلاصہ یہی ہے کہ مہدی علیہ السلام خاتم الاولیاء اور باطن خاتم الانبیاء ہیں آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انزل واعلیٰ دونوں حیثیتیں حاصل ہیں۔ ایک جہت سے تابع رسول اللہ ہیں تو دوسری جہت سے متبوع بھی ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ ایک جہت سے متبوع ہیں تو دوسری جہت سے تابع ہیں۔ یہی تابعیت ومتبوعیت جو محققین اہل سنت کے اقوال سے ثابت ہے اور جس کی امامنا علیہ السلام نے ''**ماتابع رسول اللہ ھستیم در شریعت ومتبوع در معنی**'' کے فرمان سے توثیق فرمائی ہے۔ رسول ومہدی کے کمال تسویت کی دلیل ہے۔

صاحب گلشن راز اور اس کے شارح صاحب مفاتیح الاعجاز، صاحب ارشاد العارفین اور شیخ اکبر، عبدالرحمٰن جامی، عبدالرزاق کاشانی وغیرہ محققین اہل سنت کی تحقیق کا خلاصہ یہی ہے کہ خاتم ولایت محمدیہ حضرت مہدی علیہ السلام کی تین حیثیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت کو ناصر دین رسول اللہ، احکام شریعت کے موسس، مقام شریعت میں خلیفۂ رسول اللہ اور آپ کے تابع بنایا ہے۔ امامنا علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ مجھے خدا کا حکم ہو رہا ہے کہ '' **قل انی عبد اللہ تابع محمد رسول اللہؐ**''

دوسری حیثیت یہ ہے کہ آپ کی ذات پاک خاتم الاولیاء یا خاتم ولایت محمدیہؐ ہونے کی جہت سے مرجع کل ہے تمام عوام اور خواص اولیاء وانبیاء کو حضرت کی مشکوٰۃ میں دیدار ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے امام مہدی علیہ السلام کی ذات اقدس متبوع حقیقی ہے اسی کی طرف امام خیر الانام مہدی موعود علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ'' **ما تابع رسول اللہ ھستیم در شریعت ومتبوع در معنی**'' اور یہی

وہ مقام ہے جہاں حضرت نے فرمایا'' **از مہدی کسے بزرگ نیست بجز خدا**'' تیسری حیثیت یہ ہے کہ علم سکوتی، علم باللہ اور سیر لامتناہی خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے (جو ہماری اصطلاح میں رویت مطلقہ کا مقام ہے) اس حیثیت سے خاتمین علیہما السلام کی ذوات مقدسہ جمیع مراتب علم باللہ اور مدارج تقرب من اللہ میں ایسے برابر ہیں کہ ایک بال برابر فرق بھی روا نہیں ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے تعلق سے امامنا علیہ السلام نے اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ

ماھر دو از جملہ مشرکاں نہ ایم

یہ فرمان آیۂ کریمہ'' **ما انا من المشرکین** '' کا بیان واقع ہوا ہے۔ پس اس مقام میں خدائے تعالیٰ کے حکم سے خاتمین برابر ہیں۔ تسویت کے اس اعتقاد کو ہمارے بعض لوگوں نے فروعی سمجھا لیکن یہ غلطی ہے۔ نص قرآن سے جو امر ثابت ہو وہ اصولی ہے اور اس اہمیت کا حامل ہے کہ رسولؐ اور مہدیؑ میں اس مقام میں بال کے ہزارویں حصہ کے برابر بھی فرق کرنے والا ایمان سے بے نصیب ہے۔

کمال علم، حسنِ اعتقاد اور دین و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مرتبہ کو اس کے مقام پر رکھا جائے۔ غلطِ مبحث کرنا اور اضداد کو مرتبۂ واحد میں جمع کرنا نقصان و خلل سے خالی نہیں ہے۔

مشہور تابعی حضرت ابن سیرینؒ کا قول متکلمین و محققین اہل سنت کے بیان کردہ ان تمام وجوہ ظاہری و باطنی کو جامع ہے۔ چنانچہ صاحب عقد الدرر نے عوف بن منبہ سے روایت کی ہے کہ ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ ''**یعدل نبینا**'' یعنی مہدی علیہ السلام ہمارے نبی کے برابر ہوں گے۔

حاصل یہ کہ رسولؐ و مہدیؑ کی تسویت کے اعتقاد میں مہدویہ منفرد نہیں ہیں بلکہ ان کا اعتقاد محققین اہل سنت کی تحقیق کے ٹھیک مطابق ہے۔ مہدویہ کا اعتقاد نص قرآن مجید'' **ما انا من المشرکین**'' '' **عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا** '' وغیرہ نصوص صریحہ سے مستفاد ہونے کے علاوہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ شریفہ اور حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے فرامین پر مبنی ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اور جن کی موجودگی میں کسی اور دلیل و حجت کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم محققین اہل سنت اپنے اپنے اصول پر رسولؐ و مہدیؑ میں جو نسبتیں قائم کرتے ہیں مہدویہ کا اعتقاد اس کے مغائر نہیں ہے۔ البتہ مہدویہ جامع طور پر ان سب نسبتوں کی تسویت سے تعبیر کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مذهب ما كتاب الله

امامنا علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔" مذهب ِ ماكتاب الله واتباع رسول الله"یعنی حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ'' میرا مذہب قرآن مجید اور اتباع رسول اللہ ہے'' خلاصۂ فرمان یہ ہے کہ انبیاء اور خلیفۃ اللہ کے سوا کوئی فرد بشر معصوم نہیں ہے۔ ہر ایک سے صدور خطا کا امکان ہے۔ اور چونکہ مہدی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس خلیفۃ اللہ ہے اور خلافت الٰہیہ کے لئے عصمت لازم ہے۔ پس حضرت معصوم عن الخطا ہیں۔ ائمہ مجتہدین چونکہ معصوم نہیں ہیں اس لئے حضرت کسی غیر معصوم کی اتباع نہیں کر سکتے۔ اس لئے فرمایا کہ میں کسی امام مجتہد کا تابع نہیں بلکہ صرف خدا اور رسول کا تابع ہوں۔ علمائے اہل سنت کی بھی یہی تحقیق ہے۔ چنانچہ ملا علی القادری اور علامہ طحطاوی نے یہی لکھا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کسی کی اتباع نہیں کریں گے۔ اس فرمان مبارک کا شان ورود یہ ہے کہ دعویٰ موکدہ کے بعد علمائے پٹن نے بعض مسائل میں حضرت سے بحث کی' حضرت نے جوابات دیئے۔ انہوں نے کہا' آپ جو کچھ فرماتے ہیں قرآن سے فرماتے ہیں اور ہم قرآن سے کسی مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ ہم تو امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مقید ہیں۔ فرمایا میں کسی مذہب کا مقید نہیں ہوں۔ میرا مذہب اللہ کی کتاب اور رسول اللہؐ کی پیروی ہے۔

اس فرمان میں ''مذہب ما'' سے ''مذہب گروہ ما'' یا ''مذہب قوم ما'' مراد نہیں بلکہ ''مذہب من'' یا'' مذہب بندہ'' مراد ہے۔ یہ صرف حضرت ہی کی خصوصیت ہے کہ آپ خدا اور رسولؐ کے پیرو ہیں۔ حضرت نے اپنی قوم کو حکم نہیں دیا ہے کہ وہ احکام فقہیہ میں راست قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کریں بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ ائمہ مجتہدین میں اس امام کے مذہب پر عمل کیا جائے جس میں عزیمت وعالیت ہے۔ اخلاق' مواعظ' عقائد اور فضائل اعمال وغیرہ امور میں ضرور حدیث شریف سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن فقہی مسائل میں حدیث بتوسط مجتہد حجت ہوتی ہے۔ جمہور اہل سنت کا یہی اعتقاد وعمل ہے کہ وہ احکام شرعیہ میں کسی نہ کسی امام مجتہد کے مقلد ہیں' یہی حق ہے اور بفرمان امام علیہ السلام مہدویہ کا یہی مذہب ہے۔ بعض ناواقف لوگ فقہی مسائل بھی راست قرآن وحدیث سے مستخرج کرنے کی غلطی کرتے ہیں حالانکہ یہ نا مناسب ہے۔ آئمہ مجتہدین کا مذہب قرآن وحدیث سے مستنبط ہے ان کے مذہب پر عمل کرنا گویا قرآن وحدیث پر عمل کرنا ہے۔ اور حضرت نے اسی طریقہ کی رہنمائی فرمائی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ''مذہب ما کتاب اللہ واتباع رسول اللہ'' کے فرمان کو جو خاص ذات اقدس سے متعلق ہے۔ قوم سے متعلق کر دیا جائے۔ آج کل ہماری قومی مجالس میں اس فرمان کو اس نہج سے پیش کیا جاتا ہے کہ مہدویہ کا عمل توسط ائمہ کے بغیر راست قرآن وحدیث پر ہے۔ یہ مذہب اہل حدیث کا ہے کہ وہ کسی امام مجتہد کے مقلد نہیں ہیں اسی مذہب کو وہابیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہمارا یہ مذہب نہیں ہے۔ فرمان مبارک کو اس کے اصل موقع ومحل سے بدل دینا اور قوم سے متعلق کرنا قطعاً نادرست ہے۔

☆☆☆☆☆

بدنبال منکران مہدی نماز مگزارید

(منکران مہدی کی اقتداء میں نماز نہ پڑھو)

حضرت امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ۱۴/ جمادی الاول ۸۴۷ھ ۸/ستمبر ۱۴۴۳ء دوشنبہ کے روز ولادت باسعادت ہوئی۔ اسد العلماء سید الاولیاء کے مبارک لقب سے شہرت عام تھی۔ جنگِ دلپت اور جذبہ دوازدہ سالہ (۱۲) کے بعد جب عمر شریف ۴۰ سال کی ہوئی تو خدائے تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ہماری راہ میں ہجرت کرو اور حج بیت اللہ کے ارادہ سے نکلو۔ حسب الحکم ۸۸۷ھ میں جونپور سے ہجرت فرمائی۔ منزل اول دانا پور میں ام المصدقین سیدتنا الہدیٰؓ نے اور بعض دوسرے مقامات پر اکثر اصحاب ومہاجرین نے عرض کیا کہ ہم کو منجانب اللہ علم ہو رہا ہے کہ حضرت کی ذات مہدی موعودؑ ہے فرمایا صحیح ہے مگر ابھی اس کے اظہار کا وقت باقی ہے۔ ۹۰۱ھ میں مکہ معظّمہ میں پہلی مرتبہ زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ **انا المهدی الموعود من اتبعنی فهو مومن .**

میں مہدی موعود ہوں جس نے میری اتباع کی وہی مومن ہے۔ حج سے واپسی کے بعد احمد آباد میں دوسری مرتبہ ۹۰۳ھ میں یہی ارشاد گرامی ہوا ہے۔ جب ۹۰۵ھ میں بڑلی تشریف لائے تو فرمایا آج سے اٹھارہ سال پہلے جب میں دانا پور میں تھا تو تجلی ذاتی چمکی اور حکمِ محکم شرفِ صدور لایا کہ

''سید محمد! ہم نے تم کو اپنی کتاب کا عالم بنایا ہے۔ قرآن کے معانی جو ہماری مراد ہیں تم کو سکھلا دیئے ہیں۔ ایمان کو تمہارے حوالہ کر دیا ہے ایمان کے خزانوں کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں دیدی ہیں اور تم کو دینِ محمد ﷺ کا ناصر بنایا ہے اور میں تمہارا ناصر ہوں تم دعوی مہدیت کرو۔ تمہارا انکار ہمارا انکار ہے''

فرمایا اس کے بعد یہی حکم ہوتا رہا اور میری طرف سے عذر ومعذرت ہوتی رہی اٹھارہ سال گذر گئے۔ مگر آج تاکید شدید ہے اور کمال عتاب ہے حکم ہو رہا ہے کہ ہماری قضاء قدر جاری ہو چکی ہے اگر تم نے ہمارے حکم کی تعمیل کی اور شدائد پر صبر کیا تو تم کو اجر ملے گا اور اب بھی تم نے جزع فزع کیا تو ہماری درگاہ سے دور کر دیئے جاؤ گے اس کے بعد فرمایا۔

''آج مجھے اطاعت وتسلیم کے سوا چارہ نہیں ہے خدائے تعالیٰ کے حکم سے جس میں خواب

والہام اور کشف ومعاملہ کو دخل نہیں ہے بلکہ یقظة و مشافهة خاص اس کی ذات سے ہورہا ہے۔ بحالت صحت وعقل وہوش دعویٰ کرتا ہوں کہ میں اللہ کا خلیفہ مہدی موعود خاتم ولایت محمدیہ ہوں جس نے میری اتباع کی وہ مومن ہے اور جس نے میرا انکار کیا وہ کافر ہے کتاب اللہ اور اتباع محمد رسول اللہ میرے دعویٰ کے گواہ ہیں''

اس دعویٰ کو دعویٰ موکدہ کہا جاتا ہے جسکے بعد حضرتؑ نے اپنے منکر پر حکم تکفیر جاری فرمایا ہے جب ملک سندھ کے پایہ تخت شہر ٹھٹھہ تشریف لائے تو اس فرمان واجب الاذعان کے ذریعہ متنبہ فرمایا کہ:۔

بدنبال منکران مہدی نماز مگزارید ' اگر گزارده باشید باز بگردانید

یعنی منکر مہدی کی اقتداء میں نماز نہ پڑھو اگر پڑھ لی گئی ہے تو اس کا اعادہ کرو۔

یہ فرمان صداقت نشان تمام کتب نقلیات میں موجود ہے اور حضرت بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایتؑ نے بھی عقیدہ شریفہ میں اس کو نقل فرمایا ہے جس کی صحت پر اجماع صحابہ ہے۔غرض یہ نقل شریف پوری قوم میں مشہور متداول اور متواتر باللفظ والمعنی ہے جس کا انکار موجبِ کفر ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اس فرمان کا معنی ومطلب بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت نے یہ حکم کیوں نافذ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ حضرت کی ذات اقدس خلیفتہ اللہ' معصوم عن الخطاء اور مہدیِ موعودہ ہے جس کی تصدیق فرض اور انکار کفر ہے۔عدم جواز اقتدائے منکر کی یہی علت ہے اس کے بعد مزید صراحت کی ضرورت نہیں ہے۔اس سے قطع نظر کہ حضرت کی ذات اقدس منتہائے سوال ہے جہاں حجت ودلیل طلب نہیں کی جاسکتی۔ یہ فرمان احکامِ شرع شریف کے عین مطابق ہے کہ کسی مسلمان میں موجباتِ کفر میں سے کوئی موجب پایا جائے تو اس پر کفر کا اطلاق ہوسکتا ہے۔اور اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں ائمہ مجتہدین اور علمائے دینِ متین نے یہ طئے کردیا ہے کہ کسی امام کی اقتداء کرنے کے لئے امام میں ظاہری اور باطنی دونوں طہارتیں ضروری ہیں۔ باطنی طہارت یعنے امام کے صحیح العقیدہ ہونے کی بحث بعد آتی ہے۔ظاہری طہارت کے یہ معنی ہیں کہ جس امام کی اقتداء کی جارہی ہے اس کا جسم اور لباس پاک ہو' باوضو ہو' ارکان نماز کو پوری طرح ادا کررہا ہو' قبلہ رخ ہو' مفسدات نماز سے واقف ہو وغیرہ۔اگر کسی کے جسم یا کپڑے پر نجاست لگی ہوئی ہو یا بے وضو ہے یا باوجود غسل

واجب ہونے کے وضو کرلیا ہے تو ایسے امام کی اقتداء درست نہ ہوگی طہارت اور کامل نماز کے بارے میں بھی بعض باتیں ایسی ہیں کہ ایک امام کے پاس اس قدر ضروری ہیں کہ اس کے بغیر نماز ہی درست نہیں ہوتی اور دوسرے امام کے پاس اتنی ضروری نہیں ہے بلکہ عالیت ہے نماز ہو جاتی ہے ایسے اختلافی مسائل میں ہر مقلد اپنے امام ہی کے قول پر عمل کرتا ہے دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا اس کے لئے ضروری نہیں ہے۔ بین الائمہ اختلافی مسائل میں مقتدی کو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ امام میں ایسی کوئی بات تو نہیں ہے جس سے مقتدی کے پاس نماز کی صحت متاثر ہوتی ہے۔ اگر امام میں ایسا کوئی نقص پایا جاتا ہے تو اس مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی مثال کے طور پر ان چند اختلافی مسائل پر غور کیا جائے۔

مثلاً حنفیہ کے پاس جسم سے خون یا پیپ نکلے، قئے کرے یا فصد لیا جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے شافعیہ کے پاس پیشاب یا پاخانہ کے سوا فصد لینے یا جسم سے خون نکلے یا قئے کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ پس حنفیہ مسلک کا کوئی مسلمان کسی ایسے شافعی کی اقتداء نہیں کرسکتا جو فصد لینے یا جسم سے خون نکلنے یا قئے کرنے کے بعد یا ناک سے خون بہنے کے بعد وضو نہیں کرتا کیونکہ شافعی امام اس حنفی مقتدی کے اعتقاد میں بے وضو ہے۔

وضو میں سر کا مسح کرنا سب آئمہ کے پاس فرض ہے لیکن مقدار مسح میں اختلاف ہے امام اعظمؒ کے پاس پاؤ سر کا مسح فرض ہے۔ امام شافعی کے پاس ایک دو بال بھی تر ہو جائیں تو کافی ہے۔ امام اعظمؒ کے مقلد یعنی حنفی مسلمان ایسے شافعی المذہب کی اقتداء نہیں کرسکتا جو پاؤ سر سے کم کا مسح کیا ہو۔ کیونکہ حنفی کے پاس اس کے مذہب کی رو سے شافعی امام بے وضو ہے۔

امام شافعی کے مذہب میں قلتین یعنی تقریباً پانچ سو رطل پانی ہو تو کثیر ہے۔ اس میں نجاست گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ اس پانی سے وضو جائز ہے مگر حنفیہ کے پاس قلتین پانی میں نجاست گر جائے تو پانی نجس ہو جاتا ہے۔ حنفیہ کے پاس پانی کا پھیلاؤ اس قدر ہونا ضروری ہے کہ ایک کنارہ کو حرکت دی جائے تو دوسرا کنارہ متحرک نہ ہو۔ فقہائے حنفیہ نے اس کی پیمائش دہ در دہ قرار دی ہے۔ یعنی اس کا عرض وطول دس دس گز اور مربع ایک سو گز ہو۔ اگر کوئی شخص قلتین پانی سے جس میں نجاست گر گئی ہو وضو کر کے نماز پڑھائے تو کسی حنفی کی نماز اس امام کی اقتداء میں صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ نجس پانی سے وضو

کرنے کے وجہہ سے بے وضو ہے۔

رکوع وسجود والی نماز میں (نماز جنازہ مستثنیٰ ہے) کوئی شخص کھل کھلا کر ہنس دے تو حنفیہ کے پاس وضوٹوٹ جاتا ہے۔امام شافعیؒ کے مذہب میں وضونہیں ٹوٹتا۔اگر کوئی شافعی المذہب قہقہہ کے بعد وضو کئے بغیر امامت کرے تو امام اعظمؒ کا مقلد اس کی اقتداء نہیں کرسکتا کیونکہ حنفی کے اعتقاد میں شافعی امام بے وضو ہے۔اگر کوئی شخص اپنی شرم گاہ کو کسی حائل کے بغیر چھولے یا کسی اجنبی عورت کو ہاتھ لگالے تو امام شافعیؒ کے مذہب میں وضوٹوٹ جاتا ہے۔اور امام اعظمؒ کے مذہب میں ان دونوں باتوں سے وضو نہیں ٹوٹتا۔فرض کرو اگر کوئی حنفی مسلمان اپنی شرم گاہ کو کسی حائل کے بغیر مس کرلے یا کسی اجنبی عورت کو چھولے تو اس کا وضونہیں ٹوٹا۔یہ اپنے مذہب کی رو سے باوضو ہے۔لیکن شافعی المذہب اس کی اقتداء نہیں کرے گا کیونکہ اس کے مذہب کی رو سے حنفی امام بے وضو ہے۔

امام مالکؒ کے پاس نماز میں رکوع کے بعد قومہ (یعنی سیدھا کھڑا ہونا) اور السلام علیکم کہہ کر نماز کو ختم کرنا فرض ہے۔اور یہہ دونوں باتیں امام اعظمؒ کے پاس فرض نہیں ہیں۔اگر کوئی حنفی رکوع سے سیدھا ہوئے بغیر سجدہ میں چلا جائے یا لفظ السلام علیکم کے بجائے کوئی اور لفظ کہہ کر نماز ختم کردے تو کسی مالکی کی نماز اس حنفی کی اقتداء میں درست نہ ہوگی۔بطور نمونہ یہ چند اختلافات اہل سنت کے دو بڑے گروہ میں تھے کہ جس کی وجہ سے ایک مسلمان کی نماز دوسرے مسلمان کے پیچھے درست نہیں ہے۔اس کے علاوہ اہل سنت اور فرقہ امامیہ میں جو اختلاف ہیں اس کی ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اہل سنت کے پاس وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے۔پاؤں کا کچھ حصہ بھی خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوتا۔امامیہ کے پاس پاؤں پر صرف مسح کافی ہے۔پس اہل سنت کی نماز اس شیعی کے پیچھے نہ ہوگی جو وضو میں پاؤں نہیں دھوتا۔

اہل سنت کے پاس مسح خفین جائز ہے یعنے وضو میں پاؤں دھوکر موزے پہن لئے جائیں تو حضر میں ایک دن ایک رات اور سفر میں تین دن اور تین رات وضو کرتے وقت موزے اتار کر پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں۔موزوں پر مسح کرلینا جائز ہے۔امامیہ کے پاس مسح خفین جائز نہیں ہے۔پس موزوں پر مسح کرنے والے اہل سنت کی اقتداء شیعیوں کے پاس جائز نہیں ہے۔رسائل الشیعہ (فقہ شیعی)

میں حضرت امام جعفر صادقؒ کا قول مذکور ہے کہ

لا تمسح ولا تصل خلف من یمسح .....یعنی'' نہ موزوں پر مسح کرو اور نہ مسح کرنے والوں کی نماز میں اقتداء کرو''

بے شمار اختلافی مسائل میں سے ان چند مسئلوں پر غور کرنے سے واضح ہوگا کہ بعض مسائل ایسے ہیں ان کی وجہ سے ایک شافعی کی نماز حنفی امام کی اقتداء سے اور ایک حنفی کی نماز شافعی امام کی اقتداء سے باطل ہے اور ایک مالکی کی نماز اس حنفی، شافعی اور حنبلی امام کے پیچھے باطل ہے جو رکوع سے قومہ کے بغیر یعنے (رکوع سے سیدھا کھڑے ہونے) کے بغیر سجدہ میں چلا جائے۔ کیونکہ اس کے اعتقاد میں امام تارکِ فرض ہے۔ امام احمد حنبل کے مذہب میں تو طہارتِ ظاہری اور پابندی ارکان نماز اور اختلافاتِ عقائد کے علاوہ آپس میں عداوت ومنافرت ہو تو بھی ایک دوسرے کی اقتداء جائز نہیں ہے علامہ ابن تیمیہ (حنبلی) لکھتے ہیں۔

اذا کان بین الامام والما موم معادات من جنس اهل الاهواء والمذاهب لا یتبع (الاخبار العلمیه)

یعنی'' امام اور مقتدی میں ایسی مخاصمت ہو جو اہل اہوا (نصوص شرعیہ کو چھوڑ کر اپنی خواہشات پر عمل کرنے والوں) میں اہل مذاہب میں ہوتی ہے تو ایسے امام کی اقتداء بھی نہیں کرنی چاہئے۔

فقہی ضابطہ یہی ہے کہ جن مسائل میں ائمہ اربعہ امام اعظمؒ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ نے اختلاف فرمایا ہے ان مسائل میں مقتدی کا مذہب دیکھا جاتا ہے اور اسی کی رائے اقتداء کی صحت اور عدم صحت میں معتبر ہوتی ہے۔ امام کے مذہب کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔

ان العبرة فی جواز الصلوٰة وعدم الجواز ..... المقتدی لا لرای الامام اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مقتدی کو معلوم ہو جائے کہ امام میں ایسی کوئی بات ہے جو صحتِ نماز کی مانع ہے تو ایسے امام کی اقتداء نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جائز یا ناجائز ہونے میں مقتدی کی رائے یا اس کا مذہب دیکھا جاتا ہے نہ کہ امام کا۔ اسکی مثالیں اوپر گذر چکی ہیں۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں بھی شرائط امامت کے تحت لکھا ہے۔ **ومنها ان تکون صلواة الامام صحیحة فی مذهب الماموم** .یعنے

شرائط امامت کے منجملہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ مقتدی کے مذہب کی رو سے امام کی نماز صحیح و درست ہو۔

علامہ ابن نجیم نے بحرالرائق میں لکھا ہے کہ

لا خصوصیة بالشافعیة بل الصلواة خلف کل مخالف للمذهب لذلک یعنی ''عدم جوازِ اقتداء میں کچھ شافعیہ کی خصوصیت نہیں بلکہ (حنفی) کے لئے ہر مخالف مذہب کے پیچھے نماز ادا کرنے کا یہی حکم ہے۔

ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر مسلمان اپنے مذہبی احکام کا پابند ہوتا اور وہ جس امام کا مقلد ہے اس امام کے مذہب کی پیروی اس کے لئے لازم وضروری ہے۔

جس طرح امام کی ظاہری طہارت اور ارکان وواجبات کی ادائی نماز کی صحت کے لئے ضروری ہے اس طرح امام کی باطنی طہارت یعنی اس کا صحیح العقیدہ ہونا صحتِ نماز کی ایسی شرط ہے کہ صرف ظاہری طہارت پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے اعتقاد کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ لہذا جس امام کی اقتداء میں نماز ادا کی جارہی ہے اگر چہ اس کا جسم اور لباس پاک ہے۔ باوضو ہے روبقبلہ ہے۔ فرائض وواجبات سنن ومستحبات سب ادا کر رہا ہے۔ لیکن فرض کرو وہ غیر مسلم ہو تو یقیناً اس کی اقتداء میں نماز درست نہ ہوگی کیونکہ اس کا فساد اعتقاد یعنی اس کا کفر اس کی اقتداء کا مانع ہے۔ پس امام کی ظاہری طہارت کے علاوہ اس کی باطنی طہارت یعنی صحتِ اعتقاد نماز درست ہونے کی ایک ضروری شرط ہے۔ امام کی باطنی ناپاکی یعنی اس کے فسادِ اعتقاد کے بارے میں ایک فقہی ضابطہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ اگر امام اس بداعتقادی کی وجہ سے فاسق وفاجر (گناہ گار) ہو جاتا ہے تو اس کی اقتداء مع الکراہت جائز ہے اور اگر اس کے اعتقاد میں ایسا نقص ہے جس سے وہ کافر ہو جاتا ہے تو اس کی اقتداء جائز نہیں ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں حنفیہ کا مذہب یہ لکھا ہے۔

ان کان هولا یکفر به صاحبه تجوز الصلوة خلفه مع الکراهة والا فلا .....

یعنے ''امام کے اعتقاد میں جو فساد ہے اگر اس سے وہ کافر نہیں ہو جاتا اس کے پیچھے نماز مع الکراہیت جائز ہے اور اگر امام کے اعتقاد میں ایسا نقص وفساد ہے جس کی وجہ سے کفر لازم آجاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

بقیہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ جو مسلمان اس قدر غلو کرے کہ کافر نہیں ہو جاتا تو اس کے پیچھے

نماز درست ہے اور اگر غلو سے کافر ہو جاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے پھر لکھا۔

والرافضی الغالی الذی ینکر خلافة ابی بکر الصدیق لا یجوز .

یعنی ''وہ غالی رافضی جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا منکر ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ **لا یصح الاقتدا بمن یعلم بطلان صلاته کعلمه بکفره** (نہایۃ المحتاج)

یعنے ''نماز میں اس شخص کی اقتداء درست نہیں ہے جس کی نماز باطل ہونا معلوم ہو جیسے اس کا کافر ہونا'' امام احمد کا مذہب یہ ہے

لا تصح خلف کافر ولومع جهل کفره (المنتہیٰ)

یعنے ''کافر کی اقتداء میں نماز صحیح نہیں ہے اگر چہ اس کے کفر سے لاعلمی ہو''۔

بلکہ فاسق کی اقتداء بھی امام احمدؒ کے مذہب میں جائز نہیں ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں لکھا ہے۔

ولا تصح امامة فاسق مطلقا

یعنی ''فاسق کی امامت سے نماز مطلقاً صحیح نہیں ہے''

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ائمہ مجتہدین کا متفقہ مذہب اس طرح لکھا ہے۔

یشترط لصحة الجماعة شروط منها الاسلام ولا تصح امامة الکافر

یعنے ''نماز مع الجماعت صحیح ہونے کی جو شرائط ہیں ان کے منجملہ ایک شرط اسلام بھی ہے۔ کافر کی امامت جائز نہیں ہے''۔

علمائے اہل حدیث (یعنی وہ لوگ جو ائمہ مجتہدین کے مقلد نہیں ہیں) کافر کی اقتداء درست نہیں رکھتے۔ مولوی وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں۔

والنهی عن الصلواة خلف المبتدع محمول علی الکراهة بشرط ان لا تبلغ بدعته الی الکفر والا لا یحوز الصلواة خلفه (ہدیۃ المہدی)

یعنی ''بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے بشرطیکہ اس کی بدعت کفر تک نہ پہنچے۔ اگر اس کی بدعت کفر تک پہنچ جائے تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔''

حضرات شیعہ تو اور آگے نکل گئے ہیں ان کے پاس جو شیعوں کا مخالف ہے یا ولد الزنا ہے یا بے ختنہ ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ ہدایۃ الہدایہ میں لکھا ہے۔

لا یجوز الاقتداء بالمخالف لا ھل الحق ولا بالمجھول ولا بالفاسق ولا الا غلف ولا ولد الزنا ......

یعنے ''جو اہل حق کا یعنی شیعوں کا مخالف یا مجہول الحال ہے یا فاسق ہے یا غیر مختون ہے یا ولد الزنا ہے تو اس کی اقتداء جائز نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

لا تصل خلف من یشھد علیک بالکفر وخلف من شھدت علیه بالکفر (وسائل شیعہ)

یعنی ''اس شخص کے پیچھے نماز مت پڑھو جو تم کو کافر کہتا ہے نہ اس کے پیچھے نماز پڑھو جس کو تم کافر کہتے ہو''۔

ان اقوال سے ثابت ہو رہا ہے کہ ائمہ اہل سنت والجماعت کے پاس کافر کی اقتداء درست نہیں ہے بلکہ امام احمدؒ اور شیعہ تو فاسق کی اقتداء بھی ناجائز کہتے ہیں۔

کفر کے معنی لغت میں ناگرویدن وناسپاس کردن کے ہیں یعنے اطاعت نہ کرنا اور ناشکر گزاری کرنا۔ اسی طرح کفر کے معنی چھپانے کے بھی ہیں۔ چنانچہ کاشتکار کو جو دانہ زمین میں دبا دیتا ہے کافر کہتے ہیں۔ اسی واسطے حق بات کو چھپانے والے کو بھی کافر کہا جاتا ہے تو گویا کسی کو کافر کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ حق پوشی کرتا ہے خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں سؤ سوا سو سے زیادہ مقامات پر کافر' کافرین کے الفاظ استعمال فرمایا ہے۔ عربی زبان کے لحاظ سے اس کے یہی معنی ہوں گے کہ وہ لوگ جو خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے گریز کئے اور خدائے تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کی۔ خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ''**قل یا ایھا الکا فرون**'' یعنے کہو اے کافرو! یعنی اے لوگو جو خدا پر اور میری رسالت پر ایمان نہ لائے ہو۔ ایک مسلمان کسی غیر مسلم کو کافر کہے گا تو اسی کے یہی معنی ہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی رسالت ونبوت پر ایمان نہیں لایا۔ یہ ایک امر واقعہ کا اظہار

ہے گالی نہیں ہے۔ پس خدا اور رسول کی ذات اور ان کے احکام وتعلیمات سے اعراض وانکار کرنے کو شرعی اصطلاح میں کفر کہا جاتا ہے پس کسی مسلمان میں خدا ورسول کے احکامات وتعلیمات سے انکار پایا جائے تو اس پر بھی کفر کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ چنانچہ علامہ طحطاوی لکھتے ہیں کہ

''جو شخص کسی بدعت کی وجہ سے اہل قبلہ سے خارج ہوجائے یا عالم کے حادث ہونے کا یا حشر ونشر جسمانی کا اور خدائے تعالیٰ کو جزئیات کے علم ہونے کا انکار کرے تو اس کو کفر میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ان باتوں کا انکار کیا ہے جو رسول اللہ سے ضروریاتِ دین کے طور پر ثابت ہوئے ہیں''۔ (حاشیہ درالمختار)

اہل سنت کی کتابیں موجباتِ کفر سے بھری ہوئی ہیں اور کفر کی اس قدر ارزانی ہے کہ قدم قدم پر ایک مسلمان کافر ہوجاتا ہے تفصیلات میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے مثال کے طور پر حضرت امام اعظمؒ کے مذہب میں۔

ضروریات دین سے کسی بات کا انکار کیا تو کافر ہوگیا (درالمختار)

کسی نے اللہ کی شان کے خلاف بات کہی یا اس کے کسی اسم وحکم کا مضحکہ اڑایا یا عذاب وثواب کا انکار کیا کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا یا اس کی طرف جہل ونقص کی نسبت کی تو کافر ہوگیا (فتاویٰ عالمگیریہ)

اگر کہا خدائے تعالیٰ بھی مجھے یہ حکم دے تو نہ کروں گا کافر ہوگیا۔ (فتاویٰ عالمگیریہ)

کسی حکم کے بارے میں کہا کہ اللہ نے یہ ظلم کیا ہے تو کافر ہوگیا (فتاویٰ عالمگیریہ)

کسی نے کہا فلاں شخص راحت وآرام میں ہے اور میں تکلیف ومصیبت میں ہوں یہ کیا انصاف ہے تو کافر ہوگیا (فتاویٰ عالمگیریہ)

اپنی بیوی سے کہا تو مجھے خدا سے زیادہ محبوب ہے تو کافر ہوگیا۔ (فتاویٰ عالمگیریہ) قرآن پڑھا جارہا ہے، کسی نے کہا یہ کیا طوفانی آواز ہے تو کافر ہوگیا (فتاویٰ عالمگیریہ)

دف بجا کر قرآن پڑھا تو کافر ہوگیا (فتاویٰ عالمگیریہ)

حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا تو کافر ہوگیا (فتاویٰ عالمگیریہ)

کفایہ شرح ہدایہ میں تو صرف خلافت ابوبکر صدیقؓ کے منکر کو کافر لکھا ہے مگر فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔

من انکر امامة ابی بکر الصدیق فھو کافر و کذلک من انکر خلافة عمر فی اصح الاقوال

یعنے ''صحیح قول یہی ہے کہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروقؓ دونوں کی امامت کا منکر کافر ہے۔

امام مالکؒ وشافعی واحمدؒ کے مذہب میں بھی موجبات کفر کثرت سے ہیں، ۔مثلاً امام مالکؒ کے مذہب میں:۔

نماز کی فرضیت اور زنا کی حرمت کا انکار کیا قرآن اور حدیث متواتر سے جو بات از روئے دین ضروری ثابت ہوئی ہے اس کا انکار کیا تو کافر ہوگیا (اقرب المسالک)

خدائے تعالیٰ کی بعض کتابوں کا انکار کیا۔ اللہ کو یا کسی رسول کو گالی دی نبوت کا دعویٰ کیا۔ دینی امر کی یا قرآن کی توہین کی تو کافر ہوگیا۔ (اقرب المسالک)

امام شافعیؒ کے مذہب میں:۔ اللہ کا یا اللہ کے رسولوں کا انکار کیا۔ حرام کو حلال' حلال کو حرام جانا' جو چیز بالاجماع واجب ہے اس کا انکار کیا' یا جو واجب نہیں ہے اس کو واجب قرار دیا تو کافر ہوگیا بلکہ اس کے کفر میں تردد یعنے شک وشبہ کرنا بھی کفر ہے (منہاج فقہ شافعی)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت کا انکار کیا یا حضرت عائشہؓ کی شان میں بدگوئی کی تو کافر ہوگیا (منہاج فقہ شافعی)

بعض شوافع کے پاس حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور امام حسینؓ وامام حسنؓ کی شان میں دشنام دہی بھی کفر ہے (منہاج فقہ شافعی)

امام احمدؒ کے مذہب میں:۔ خدا کے وعدہ اور وعید کا مذاق اڑایا دوسرے اہل ادیان کو کافر نہ سمجھا، یا ان کے کافر ہونے میں شک کیا یا کسی صحابی رسول اللہ کی شان میں ایسی بات کہی جس سے اس صحابی کا کفر مترشح ہوتا ہے تو کافر ہوگیا (غایۃ المنتہی فقہ حنبلی)

علمائے اہل حدیث (جو ائمہ مجتہدین کے مقلد نہیں ہیں) ایک مسلمان کے کافر ہوجانے کے قائل ہیں۔ مثلاً مختلف موجباتِ کفر لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ:۔

جس نے رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا یا ان باتوں کا انکار کیا جو رسول اللہ ﷺ سے ضروریاتِ دین کے طور پر ثابت ہیں۔ یا امر اجماعی کا انکار کیا یا حرام کو حلال سمجھا۔ دینی وشرعی اہم امور کا انکار کیا تو

کافر ہوگیا (ہدیۃ المہدی)

انتہا یہ ہے کہ اہلحدیث' سب اہل سنت کو جو ائمہ اربعہ کے مقلد ہیں بدعتی اور کافر کہنے سے دریغ نہیں کرتے۔ مولوی وحید الزماں صاحب کتاب مذکور میں لکھتے ہیں:۔

''مقلدین بدعتی مسلمان ہیں۔ ان کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ لوگ کتاب وسنت اور اہل حدیث کی توہین نہ کریں۔ اور یہ اعتقاد رکھیں کہ رسول اللہ کی اتباع' مجتہد کی اتباع سے مقدوم ہے ورنہ وہ کافر ہیں ان کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ (مترجماً ومخلصاً)

فرقہ امامیہ بھی ایک مسلمان کے کافر ہوجانے کے قائل ہیں۔ مثلاً اگر کسی نے آخرت کا انکار کیا تو کافر ہوگیا خواہ یہ انکار بغض وعناد سے ہو یا مذاق کے طور پر ہی ہو اور جس نے ضروریاتِ دین مثلاً نماز وغیرہ فرائض کا انکار کیا۔ قرآن' حدیث اور دین ومذہب کی توہین کی یا ازراہ طعن وطنز کہا کہ ''واہ قربان جاؤں خدا کا' قرآن کا' پیغمبر کا' کیا حکم ہے تو کافر ہوگیا۔ (منہج الرشاد فقہ شیعی)

یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ ان علمائے کرام کا مقصد بغض وعناد نہیں ہے' بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ خدا اور رسول کو نہ ماننا' ان کے احکام سے انکار کرنا جو ضروریات دین سے ہیں یا احکام کی توہین کرنا گویا خدا ورسول سے بغاوت ہے اسی کو کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ سمجھ لینا کہ جو شخص **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کہہ دیتا ہے تو کافر نہیں ہوسکتا۔ اندھا دھند اس کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہئے صحیح نہیں ہے۔ کسی میں ایمان واسلام کے خلاف کوئی بات پائی جائے تو اس پر ضرور کفر کا اطلاق کیا جاسکتا ہے علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے۔

''اگر کوئی مسلمان عالم کو قدیم سمجھا' حشر ونشر کا انکار کیا خدائے تعالیٰ کو عالم جزئیات نہ جانا اور دوسرے موجباتِ کفر اس سے صادر ہوں تو اس کے کافر ہونے میں کوئی نزاع نہیں ہے''۔

پس کسی امام کی اقتداء صحیح وجائز ہونے کے لئے جس طرح امام کی ظاہری طہارت ضروری ہے اسی طرح اس کی باطنی طہارت یعنے پاک اعتقاد ہونا بھی صحت نماز کی ایسی شرط ہے کہ اس کو کسی حال میں اور کسی موقع پر اور کسی جگہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اسی بناء پر مہدویہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ ''منکر مہدی کی اقتداء جائز نہیں ہے'' اور یہ نظریہ فقہی احکام کے عین مطابق ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب درالمختار میں لکھا ہے

من انکر بعض ما علم من الدین ضرورۃ کفر بھا فلا یصح الاقتداء بہ فلیحفظ

یعنے ''جو شخص ضروریات دین کا انکار کیا تو کافر ہوگیا۔اس کی اقتداء جائز نہیں ہے اور مسئلہ کو یاد رکھو''

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صحت اقتداء کے لئے مقتدی کے اعتقاد کا اعتبار کیا جاتا ہے' امام کے اعتقاد کا اعتبار نہیں وہ اپنے کو صحیح الاعتقاد سمجھتا ہے لیکن اس کی اقتداء اسی وقت جائز ہے جبکہ مقتدی بھی اس کو صحیح الاعتقاد سمجھتا ہو۔

اوپر کے تمام مسائل کے بارے میں جو امام کی ظاہری و باطنی طہارت وغیرہ ضروریات نماز سے متعلق ہیں ۔ یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ائمہ مجتہدین اور علمائے دین نے بغض وعناد سے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دیا بلکہ ہر امام نے اپنے علم وتحقیق کے مطابق اپنی نماز کو بے عیب اور بے نقص بنانے کی کوشش کی ہے ہر امام کے پاس جو بات ضروری ہے اگر وہ نہ پائی جائے تو اس امام کے مقلدین کے پاس وہ نماز ناقص وناتمام ہوگی اور اس کا اعادہ واجب ہوگا

فتاویٰ عالمگیریہ (فقہ حنفی) میں بے شمار مسائل ہیں کہ نماز کا اعادہ کس وقت واجب ہے طہارت ظاہری کے تعلق سے لکھا ہے کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ امام نے بے وضو نماز پڑھائی یا اس کے کپڑے نجس وناپاک تھے تو نماز کا اعادہ کیا جائے اور طہارت باطنی کے بارے میں لکھا ہے '' **وکذا اذا بان ان الامام کافر** ''

یعنے ''اسی طرح اگر یہ معلوم ہوجائے کہ امام کافر ہے تو نماز کا اعادہ کیا جائے۔

باجوری اور نہایۃ المحتاج فقہ شافعی میں مختلف صورتوں کے منجملہ لکھا ہے

او کافرا معلنا کفرہ کذمی اوبان کافرا مخفیا کفرہ کذ ندیق وجبت الاعادۃ

یعنے ''امام علانیہ کافر ہو جیسے ذمی یا پوشیدہ کافر ہو جیسے زندیق (بداعتقاد) تو نماز کا اعادہ واجب ہے''

گویا امام شافعیؒ کے مذہب میں کفرِ مخفی بھی مانع اقتداء ہے کفر مخفی کے تعلق سے ایک روایت قابل ذکر ہے۔حضرت بایزید بسطامیؒ یا اور کوئی بزرگ سفر میں تھے۔ایک مسجد میں نماز عصر پڑھی۔نماز کے بعد امام مسجد نے پوچھا حضرت کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ فرمایا ملک خدا سے۔کہا رزق کہاں سے ملتا ہے فرمایا خانہ خدا سے امام نے کہا آخر وجہ معیشت اور ذریعہ معاش کیا ہے؟ فرمایا ذرا ٹھہرو تمہارے

پیچھے میں نے جو نماز پڑھی ہے اس کا اعادہ تو کرلوں۔نماز کے اعادہ کے بعد امام نے کہا نماز تو ہر فاسق وفاجر کے پیچھے بھی جائز ہے فرمایا صحیح ہے لیکن کافر کے پیچھے جائز نہیں ہے۔خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔**وما من دابة فی الارض الاعلی الله رزقها** (زمین پر ہر چلنے والے کا رزق اللہ پر واجب ہے) جس کو اللہ کے وعدہ پر بھروسہ نہیں ہے وہ کافر ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو جھٹلاتا ہے اس کی اقتداء میں جو نماز پڑھی گئی ہے اس کا اعادہ کیا جائے (وسائل شیعہ)

پس حضرت امام مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان۔

"بد نبال منکران مہدی نماز مگزار ید اگر گزارده باشید باز بگر دانید

منکران مہدی کے پیچھے نماز نہ پڑھو اگر پڑھ لی گئی ہے تو اعادہ کرلو اسی مسئلہ شرعی کی طرف اشارہ ہے اس حکم محکم کی تعمیل میں کسی منکر مہدی کی اقتداء نہیں کی جاتی اور اگر سہواً یعنے بے خبری سے اقتداء کرلی گئی ہے تو نماز کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

مذکورہ تمام احکام ومسائل ان ائمہ مجتہدین علماء وفقہائے کرام اور بزرگان دین کے بیان کردہ ہیں کہ نہ جن کی تصدیق فرض ہے نہ انکار کفر ہے نہ وہ فرستادہ خدا ہیں۔نہ خلافت الہیہ سے ممتاز ہیں نہ معصوم عن الخطا ہیں۔مگر سب مسلمانانِ عالم الا ماشاء اللہ انہی ائمہ دین کے پیرو ہیں اور انہی کے بتائے ہوئے مذہب کے تابع ہیں اور ہر مقلد اپنے امام کے بیان کردہ مسئلہ کو حق سمجھتا ہے۔اسی طرح مہدوی کسی غیر مہدوی پر کوئی حکم لگاتے یا اس کی اقتداء کو ناجائز کہتے ہیں تو **من عند نفسه** نہیں بلکہ خدا اور رسول کے فرمان کی ترجمانی اور ان کا نقل کلام ہے اور اس امامِ برحق کی اتباع ہے جس کی تصدیق فرض اور انکار کفر ہے۔وہ مبعوث من اللہ ہے۔یعنے اس کی بعثت امتِ محمدیہ کو ہلاکت سے بچانے اور نصرتِ دین محمد ﷺ کے لئے ہوئی ہے خلافت الہیہ کے منصب جلیل سے ممتاز اور خطا سے معصوم ہے۔الحاصل کسی کو کافر کہنا یا کسی مسلمان کے پیچھے نماز نہ پڑھنا مہدویہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ آئمہ مجتہدین اور ان کے مقلدین بھی یہی کہتے ہیں۔پس ع

این گنا ہیست که در شہر شما نیز کنند

انصاف پسند ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ علمائے اہل سنت وامامیہ کس قدر کشادہ پیشانی سے مسلمان پر کفر کا اطلاق فرماتے اور اس کی اقتداء سے منع کرتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ حکم لگایا ہے اس کی تاویل وتوجیہ ضرور موجود ہے۔اسی طرح مہدویہ بھی کسی پر کچھ حکم لگاتے اور اس کی اقتداء کی ممانعت کرتے ہیں تو ان کے پاس بھی اس کی بہترین توجیہات موجود ہیں سب سے بڑھ کر یہ کافر کہنے والا اور اقتدائے منکرین سے منع کرنے والا اللہ کا خلیفہ خطا سے معصوم اور حاکمِ شرعِ محمدی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: بعض مہدوی حج کے موقع پر حرمِ شریف میں جماعتِ کثیر سے متاثر ہوکر یہ خیال کرتے ہیں کہ اس باعظمت مقام پر مہدویوں کا علحدہ نماز پڑھنا افتراقِ جماعت کا باعث ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری قومی کتابوں میں حج کے زمانہ میں حضرت مہدی علیہ السلام کے عمل کی کوئی صراحت نہیں ملتی مگر قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے امیر حج کی اتباع میں حج کیا ہے تو غالباً نماز بھی پڑھی ہوگی اس کے علاوہ بعض لوگ یہ شبہ بھی کرتے ہیں کہ حرم شریف کا امام ساکت کے حکم میں ہے لیکن یہ تمام شبہات بے بنیاد اور نا قابل التفات ہیں۔

نماز میں امامت کا مسئلہ کہ کس امام کی اقتداء کی جائے اور کس کی نہ کی جائے دینی احکام پر مبنی ہے۔کسی کی رائے یا کسی کی مصلحت بینی یا کسی کی نکتہ چینی کو اس میں دخل نہیں ہے اور نہ دینی احکام میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔

از روئے شریعت دنیا بھر کے مسلمانوں کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ حج کے موقع پر اپنے عقائد کو ترک کرکے ایک امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں بلکہ خود شریعتِ مطہر نے اختلافِ عقائد کی صورت میں علحدہ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔افتراقِ جماعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مہدوی، غیر مہدوی کی اقتداء میں نماز نہ پڑھنے کے باوجود مسلمانانِ عالم کے ساتھ اسلامی مفاد ومصالح میں متفق رہیں گے اگر حج کو ایک عام اسلامی کانفرنس قرار دیا جائے تو مہدوی اس میں برابر کے شریک ہیں لیکن ایام حج میں بیک جماعت نماز ادا کرنا ارکانِ حج میں داخل یا ضروری نہیں ہے فقہی مسئلہ یہی ہے کہ صحتِ نماز کے لئے مقتدی اور امام کے عقائد میں اختلاف نہ ہو بلکہ مسائل وضو اور ارکانِ نماز میں معمولی اختلاف بھی مانع اقتداء ہے چنانچہ قریبی زمانے تک ائمہ مجتہدین کے چار مصلّے، مسجد حنفی، مسجد مالکی، مسجد شافعی اور مسجد حنبلی

کے نام سے حرم شریف میں بیت اللہ کے گرد موجود تھے اور ہر امام اپنی جماعت کے ساتھ اپنے مصلے پر نماز پڑھاتا تھا چونکہ امامیہ اہل سنت کی اقتداء نہیں کرتے اس لئے نادر شاہ بادشاہ ایران نے خلیفۃ المسلمین سلطان ترکی سے درخواست کی تھی کہ حرم شریف میں چار مصلوں کے علاوہ پانچواں مصلی مذہب جعفری کا قائم کیا جائے تاکہ شیعہ بھی اپنے طریقے سے نماز ادا کرسکیں۔ نادر شاہ نے باب عالی میں بار بار سفیر بھیجے مگر شیخ الاسلام اور سلطان وقت نے اس مطالبے کو منظور نہیں کیا۔ (جہاں کشائے نادری)

مطلب یہ ہیکہ حرم شریف میں تعداد جماعت قدیم سے جاری ہے۔ شیعہ تو آج بھی امام حرم کی اقتداء نہیں کرتے۔ اگر دوسرے اسلامی فرقے اقتداء کر لیتے ہیں تو غالبًا امام حرم کو اپنا ہم عقیدہ سمجھتے ہوں گے یا اپنے مذہب سے ناواقفیت کی وجہ سے اپنی نمازیں ضائع کرتے ہیں۔ ہر صورت ان کا عمل' مہدویوں کے لئے حجت نہیں ہوسکتا اور یہ واقعہ ہے کہ آج بھی امام حرم کی اقتداء میں جماعت اول ہوجانے کے بعد متعدد جماعتیں حرم شریف میں ہوتی رہتی ہیں مہدوی بھی اپنی جماعت الگ بنائیں یا تنہا نماز پڑھیں۔

حضرت مہدی علیہ السلام نے دعویٰ موکدہ سے پہلے ۹۰۱ میں حج فرمایا ہے لیکن اپنے منکر پر تکفیر کا حکم اور منکر کی اقتداء سے ممانعت ۹۰۵ میں دعویٰ موکدہ کے بعد فرمائی ہے۔ پس حج میں حضرت نے نماز کس طرح ادا فرمائی ایک غیر ضروری بحث ہے۔

امیر حج کا تقرر بھی ایک انتظامی مسئلہ ہے مناسک حج سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ابوداؤد میں ابو سعید خدری اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہیکہ "**قال رسول الله ﷺ اذا خرج ثلثة فی سفر فیو مرو احدهم**" یعنے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تین آدمی سفر کریں تو ایک کو امیر بنالیں"

ہر سفر میں کس کو امیر بنانا مسنون و مستحب ہے۔ حج میں بھی اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ حج میں خود تشریف فرما ہوتے یا حضرت ابوبکرؓ یا حضرت علیؓ کو امیر حج بنا کر روانہ فرماتے تھے تاکہ میدان عرفات میں خطبہ دیں اور مناسک حج بیان کریں۔ یہی طریقہ آج تک بھی جارہی ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مہدی علیہ السلام نے امیر حج کی اتباع میں حج کیا ہے تو اس کی اقتداء بھی کی ہوگی کیونکہ حج میں کسی کی اتباع نہیں کی جاتی۔ ہر شخص بذات خود اور بجائے خود مناسک حج ادا کرنے کا مجاز ہے۔ اس کی اقتداء فی الصلواۃ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ولو بالفرض حضرت نے امیر حج یا امام حرم کی اقتداء فرمائی

بھی ہے تو دعویٰ موکدہ سے پانچ سال پہلے کی بات ہے۔ البتہ ساکت کا مسئلہ بھی اکثر دلوں میں خلجان پیدا کرتا ہے، یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ جب کسی شخص کو مسئلہ مہدیت کا علم ہی نہیں یا علم واطلاع کے بعد اس سے انکار ثابت نہیں ہے تو اس پر حکم تکفیر کس طرح جاری کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ بھی ایک مغالطہ ہے تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصر طور پر اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ آج دنیا میں ایسے بے شمار مقامات اور انسان موجود ہیں جو اسلام کا نام بھی نہیں جانتے۔ لیکن وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے اسلام سے بری الذمہ اور عنداللہ مواخذہ سے بچ نہیں سکتے۔ ایک مسلمان ان لوگوں سے ازدواجی، دینی اور مذہبی تعلقات نہیں رکھتا اور نہیں رکھ سکتا۔ ان کا شمار منکرین رسالت مآب علیہ التحیۃ والتسلیمات ہی میں ہے۔ قرآن وحدیث اور ائمہ دین کے پاس کفر وایمان کے درمیان ساکت کا کوئی شرعی مقام ہی نہیں ہے۔ آج تمام دنیا میں صرف مسلم ہے یا غیر مسلم ہماری اصطلاح میں دعویٰ مہدیت کے بعد سے حضرت مہدی علیہ السلام کی وفات تک کوئی درپے تحقیق تھا تو غالباً اس کو ساکت کہا گیا تھا وفات کے بعد جب کہ دعوت تبلیغ ختم ہوگئی تو ساکت کی اصطلاح، ساکت کا حکم اور اس کا وجود ختم ہوگیا۔ اب صرف مقبل ہے یا منکر، دنیوی حکومتوں کا آئین بھی یہی ہے کہ محکمہ سرکار سے گشتی جاری ہوجانے کے بعد کوئی شخص اپنی ناواقفیت کا عذر نہیں کرسکتا۔ اس سرکاری اعلان کے بعد اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم ہی قرار پائے گا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد مہدوی کو حج میں بھی صرف اپنی جماعت کے ساتھ یا تنہا ہی نماز پڑھنا چاہئے یہ سمجھنا کہ جماعتِ کثیر کا ثواب زیادہ ملے گا غلط تصور، نفس کا دھوکہ، مذہب سے دوری اور مسئلہ اقتداء کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ مہدی علیہ السلام کا فرمان کہ ''منکران مہدی کے پیچھے نماز نہ پڑھو مطلق ہے۔ اس میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ ہند ہو یا سندھ، عرب ہو یا عجم، مکہ ہو یا مدینہ، حرم ہو یا غیر حرم، سفر ہو یا حضر ہر وقت اور ہر جگہ کے لئے حاوی ہے۔ حضرت مہدی علیہ السلام کا فرمان منتہائے سوال ہے جس پر کوئی حجت ودلیل طلب نہیں کی جاسکتی۔ اصل فرمان واجب الاذعان کے علاوہ فقہی مسئلہ یہی ہے کہ عقائد میں اختلاف ہو تو اقتداء جائز نہیں ہے۔ چنانچہ در المختار میں لکھا ہے **وانکر بعض ماعلم من الدین ضرورۃ کفر بھا قولہ ان اللہ جسم من الاجسام وانکار صحبہ الصدیق فلا یصح الاقتدائہ** . یعنی ''اگر کسی نے ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کیا مثلاً کہا کہ خدا تعالیٰ

بھی اجسام میں سے ایک جسم ہے یا کسی نے ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت کا انکار کیا تو کافر ہوگیا اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

کفایہ شرح ہدایہ میں مسئلہ تکفیر اور بحث امامت کے تحت لکھا ہے **الرافضی الغالی ینکر خلافة ابی بکر لا یجوز** .یعنے ''وہ غالی رافضی جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت یعنی خلیفہ رسول اللہ ہونے کا منکر ہے کافر ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں یہ لکھا ہے **من انکر اامامة ابی بکر کافر وکذلک من انکر خلافة عمر فی اصح الاقوال** .یعنے صحیح قول ہے کہ نہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بلکہ عمر فاروقؓ کی امامت وخلافت کا منکر بھی کافر ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا صحابی ہونا تو نصِ قرآن سے ثابت ہے۔اس کا انکار ضرور کفر ہے۔ لیکن مقام غور یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کی خلافت وامامت کا منکر بھی فقہاء کے پاس کافر ہے۔اس کی اقتداء جائز نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ فرستادہ خدا، موعود خدا' خلیفۂ خدا کے منکر کی اقتداء ایک مہدوی کے لئے کس طرح جائز ہوسکتی ہے۔ایک مہدوی اور امامِ حرم کے عقیدہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔حج میں مہدوی کو اپنی جماعت نہ ملے اور تنہا بھی نماز پڑھ لے تو ثواب بے پایاں کا مستحق ہے۔بعض روایات میں ہے کہ حرم شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کا ملے گا۔اگر کوئی مہدوی' منکرِ مہدی کی اقتداء میں ہزاروں اور لاکھوں کی جماعت سے بھی نماز ادا کرے تو ثواب کا کیا ذکر ہے وہ سرے سے بے نمازی ہی رہا۔

اگر کوئی مہدوی عمداً مخالفِ مذہب کی اقتداء میں نماز پڑھ لے تو دو حال سے خالی نہیں ہے۔ اگر وہ منکرِ مہدی علیہ السلام کو کافر نہیں سمجھتا تو یہ مہدی علیہ السلام کی ذات کا انکار ہے اور اگر نماز کو جائز سمجھتا ہے تو یہ فرمان کا انکار ہے۔یہ دونوں باتیں مستلزم کفر ہیں۔اس سے رجوع وتوبہ ضروری ہے۔اگر سہواً یعنی بے خبری سے نماز پڑھ لیا ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دیدہ ودانستہ منکرِ مہدی کے پیچھے نماز پڑھتا رہے اور اعادہ کرتا رہے۔یہ نفاق کی علامت اور تلاعب بالدین (دین کو کھیل بنانا) ہے جو ناجائز ہے۔فقط oooo

دو گانۂ لَیۡلَۃُ الۡقَدَرُ

دوگانہ َ شبِ قدر یعنی شبِ قدر میں دو رکعت نماز با جماعت پڑھنا فرض ہے ۔ اس کی فرضیت، شب قدر کی فضیلت پر مبنی ہے ۔ شب قدر کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

" لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ خَیۡر " مِّنۡ اَلۡفِ شَھۡرٍ "شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے ۔

اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک عابد "شمعون" نے ایک ہزار مہینے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تھا اور پھر ان کا ایک طویل قصّہ بیان فرمایا امام رازی نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ **کان فی بنی اسرائیل رجل یقوم اللیل حق یصبح ثم یجاھد حتی یمسی ففعل ذٰلک الف شھر فتعجب رسول اللہ ﷺ والمسلمون من ذٰلک فانزل اللہ ھٰذہ الأیۃ ای لیلۃ القدر لامتک خیر من الف شھر لذٰلک الاسرائیلی الذّی حمل السلاح الف شھر**

ترجمہ:۔ "بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو ایک ہزار مہینے تک رات بھر عبادت کرتا اور دن بھر جہاد کرتا رہا ۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ایک لیلۃ القدر آپ کی اُمّت کے لئے اس اسرائیلی کی ہزار مہینوں کی عبادت اور جہاد سے بہتر ہے"

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرتؐ نے ایوب، زکریا، خرقیل اور یوشع علیہم السلام کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی اور اسّی، اسّی برس تک اللہ کی عبادت کرتے رہے ۔ صحابہؓ کو رنج و ملال ہوا کہ ہماری عمریں ۶۰ اور ۷۰ سال کے درمیان ہیں ۔ تہائی عمر سونے میں باقی عمر تلاشِ معاش، دوسری ضروریات، بیماری و سُستی میں ضائع ہو جاتی ہے ۔ عبادت کیلئے کتنی عمر باقی رہی ۔ حضرتؐ کے خاطر اقدس پر بھی یہ بات گراں گزری اور خیال آیا کہ سابقہ امتیں جن کی عمریں زیادہ تھیں کثرت عبادت کی وجہ سے ثواب میں بڑھ جائیں گی اور میری اُمت قلّتِ ثواب سے شرمندہ ہوگی ۔ حکم ہوا " **لا تَحۡزَن یا محمدؐ و لا تَغۡتَم** آپ رنجیدہ نہ ہوں اگرچہ آپ کی امت کی عمریں کوتاہ ہیں

لیکن ان کوایک رات ایسی دی جاتی ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے چنانچہ سورۂ قدر نازل ہوا۔ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰـهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ o وَ مَآ اَدۡرٰکَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ o لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡر'' مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ o تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوۡحُ فِیۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ ج مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ o سَلٰم'' قف هِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ o (سورہ قدر پارہ ۳۰)

یعنی ''ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔ محمد! آپ نہیں جانتے کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ فرشتے اور روح اس شب میں اپنے رب کے حکم سے اُترتے ہیں۔ ہر کام میں سلامتی ہے۔ وہ رات صبح تک ہے''

قرآن مجید دفعۃً وکاملاً لوح محفوظ سے سماء دنیا پر شبِ قدر میں نازل کیا گیا۔ اور غار حرا میں پہلی مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر سورۂ اقرا کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں تو محققین کے پاس ۲۷/ رمضان ہی تھی۔ اور پھر حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا بذریعہ جبرئیلؑ ۲۳ سال تک رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ اس شب قدر کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس کی غایت فضیلت کو آپ نے کیا سمجھا؟ پھر اس استفہام کا خود ہی جواب ارشاد فرمایا کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یعنے اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ ایک ہزار مہینے کے ۸۳ سال، چار مہینے ہوتے ہیں یا بالفاظ دیگر اس ایک رات کی عبادت ۳۰ ہزار دن اور ۳۰ ہزار راتوں کی عبادت سے بہتر ہے، اور کتنی بہتر ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ روح سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ اس شب میں جبرئیل اور بیشمار فرشتے خدائے تعالیٰ کے حکم سے زمین والوں کو مستفیض کرنے کیلئے ہر قسم کے امور خیر لے کر اترتے ہیں غروب آفتاب سے صبح صادق تک یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یعنے پوری کی پوری رات با عظمت واحترام ہے اور اس رات میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ آیت کریمہ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰـهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ. میں کوئی شک نہیں کہ انزلناہ کی ضمیر قرآن شریف ہی کی طرف راجع ہے۔ اور قطعاً و یقیناً یہی معنی ہیں کہ ''ہم نے قرآن شریف کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔''

خدائے تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے وَالۡکِتَابِ الۡمُبِیۡنِ اِنَّااَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُبَارَکَةٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ فِیۡهَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡم (سورہ دخان)

یعنی کتاب مبین کی قسم ہے ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے۔ہم کہہ سنانے والے ہیں۔اسی رات میں ہر حکمت والا کام جدا کر دیا جاتا ہے''۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس آیت میں''کتاب مبین'' سے قرآن مجید اور ''لیلة مبارکه'' سے'' لیلة القدر'' مرادنہیں ہے۔بلکہ کتاب مبین سے لوحِ محفوظ اور لیلة مبارکه سے شب برات مراد ہے جس کے متعلق احادیث میں تفصیل بیان کی گئی ہے کہ ایک سال تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات وحادثات،شب برات میں لوح محفوظ سے سماءِ دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور وہاں سے دفتر مرتب ہوکر فرشتوں (متصدیوں) کے حوالئے کئے جاتے ہیں کہ ایک سال تک اس کے موافق عمل کریں۔

لیکن بعض مفسرین نے سورۂ دخان والی آیت میں ''کتاب مبین'' سے قرآن مجید اور '' لیلة مبارکه'' سے لیلۃ القدر(شب قدر) مراد لی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ لیلةمبارکه سے شب برات ہی مراد ہے اور اسی رات میں احکام قضاوقدر لوحِ محفوظ سے سماءِ دنیا پر نازل ہوتے ہیں۔البتہ شب قدر میں ملائکہ کے تفویض کئے جاتے ہیں۔لیکن مفسرین محققین کے پاس یہ دونوں قول صحیح نہیں ہیں یعنی سورۂ دخان والی آیت میں''کتاب مبین'' سے قرآن مجید نہیں بلکہ لوحِ محفوظ اور لیلة مبارکه سے شب قدر نہیں شب برات مراد ہے۔یعنی شب برات میں احکام قضاوقدر شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والوں کے حوالہ کئے جاتے ہیں۔شب قدر میں نہیں''۔یہ قول اصح الاقوال ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ''کتاب مبین'' یا صرف ''کتاب'' کا لفظ دونوں معنی میں مستعمل ہوا ہے۔کہیں اس سے قرآن مجید اور کہیں لوحِ محفوظ مراد ہے۔مثلاً فرماتا ہے۔

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لاَرَیْبَ فِیْہ(۱۔ع۱) ''اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے''۔

یعنی قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا یا فرماتا ہے۔

قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُور'' وَّ کِتَاب'' مُبِیْن''(۶۔ع۔)

یعنی'' تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب مبین آئی ہے''اس آیت میں نور سے ذات پاک سرور کائنات ﷺ اور کتاب مبین سے قرآن شریف مراد ہے۔

اسی طرح لوح محفوظ کو بھی ''کتاب'' اور ''کتاب مبین'' کے الفاظ سے یاد فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ کُلِّ شَیْءٍ اَحْصَیْنَاہُ کِتَاباً (۳۰۔ع۱) یعنی ''ہم نے ہر چیز کو کتاب میں گن کر رکھا ہے''

یہاں کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ یا فرماتا ہے۔

وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَۃٍ اِلَّایعلمہا وَلاَ حَبَّۃٍ فِیْ ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ یَابِسٍ اِلَّا فِی کِتَابٍ مُبِیْن (۷۔ع۱۳)

یعنی ایک پتہ بھی اگر جھڑتا ہے اور ایک دانہ بھی زمین کے اندھیروں میں گرتا ہے تو اللہ اس کو جانتا ہے اور ہر رطب و یابس کتاب مبین میں ہے''

(ایضاً) وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَبِّکَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلاَ فِیْ السَّمَاءِ وَلاَ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَلاَ اَکْبَرَ اِلَّا فِی کِتَابٍ مُبِیْن (۱۱۔ع۱۲)

یعنی ''ایک ذرہ برابر بھی زمین و آسمان میں تیرے پروردگار کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز کتاب مبین میں ہے''

ان آیتوں میں کتاب اور کتاب مبین سے لوح محفوظ مراد ہے قرآن مجید نہیں۔ جب کتاب مبین کا لفظ، قرآن اور لوح محفوظ دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ سورۂ دخان میں وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ اِنَّااَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُبَارَکَۃٍ میں کتاب مبین سے قرآن مجید ہی مراد لیا جائے۔ یہاں کتاب مبین سے لوحِ محفوظ مراد ہے۔ اسی صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے لوحِ محفوظ کو لیلۃ مبارکہ میں نازل کیا اور ظاہر ہے کہ لوح محفوظ کا نزول ممکن نہیں ہے۔ چونکہ کتاب کے حقیقی معنی (لوح محفوظ) لیا جانا متعذر ہے۔ اس لئے حسب ضابطہ معنی مجازی لئے جائیں گے یعنی کتاب کے احکام، الکتاب میں الف لام مضاف کا عوض ہے یعنی احکام الکتاب اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے لوحِ محفوظ کے احکام کو ایک برکت والی رات (شب برات) میں نازل کیا۔ اسی طرح لیلۃ مبارکۃ اور لیلۃ القدر الگ الگ ہیں۔ ان کو ایک قرار دیں تو تکرار کے سوا کیا حاصل ہوا۔ کلام کی بلاغت یہ ہے کہ ہر لفظ و جملہ سے فائدۂ جدیدہ حاصل ہو۔ پس سورہ دخان والی آیت کا مطلب یہ ہوا کہ لیلۃ مبارکہ یعنی شب برات میں سال بھر ہونے والے واقعات لوح محفوظ

سے سماء دنیا پر اترتے اور وہاں سے اسی شب میں کار پردازانِ قضاوقدر کے حوالہ کئے جاتے ہیں۔شب قدر کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ رات صرف شرف وکرامت کی رات ہے۔اس رات میں صرف قرآن مجید لوح محفوظ سے سماء دنیا پر نازل ہوا ہے۔جن لوگوں نے لیلۃ مبارکہ اور لیلۃ القدر کو ایک سمجھا اور لفظ قدر کو دیکھکر شب قدر میں نزول تقدیرات یا تقسیم تقدیرات مراد لئے صحیح نہیں ہے۔ صاحب تفسیر طبری نے لکھا:

واشبه الاقوال فی ذٰلک بظاهر التنزیل قول من قال عمل فی لیلة القدر خیر من الف شهر لیس فیها لیلة القدر واما اقوال الآخر فدعاوی معان باطلة لادلالة علیها من خبر ولا عقل ولا هی موجودة فی التنزیل یعنی ''ظاہر قرآن سے صرف اس شخص کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے جو کہتا ہے کہ لیلۃ القدر کا عمل ہزار مہینوں کے عمل سے بہتر ہے جن میں لیلۃ القدر نہ ہو دوسرے اقوال غیر صحیح ہیں۔عقل، حدیث اور آیت سے ان اقوال کی تائید نہیں ہوتی''

اس وقت سورۂ قدر کی تفسیر اور اسکے مالہ وماعلیہ سے بحث مقصود نہیں ہے۔غرض صرف یہ ہے کہ شب قدر کی فضیلت کیا ہے؟ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ

(یعنی ''رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا'')

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ o (یعنی ''ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے'')

اس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوا کہ شب قدر رمضان میں ہے۔لیکن صراحتاً یہ نہیں فرمایا کہ شب قدر رمضان کی کونسی تاریخ ہے۔سید المرسلین خاتم النبین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الطاہرین کو اس کا علم یقینی حاصل تھا مگر صرف اس قدر فرمایا کہ

'' **تحروا لیلة القدر فی العشر الاواخر فی رمضان** '' یا فرمایا **التمسوها فی العشر الاواخر** یعنے شب قدر کو رمضان کے آخری دہے میں تلاش کرو۔کبھی فرمایا شب قدر وہی تھی جس رات تم کیچڑ پانی میں سجدہ کر رہے تھے۔ **وغیر ذلک من الاحادیث** یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین سے لیکر آئمۂ مجتہدین تک اس کے تعیُن میں مختلف القول ہیں۔

اس اخفاء میں خدا و رسول کی مصلحت یہی تھی کہ حضرت امام خیر الانام خلیفۃ اللہ الودود مہدی موعود خاتم ولایت محمدیہ علیہ افضل الصلواۃ والتحیہ کے ذریعہ اُمت مسلمہ کو اس کا علم یقینی حاصل ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت مہدی علیہ السلام کے ذریعہ اس کا علم یقینی عطا فرمایا یہ اس کا انعام و احسان ہے اور شکر مُنعم واجب ہوتا ہے۔ شکریہ کی مختلف صورتوں میں سے اس کی درگاہ بے نیاز میں سجدہ ریز ہو جانا شکریہ کی بہترین صورت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے شب قدر کے فضائل بیشمار بیان فرمائے ہیں ان کا استقصا نہیں ہوسکتا۔ یہاں چند فضائل پر اکتفا کیا جاتا ہے مثلاً فرمایا کہ۔

شب قدر میں جبرئیلؑ آئے اور کہا یا رسول اللہ آسمان کے طرف دیکھئے میں نے دیکھا کہ جنّت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں پہلے دروازہ پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا کہ اس شخص کو خوشخبری ہو جو آج کی رات رکوع میں ہے۔ دوسرے دروازہ پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا اس کو خوشخبری ہو جو آج کی شب سجدہ میں ہے تیسرے پر کہہ رہا تھا اس کو خوشخبری ہو جو اللہ سے دعا مانگ رہا ہے۔ چوتھے دروازے پر کہہ رہا تھا اس کو خوشخبری ہو جو آج یاد الٰہی میں ہے۔ پانچویں دروازہ پر کہہ رہا تھا اس کو خوشخبری ہو جو خدائے تعالیٰ کے خوف سے گریہ وزاری میں ہے۔ چھٹے دروازہ پر کہہ رہا تھا اس کو خوشخبری ہو جو مشیّت کے آگے سر تسلیم خم کر چکا ہے۔ ساتویں دروازہ پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا کہ آج کی شب جو دعا میں مشغول ہے اس کو خوشخبری ہو کہ خدا تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرنے والا ہے۔

فرمایا قیامت کے روز عرش کے نیچے دسترخوان بچھایا جائے گا۔ روزہ دار اس پر کھاتے رہیں گے اور اہل محشر حساب و کتاب میں گرفتار رہیں گے۔ عرض کریں گے پروردگار ہم یہاں محاسبہ میں ہیں اور یہ لوگ دسترخوان نعمت پر مشغول طعام ہیں۔ ارشاد ہوگا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رمضان میں دن کو روزے رکھے اور تم کھاتے پیتے رہے۔ انہوں نے شب قدر میں عبادت کی اور تم سوتے رہے۔ فرمایا۔ شب قدر میں ہر آسمان پر ایک فرشتہ یہ ندا دیتا ہے کہ جو مومن مرد یا عورت آج کی رات کامل ندامت اور خلوص سے اپنے گناہوں کی معافی چاہے تو ستر ہزار فرشتے طلوع فجر تک اس کی مغفرت کیلئے دعا کرتے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ ستّر مرتبہ ان کی طرف نظر فرماتا ہے اور ہر نظر پر اس کی ایک ایک حاجت

کو پوری کرتا ہے۔فرمایا۔

عرش کے نیچے ایک فرشتہ ہے جس کا ایک پر مشرق میں اور ایک مغرب میں ہے بلند آواز سے جس کو جن وانس کے سوا خدا کی سب مخلوق سنتی ہے یہ ندا کرتا ہے کہ جو شخص آج کی رات توبہ کرتا ہے ، خدائے تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتا ہے ۔ جو شخص دعا کرتا ہے خدائے تعالیٰ اس کی دعا کو قبولیت عطا فرماتا ہے کوئی مظلوم ہے تو اس کی مدد کرتا ہے۔کوئی سائل ہے تو اس کے سوال کو پورا کرتا ہے۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ دو آدمی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے۔جن میں ایک کسی غزوہ میں شہید ہو گیا اور دوسرا ایک سال کے بعد فوت ہوا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ فوت شدہ تو جنت میں داخل ہو گیا ہے اور شہید ابھی جنت سے باہر ہے ۔ مجھے تعجب ہوا، میں نے صبح میں یہ خواب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو فرمایا اسلام لانے کے بعد ایک سال تک زندہ رہنے کی وجہ سے اس کو رمضان کے روزے رکھنے اور شب قدر میں عبادت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی اور شہید کو اس کا موقع نہیں ملا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار! میں تیرا قرب چاہتا ہوں ۔فرمایا موسیٰ! میرا قرب اس کو حاصل ہوگا جو شب قدر بیداری میں گذارے عرض کیا تیرے رحم وکرم کا امیدوار ہوں فرمایا میری رحمت کا وہ شخص مستحق ہے جو شب قدر میں کسی مسکین وفقیر پر رحم کرے۔عرض کیا میں پُل صراط سے اس طرح گذر جاؤں جس طرح بجلی کوند جاتی ہے۔فرمایا یہ صفت تو اس شخص کی ہے جو شب قدر میں فی سبیل اللہ صدقہ وخیرات دے۔عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ جنت کے درختوں کے سایہ میں بیٹھوں اور ان کے میوے کھاتا رہوں ۔فرمایا یہ تو اس کا کام ہے جو شب قدر میں اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ۔الحمد اللہ) کہتا رہے شب قدر کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ اور اس قدر فرشتے زمین پر اترتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے ۔قدر کے معنی تنگی کے بھی ہیں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی وجہ سے اس کو شب قدر کہتے ہیں۔صحیح یہ ہے کہ یہ رات اپنے شرف وکرامت کی وجہ سے شب قدر کہلاتی ہے۔

روایت ہے کہ شب قدر میں جو لوگ سو رہے ہیں ان پر فرشتے ، اور جو بیدار ہیں ان پر جبرئیل علیہ السلام سلام بھیجتے ہیں ۔اور جو لوگ مصروف عبادت ہیں ان پر باری تعالیٰ سلام بھیجتا ہے ۔

جبرئیل علیہ السلام ہر عبادت گزار سے مصافحہ کرتے ہیں۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جانا دل میں رقت پیدا ہونا آنکھوں سے آنسو جاری ہونا، جبرئیل علیہ السلام کے مصافحہ کرنے کی علامت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص شب قدر میں اتنی دیر عبادت کرے جتنی دیر میں ایک بکری کا دودھ دوہا جاسکتا ہے تو اس قدر عبادت بھی مجھے عمر بھر کے روزوں سے زیادہ محبوب ہے۔

فرمایا۔ شب قدر میں فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھی جائے تو ہر ایک نماز کی قضا کا اتنا ثواب ملے گا کہ اس نے ستّر نمازوں کی قضا کی۔

فرمایا۔ دو رکعت نفل نماز پڑھنا ایک فرض نماز کے برابر ہے۔

فرمایا رمضان کی کسی رات میں دو رکعت نفل امام کے ساتھ پڑھنا گویا تمام رات عبادت میں گزارنا ہے۔اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ جب رمضان کی کسی بھی رات میں نفل نماز کی یہ فضیلت ہے تو شبِ قدر میں دو رکعت نماز (دوگانہ شبِ قدر) جو جماعت سے پڑھی جاتی ہے پوری شبِ قدر کی عبادت کے قائم مقام ہے۔

روایت ہے کہ اگر کوئی شخص سورۂ قدر غیر رمضان میں پڑھے تو اس کو ربع قرآن کا ثواب ملتا ہے۔ رمضان میں پڑھے تو نصف قرآن کا اور اگر شبِ قدر میں پڑھے تو گویا اس نے پورا قرآن ختم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ امامنا مہدی موعود علیہ السلام نے شبِ قدر میں تین مرتبہ یعنی فرض عشاء دوگانۂ شب قدر اور وتر میں اس سورہ کی قراءت فرمائی ہے۔

اسی طرح سورۂ اخلاص بھی اس شب میں پڑھا جائے تو ثوابِ عظیم کا باعث ہے رسول اللہ ﷺ مدینہ سے بہت دور غزوۂ تبوک میں ہیں، جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! 'مدینہ میں معاویہ المزنی کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ فرمائیں تو زمین کو لپیٹ دیتا ہوں اور آپ ان پر نماز جنازہ ادا فرما سکتے ہیں فرمایا ضرور جبرئیلؑ نے اپنے پر مارے اور جنازہ حضرت ﷺ کے سامنے موجود تھا حضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی آپ کے پیچھے دو صفیں تھیں جن میں جبرئیل و میکائیلؑ کے علاوہ ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ حضرت نے فرمایا جبرئیلؑ! معاویہ المزنی کو یہ ثواب کیوں حاصل ہوا؟ عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ہر وقت اور شبِ قدر میں سورۂ اخلاص زیادہ پڑھا کرتے تھے اسی کی برکت سے

اللہ نے ان کو یہ مرتبہ دیا ہے۔

شب قدر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس شب میں توبہ بہت جلد قبول ہوتی ہے توبہ کرنے والے کی توبہ ابھی ختم نہیں ہوتی کہ'' **اجابت از درِحق بہر استقبال می آید** '' چنانچہ فرمایا اگر کوئی شخص اس رات'' **رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْر** ''۱۰۰ مرتبہ کہے تو اس کی توبہ اور دعائے مغفرت فی الفور شرفِ قبولیت پاتی ہے۔ فرشتے جو اس کے گناہوں کو لکھتے رہے ہیں خود بھول جاتے اور نامۂ اعمال سے اس کے گناہ محو ہو جاتے ہیں اور اس کے اعضاء جو قیامت میں اس کے گناہوں کی گواہی دینے والے ہیں بیان کرنے پر قادر نہ ہوسکیں گے اس دعا کا ترجمہ یہ ہے ''اے میرے پروردگار مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما۔ تو توبہ قبول کرنے والا اور بخشنے والا ہے''

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں شبِ قدر کو پالوں تو کیا عمل کروں فرمایا یہ دعا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُو'' کَرِیْم'' تُحِبُّ الْعَفْوَا فَاعْفُ عَنِّی

اسی طرح سکراتِ موت اور عذابِ قبر سے امان کے لئے چار رکعت نفل پڑھی جائیں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار سورہ **اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ** ایک بار اور سورۂ اخلاص کی تین بار تکرار کی جائے

ایک حدیث شریف میں ہے کہ اگر شبِ قدر میں کوئی شخص دو رکعت نماز ادا کرے جس کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص سات بار پڑھے اور سلام کے بعد **اَسْتَغْفِرُ اللّٰہِ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ** (میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس کی جناب میں توبہ کرتا ہوں) ستر مرتبہ کہے تو وہ اپنے مقام سے اٹھنے بھی نہ پائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے ماں اور باپ کو بخش دے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز **عماد الدین 'راس الطاعات ِ والعبادات** یعنی دین کا ستون اور تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے۔ ادعیۂ ماثورہ بھی جن کا مختصر ذکر کیا گیا ہے ضرور قابل عمل ہیں لیکن مہدویہ کے پاس ذکر الٰہی کی بڑی اہمیت ہے یہ سب سے بڑی عبادت ہے۔ کسی مہدوی کو شبِ قدر میں اس سے غافل نہ رہنا چاہئے۔

پوری کی پوری رات گنجینۂ شرف و کرامت ہے غروب آفتاب سے طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔ لیکن نصف آخر میں بڑی برکت ہے۔ یہ وقت نزول رحمت کا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ

نصف آخر میں عرشِ رحمٰن جنبش میں آ جاتا ہے۔ایک مرتبہ حضرت سے عرض کیا گیا کہ عبادت کے لئے رات کا کونسا حصہ افضل ہے تو فرمایا''نصف اللیل الغابر ''یعنی آدھی رات کے بعد کا حصہ۔حضرت مہدی علیہ السلام کو بھی نصف لیل کے بعد ہی خدائے تعالیٰ کا حکم ہوا ہے کہ آج شبِ قدر ہے دو رکعت نماز پڑھو۔چنانچہ اس فرمانِ واجب الاذعان کی بناء پر آج تک بھی دوگانہ ٔشبِ قدر نصف شب کے بعد ہی ادا کیا جاتا ہے جو بڑی خیر و برکت کا وقت ہے۔احیاناً اول شب غفلت میں گزر جائے تو نصف آخر بیداری وعبادت میں گزرتا ہے اوراعتبار خاتمہ کا ہے۔

کسی مہدوی کے دل میں دوگانہ ٔشبِ قدر کی فرضیت کے بارے میں خلجان نہ ہونا چاہیئے۔

ضابطہ ٔ شرعی یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا حکم بصیغہ ٔ امر بلا قرینہ مانعہ واقع ہوتو فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔مثلاً خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا اقیمو الصلوٰۃ وا ٰتوالزکوٰۃ . نماز پڑھواورزکوۃ دو۔یہ نہیں فرمایا کہ تم پر نماز اور زکوۃ فرض ہے۔اسی طرح مہدی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس معصوم عن الخطا ہے۔ہم کو خدائے تعالیٰ کا حکم ایک امام معصوم کے ذریعہ پہنچا ہے کہ شب قدر میں دو رکعت نماز پڑھو تو یقیناً اس کی ادائی لازم اور متحتم ہے اسی کو شرعی اصطلاح میں فرض کہتے ہیں اور اسی معنی میں دوگانہ شب قدر ہمارے پاس فرض ہے۔اس کے علاوہ مختلف وجوہات سے اسکی فرضیت کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

دوگانہ ٔشبِ قدر کی فرضیت کو سمجھنے سے پہلے بطور مقدمہ دو باتوں کو سمجھنا ضروری ہے۔ایک یہ کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے فرمانِ صداقت نشان اور ائمہ مجتہدین کے استخراج مسائل میں کیا فرق ہے دوسری بات یہ کہ مہدی علیہ السلام اورائمہؒ مجتہدین میں کیا نسبت ہے۔؟

مہدی علیہ السلام کے بارے میں نہ صرف مہدویہ بلکہ اکابرین اہلسنت اس بات کے قائل ہیں کہ مہدی علیہ السلام معصوم عن الخطا ہیں۔آپ کی عصمت کے بارے میں دلیل عقلی اور دلیل نقلی دونوں طرح سے بحث کی جاسکتی ہے۔دلیل عقلی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس بھی معصوم عن الخطا ہے اور علماء اہل سنت حضرت ﷺ کی عصمت کے تعلق سے یہ عقلی بحث کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک خلافت الٰہیہ سے متصف ہے تو حضرت ﷺ کا معصوم عن الخطا ہونا ضروری ہے اگر آپ کو معصوم عن الخطا نہ مانا جائے تو خلافت الٰہیہ کے اعتبار سے جو احکام آپ بیان فرمائیں گے

وہ صدق و کذب کے متحمل ہوں گے اور آپ کے اوامر و نواہی سے ایمان اٹھ جائے گا اور ان کا تسلیم کرنا عقلاً جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح مہدی علیہ السلام کو بھی رسول اللہ ﷺ نے خلیفۃ اللہ فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ جو ذات اقدس خلافتِ الٰہیہ سے مشرف و ممتاز ہو اس کا معصوم عن الخطا ہونا عقلاً ضروری ہے۔

دلیل نقلی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہدی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ

اَلْمَهْدِیُ مِنِّی یَقْفُوْ اَثَرِیْ وَلَا یُخْطِیُ

یعنی مہدیؑ میری اولاد سے ہیں میرے نقش قدم پر چلیں گے اور خطا نہیں کریں گے''

مختلف مجموعہ احادیث مہدی میں یہ حدیث مذکور ہے اور اکابرین اہل سنت نے مہدی علیہ السلام کی عصمت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں۔

ما نص رسول الله علی امام من ائمة الدین ان یکون بعده یرثه ویقفوا اثره ولا یخطی الا المهدی خاصة (باب ۳۶۶) یعنی ''رسول اللہ ﷺ نے ائمہ دین میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ میرے بعد میرا وارث ہوگا اور میرے نقشِ قدم پر چلے گا اور خطا نہ کرے گا۔ مگر یہ بات صرف مہدی علیہ السلام کی شان میں فرمائی ہے''

اور پھر لکھتے ہیں۔ **قد اخبر علیه السلام عن المهدی انه لا یخطی وجعله ملحقاً بالانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام فی ذلک الحکم**

یعنی ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہدی خطا نہ کریں گے اور عدم صدور خطا کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ نے مہدی علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملحق فرمایا ہے''۔

مشہور فقیہ حنفی علامہ طحطاوی درالمختار کی شرح میں مہدی علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وهو لا یخطی قط فانه معصوم فی احکامه بشهادة النبی صلعم

یعنی ''مہدی علیہ السلام کبھی خطا نہ کریں گے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے مہدی علیہ السلام اپنے احکام میں معصوم ہیں''

ملا معین الدین ''دراسات اللبیب'' میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان عدم صدور الخطا ومن المهدی علیه السلام لیس برد اعتقاد الحفظ فیه کسائر الاولیاء مع جواز صدوره عمله لو رود النص الصحیح فیه خاصةً بالاخبارعن عدم خطائه فصدوره عنه مستحیل لضرورة صدق المخبر صلی الله علیه وسلم

یعنی ''مہدی علیہ السلام سے خطا کا صادر نہ ہونا دوسرے اولیاء اللہ کی طرح آپ کے محفوظ عن الخطا ہونے کے محض اعتقاد پر مبنی نہیں ہے بلکہ مہدی علیہ السلام کے خطا نہ کرنے کی نسبت خاص طور پر نص صریح وارد ہے پس مہدی علیہ السلام سے خطا صادر ہونا اس وجہ سے محال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنی خبر میں صادق ہونا ضروری ہے''۔

حدیث شریف ''**المهدی منی یقفوا اثری ولا یخطی**'' کے دو جزو ہیں۔ایک یہ کہ مہدی علیہ السلام، رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے ہیں۔دوسرا یہ کہ آپ معصوم ہیں۔ پہلے جزو کی تائید ابو داؤد دار قطنی ،طبرانی، حاکم اور امام احمد حنبلؒ کی روایت سے ہوتی ہے کہ مہدی علیہ السلام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **انه من اهل بیتی یواطی اسمه اسمی و اسم ابیه اسم ابی** .

یعنی ''مہدی میری اولاد سے ہوں گے ان کا نام میرے نام کے جیسا اور ان کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے جیسا ہوگا''

دوسرے جزو کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کی محدث حاکم ،ابونعیم اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

فبایعوه ولوحبوا علی الثلج فانه خلیفة الله المهدی

یعنی ''جب تم سن لو کہ مہدی کی بعثت ہوگئی ہے تو اُن سے بیعت کرو اگر چہ تم کو برف پر سے جانا پڑے کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں'' اور ظاہر ہے کہ اللہ کے خلیفہ کا معصوم ہونا ضروری ہے۔پس حدیث مذکور لفظاً ومعناً دونوں طرح صحیح ہے۔رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے کہ

''اَلْمَهْدِیُ مِنِّی یَقْفُوْ اَثَرِیْ وَلاَ یُخْطِیُ'' دو باتیں ہدایۃً ثابت ہو رہی ہیں۔

(۱) مہدی علیہ السلام کا معصوم ہونا یا خطا نہ کرنا

(۲) دوسری رسول اللہؐ کے قدم بقدم چلنا یا آپ کی کامل اتباع کرنا

اور مجتہدین میں سے کسی کو یہ شان منزلت حاصل نہیں ہے کیونکہ مجتہد کی نسبت اہل سنت کا اتفاق ہے کہ **المجتھد لا یخطی و قد یصیب** یعنی ''مجتہد کا قول' خطا وصواب دونوں کا متحمل ہوتا ہے''

اس کے برخلاف حضرت مہدی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس خلیفۃ اللہ اور معصوم عن الخطا ہے اسلئے آپ کا قول وفعل شائبہ خطا سے مبرّا و منزّہ ہے۔ ملا علی القاری نے لکھا تھا کہ

''یہ بات غلط ہے کہ مہدی علیہ السلام امام ابوحنیفہ کی تقلید کریں گے کیونکہ
مہدی علیہ السلام مجتہد مطلق ہیں ان کو کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔''

لیکن ملا علی قاری کا یہ قول بھی کہ مہدی علیہ السلام مجتہد مطلق ہیں غلط ہے کیونکہ نہ مہدی علیہ السلام مقلد ہیں نہ مجتہد مطلق ہیں کیونکہ مجتہد مطلق بھی تو آخر خاطی ہی ہوتا ہے اسی بناء پر بعض محققین اہل سنت نے ملا علی قاری کے اس قول کی تردید کی ہے چنانچہ امام طحطاوی نے لکھا ہے۔

ملا علی قاری نے اس شخص کے قول کو دلائل شافیہ سے رد کیا ہے جو کہتا ہیکہ مہدی علیہ السلام ابوحنیفہ کی تقلید کریں گے۔ مگر ملا علی قاری نے مہدی علیہ السلام کو مجتہد مطلق قرار دیا ہے اور یہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے قول کے مخالف ہے جو انہوں نے فتوحات میں لکھا ہے۔

اس کے بعد طحطاوی نے شیخ اکبرؒ کا قول تفصیل سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''امام مہدی علیہ السلام وہی حکم دیں گے جو منجانب اللہ آپ پر القا ہوتا ہے اور یہی شرع محمدی ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدس زندہ ہوتی اور آپ کے حضور میں وہ مقدمہ پیش ہوتا تو آپ وہی حکم دیتے جو مہدی علیہ السلام نے دیا ہے۔ آپ پر قیاس حرام ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہدی میرے نقش قدم پر چلیں گے اور خطا نہ کریں گے''۔ اس کے بعد امام طحطاوی نے لکھا۔

''اس سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام مجتہد نہیں ہیں کیونکہ مجتہد قیاس سے حکم کرتا ہے اور مہدی علیہ السلام پر قیاس سے حکم کرنا حرام ہے اور نیز اس وجہ سے مہدیؑ مجتہد نہیں ہیں کہ مجتہد خطا کرتا ہے اور مہدی علیہ السلام کی ذات خطا سے مُبّرا ہے کیونکہ رسول اللہؐ کی شہادت سے مہدی علیہ السلام اپنے احکام میں خطا سے معصوم ہیں'' (طحطاوی حاشیہ درالمختار)

تمام دینی احکام جو آیات واحادیث سے نکالے جاتے ہیں اور ان کے استخراج میں ائمہ

مجتہدین اور علمائے امت میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اختلافات ماخذ کے اختلافات پر مبنی ہیں ۔مثلاً کسی نے کسی آیت و حدیث کی بناء پر ایک حکم لگایا تو دوسرے نے دوسری آیت و حدیث کے تحت دوسرا حکم لگایا ۔ان مختلف احکام میں ممکن ہے کہ کسی کا استدلال قوی اور کسی کا ضعیف ہو۔کسی کی رائے میں غلطی موجود ہو لیکن جب سب کی بنا قرآن وحدیث ہی ہیں تو ان احکام کو دین اسلام اور شریعت محمدیہ کے مغائر نہیں کہا جا سکتا۔اختلافِ ائمہ کے متعلق اہلِ سنت کا ضابطہ بھی یہی ہے کہ

الحق دائر بین الائمة الاربعة ''یعنی چاروں ائمہ مجتہدین میں حق دائر وسائر ہے''

اسی طرح فرض ، واجب ،سنت ،مستحب وغیرہ اصطلاحی الفاظ ہیں ۔خدا و رسول کی طرف سے عبادات میں کسی فعل کے فرض و واجب یا سنت و مستحب ہونے کی تصریح بہت کم ملتی ہے ۔البتہ مجتہدین نے آیات واحادیث میں غور کر کے حکم کی اہمیت اور تاکیدات وغیرہ قرآن کے نظر کرتے اپنے قیاس واجتہاد کی بناء پر کسی فعل کو فرض کسی کو واجب کسی کو سنت ،کسی کو مستحب قرار دیا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ ایک ہی فعل ایک مجتہد کے پاس فرض ہے تو دوسرے کے پاس واجب ،تیسرے کے پاس سنت یا مستحب ہے ۔اس کی بدیہی مثال یہ ہے کہ امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ وضو میں چوتھائی سر کا مسح فرض اور پورے سر کا مسح کرنا مستحب ہے اس کے برخلاف امام مالکؒ کے پاس پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے ۔

خدائے تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ

یا ایها الذین امنوااذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا بروسکم وارجلکم الی الکعبین ''اے بندگانِ مومنین جب تم نماز کے لئے اُٹھو تو اپنے منہ اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو و اور سر کا مسح کرو اور پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ''

اس آیت سے ثابت ہے کہ وضو میں منہ اور ہاتھ دھونا ،سر کا مسح کرنا اور ٹخنوں تک پاؤں دھونا صرف یہ چار فعل فرض ہیں لیکن بعض ائمہ مجتہدین نے اس نص قرآنی پر بعض احادیث یا سیاق کلام اور عربیت وغیرہ کی بناء پر زیادتی کی ہے چنانچہ امام مالک نے فرمایا کہ ان اعضاء کا پئے در پئے دھونا بھی فرض ہے ۔امام شافعی کے پاس وضو کی نیت کرنا بھی فرض ہے اور امام احمد حنبل کے پاس وضو کرتے

وقت ''بسم اللہ'' کہنا فرض ہے اور حضرت امام اعظم کے پاس یہ تینوں امور مستحب ہیں۔

پس جس طرح قرآن وحدیث سے تمام احکام ومسائل کا استخراج کیا جاتا ہے اور کسی فعل کو فرض و واجب اور کسی کو مستحب قرار دیا جاتا ہے اسی طرح دوگانہ شب قدر کی فرضیت پر بھی قرآن و حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے لیکن اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ ائمہ مجتہدین اور امام مہدی علیہ السلام کے احکام واستخراج مسائل میں نہ صرف ہمارے نزدیک بلکہ اکابرین اہل سُنت کے نزدیک بھی یہ بین فرق ہے کہ مجتہدین جو کچھ کہتے ہیں اپنی رائے اور قیاس سے کہتے ہیں جس میں خطا کا احتمال ہے۔ مہدی علیہ السلام معصوم عن الخطاء خلیفۃ اللہ اور حاکم شرع محمدی ہیں آپ کے احکام رائے اور اجتہاد سے مستنبط نہیں بلکہ بلا واسطہ خدائے تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم پر موقوف ہیں جو بعینہٖ خدا اور رسولؐ کے احکام ہیں۔

اس اصول کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ دوگانۂ شب قدر کی فرضیت بالکل قطعی اور یقینی ہے۔ لیلۃ القدر کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے۔ اس کی فضیلت قرآن میں مذکور ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی اس ایک رات کی عبادت کا ثواب ہزار مہینوں کی عبادت کے ثواب سے بھی زیادہ ہے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس قدر زیادہ ہے۔ اس رات میں روح الامین (جبرئیل) اور فرشتے خدائے تعالیٰ کے حکم سے زمین پر اترتے ہیں اور رات سلامتی ہی سلامتی ہے۔

احادیث سے شبِ قدر کی عظمت اور اس میں عبادت کرنے کی فضیلت ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **من قام لیۃ القدر ایمانا و احتسابا غفر لہ ماتقدم من ذنبہ** (کنز العمال ج۱)

یعنی ''جو شخص خدائے تعالیٰ پر ایمان رکھ کر حصول ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر میں عبادت کرے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دئے جائیں گے''

من یقیم لیلۃ القدر فیو افیھا ایمانا و احتسابا یغفرلہ ماتقدم من ذنبہ (کنز العمال ج۱)

یعنی ''جو شخص لیلۃ القدر میں عبادت کرے پس اس کو پالے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

من قامھاایمانا و احتساباً غفرلہ مالقدم من ذنبہ و ماتاخر (کنزالعمال ج ا)

یعنی ''جوشخص اللہ پر ایمان رکھ کرحصول ثواب کے لئے لیلۃ القدر میں عبادت کرے تو اس کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے''۔

ان فرامین کے علاوہ خود رسول اللہﷺ کا عمل اس قدر اہتمام کیساتھ پایا جاتا ہے کہ عشرہ اخیرہ (آخری دہا) آتے ہی آپ عبادت میں مصروف ہوجاتے اور اہل وعیال کوجمع کرکے نمازیں ادا فرماتے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''رسول اللہﷺ رمضان کے آخری دہے میں عمل اور عبادت میں اس قدر محنت اور کوشش فرماتے تھے کہ دوسرے مہینہ کے آخری دہے میں اتنی نہ فرماتے تھے''۔

ایضاً ''رسول اللہؐ رمضان کا آخری دہا آتے ہی عبادت کے لئے مستعد ہوجاتے تمام رات عبادت میں گزارتے اور اپنے اہل خانہ کواُٹھاتے تھے''۔

لیلۃ القدر کی اس مسلمہ فضیلت اور حضرت سرور کائنات احمد مجتبٰی محمد مصطفٰیﷺ کے اس اہتمام عبادت کے باوجود لیلۃ القدر کے تعین میں صحابہ سے لے کر ائمہ مجتہدین تک سب میں اختلاف نظر آتا ہے۔ کسی نے تو اس کو سال بھر میں گشت کرنے والی رات قرار دیا اور کسی نے رمضان ہی میں اس کا ہونا بتایا ہے۔ جولوگ رمضان میں ہونے کے قائل ہیں وہ بھی غرہ سے لے کر ۲۹/ تاریخ تک مختلف القول ہیں اور ایک صحابی یا مجتہد نے جوبھی تاریخ تعین کی ہے اس کو دوسروں کے تعین پر کوئی ترجیح نہیں دی جاسکتی کیونکہ سب غیر معصوم ہیں۔

رسول اللہﷺ نے کسی تاریخ کا تعین نہیں فرمایا البتہ یہ ضرور فرمایا کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری دہے میں تلاش کرو۔ شب قدر کے تعین میں شدید اختلاف ہے مثلاً

ابورزینؓ	غرہ/ رمضان	محمد بن اسحاقؒ	۱۱/ رمضان
حسن بصریؒ	۱۷/ رمضان	انسؓ	۱۹/ رمضان
بلالؓ وابن مسعودؓ	۲۴/ رمضان	ابوذر غفاریؓ	۲۵/ رمضان
ابن عباسؓ اور اکثر صحابہؓ	۲۷/ رمضان	عائشہؓ	۲۹/ رمضان

کوشب قدر ہونے کے قائل ہیں۔

عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ ''امام اعظمؒ کے پاس لیلۃ القدر رمضان سے خاص نہیں ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ رمضان ہی میں ہے لیکن کبھی کسی تاریخ آتی ہے اور کبھی کسی تاریخ ''مگر عام اور مشہور روایت یہ ہے کہ امام اعظمؒ ۲۷/ رمضان ہی قرار دیتے ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ شب قدر رمضان کے آخری دہے میں کسی تاریخ ہے۔ امام شافعیؒ کے پاس شب قدر ۲۱ ویں رات ہے۔

شب قدر کے تعین میں جو اختلاف اور تذبذب تھا وہ مہدویہ کے لئے اس طرح قطع و یقین سے بدل گیا کہ حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے علم ہوا کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رمضان ہی ہے اور حکم دیا گیا کہ اس انعام باریٔ تعالیٰ کے شکریہ میں جو تعین لیلۃ القدر کے یقینی علم حاصل ہونے کی صورت میں حضرت مہدی علیہ السلام کو اور حضرتؑ کے متبعین کو ہوا ہے دو رکعت ادا کی جائے۔

امامنا علیہ السلام سفر خراسان میں ہیں ٹھٹہ سے رخصت ہو کر بارادۂ قندھار کاہہ میں تشریف لائے ہیں۔ یہیں رمضان مبارک کا چاند نظر آیا۔ ستائیسویں شب میں نماز عشاء کے بعد اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔ نصفِ شب کے بعد خدائے تعالیٰ کا حکم ہوا کہ آج کی رات ''شبِ قدر'' ہے اس عطیہ کے شکریہ میں معہ یار و اصحاب کے دو رکعت نماز ادا کرو۔ حضرت علیہ السلام حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ اصحاب کو اس عطیہ کا مژدہ سنایا دائرہ معلّٰی میں منادی کی گئی اور حاضر الوقت اصحابؓ کے ساتھ حضرت نے دو رکعت نماز جماعت سے ادا فرمائی اور اس کے بعد فرہ مبارک میں دو سال جمِ غفیر کے ساتھ حضرت نے دوگانۂ شب قدر ادا فرمایا۔

شبِ قدر کا تعین جو سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کے سوا تمام امت پر مخفی تھا حضرت خاتم ولایۃؑ محمدیہ مہدی موعود علیہ السلام کے واسطہ سے اس کا علم یقینی ہم کو حاصل ہوا ہے۔ ہم تمام مہدوی خدائے تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور حضرت مہدی علیہ السلام کی اتباع میں اس کو فرض جان کر ادا کرتے ہیں۔ انصاف نامہ کی روایت ہے حضرتؑ نے فرمایا۔

این دو رکعت رابجائے فرض بشمارید اور یہ نقل پوری قوم میں مشہور و متواتر ہے کہ حکم الٰہی صادر ہوا کہ سید محمد! یہ دو رکعت تم پر اور تمہارے گروہ پر فرض ہیں۔ یہاں تین امور حل طلب ہیں۔

(۱)لیلۃ القدر میں نماز پڑھنا (۲) دو رکعت کا تعین (۳) اس کو فرض جاننا۔

نماز پڑھنا کسی مسلمان کے لئے قابل اعتراض نہیں ہوسکتا۔ دو رکعت کا تعین بھی دینی احکام کے لحاظ سے کوئی ممنوع ومقبوح نہیں ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ

" اَلْاَمْرُ یَقَعُ عَلٰی اَقَلِّ جِنْسِہٖ" یعنی حکم کا اطلاق کم از کم اقل جنس پر ہوتا ہے

اور ظاہر ہے کہ نماز کی کم سے کم مقدار جس پر نماز کا اطلاق ہو سکے وہ دو رکعت ہی ہے اور اس سے کم مقدار پر نماز کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ نماز لیلۃ القدر کی دو رکعت قرار دینے کی یہی وجہ ہوسکتی ہے اس کو فرض ماننا بھی عقلی ونقلی وجوہ سے اہل سنت کے اصول پر قابل اعتراض نہیں ہے۔ غور کیا جائے کہ لیلۃ القدر کی نسبت جو اختلاف صحابہ ومجتہدین کے اقوال میں پایا جارہا تھا وہ سب اقوال غیر معصوم ہونے کی وجہ سے ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہ تھی اور وہ سب اقوال مفید ظن تھے۔ اس کے مقابل حضرت مہدی علیہ السلام پر اور آپ کے واسطہ سے آپ کے متبعین پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل وامتنان ہے کہ اس نے لیلۃ القدر کے تعین کا یقینی وقطعی علم عطا فرمایا ہے۔ پس اس نعمت خداوندی کا شکریہ آیت قرآنی " وَاشْکُرُوْ الِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنَ" (میرا احسان مانو اور ناشکری مت کرو) کے مطابق فرض ہے

بعض احادیث سے ثابت ہے کہ نماز پنج گانہ میں سے ہر ایک نماز ایک ایک نبی نے فضل ونعمت خداوندی کے شکریہ ہی میں ادا فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''انصار میں سے ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نماز فجر سب سے پہلے کس نے پڑھی۔ فرمایا آدمؑ نے اور ظہر سب سے پہلے ابراہیمؑ نے پڑھی جب کہ ان کو خدائے تعالیٰ نے نمرود کی آگ سے نجات دی۔ اور نماز عصر یعقوبؑ نے پڑھی جب کہ جبرئیلؑ نے ان کو یوسفؑ کی خوشخبری دی اور جب خدائے تعالیٰ نے داؤدؑ کی توبہ قبول فرمائی تو انہوں نے نماز مغرب پڑھی اور جب یونسؑ کو خدائے تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ سے نکالا تو انہوں نے نماز عشاء پڑھی'' (غنیہ)

پس ادائے شکر خداوندی کی مختلف صورتوں میں سے دو رکعت نماز کی ادائی کا فرض قرار دینا بھی احکام دین اسلام کے مغائر نہیں ہے بلکہ سنت انبیاء علیہم السلام کی عین اتباع ہے

یہ بحث اوپر گزر چکی ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی ذات خلیفۃ اللہ ہے اور عصمت لازمۂ خلافت

الہیہ ہے جس کی توثیق حدیث " **یقفو اثری و لا یخطی**" سے ہوتی ہے الہام معصوم قطعی ویقینی ہوتا ہے۔

حضرتؑ کو اخذ علم خدائے تعالیٰ اور روحِ رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ آپؑ جو حکم دیں رائے وقیاس پر مبنی نہیں بلکہ عین خدا و رسولؐ کا حکم اور حقیقی شرع محمدی ہے اگر رسول اللہ ﷺ موجود ہوتے تو مہدی علیہ السلام کے حکم کو برقرار رکھتے یا آپ کے روبرو یہ مقدمہ پیش ہوتا تو آپ بھی وہی حکم دیتے جو مہدی علیہ السلام نے دیا ہے۔ اس ارفع واعلیٰ حیثیت کے نظر کرتے جو تمام خلفاء اللہ سے مخصوص ہے حضرت مہدی علیہ السلام نے ان دو رکعتوں کی ادائی فرض قرار دی ہے تو وہ ضرور فرض ہے۔

اگر اس اعلیٰ منصب کے خصوصیات سے بھی قطع نظر کر کے تمام اسلامی احکام کے ماخذ کے اصول پر بحث کی جائے تو ظاہر ہے کہ مجتہدین بالاتفاق معصوم عن الخطا نہیں ہیں اور خود مجتہدین کے پیرو ان کے اقوال میں خطا کا احتمال ہونے کے قائل ہیں اس کے باوجود مجتہدین اپنی رائے وقیاس سے کسی فعل کو واجب اور فرض اور کسی کو مکروہ یا حرام قرار دے سکتے ہیں اور ان کے پیرو اپنے اپنے مجتہد کی تصریح کے موافق ان کو فرض یا واجب یا ناجائز ہی سمجھتے ہیں جن کی چند مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں۔ اور بہت سی مثالیں ان کے علاوہ موجود ہیں۔ ائمہ مجتہدین کے اس قسم کے تمام اقوال کا ماخذ چونکہ آیات واحادیث ہی ہیں اس لئے کوئی شخص ان احکام کو اسلامی احکام سے جدا یا آیات قرآنی اور احادیث کے مغائر نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ یہی خیال کیا جاتا ہے کہ ایک مجتہد نے ان احکام میں سے ایک حکم کی یا ایک حکم کے خاص پہلو کی بنا پر یہ حکم دیا ہے اور دوسرے مجتہد نے دوسرے حکم یا اس کے دوسرے پہلو پر اپنے قیاس کی بنا قائم کی ہے

پس نماز لیلۃ القدر کی نسبت بھی حضرت مہدی علیہ السلام کے منصب، خلافت الٰہی اور اس حکم ربانی سے جو حضرت کو ہوا اور جس کی بناء پر حضرتؑ نے حکم دیا ہے قطع نظر کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرتؑ کے اس فرمان کا ماخذ بھی قرآن اور احادیث ہی ہیں اور جو حکم حضرتؑ نے دیا ہے وہ قرآن وحدیث ہی کی بنا پر دیا ہے۔ چنانچہ ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ لیلۃ القدر کا ذکر قرآن میں موجود ہے اس کی فضیلت قرآن شریف سے ثابت ہے جس طرح آیۂ کریمہ "لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ" مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ" اس رات کی فضیلت پر علمائے اصول کی اصطلاح کے موافق "عبارۃ النص" ہے اسی طرح اس رات کی عبادت کا امر معنوی اس آیت کا "اقتضاء النص" ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نصوص شرعیہ یعنی قرآن وحدیث سے احکام مستنبط

کئے جاتے ہیں تو ظاہر کلام سے جو بات سمجھ میں آتی ہے اور کلام سے وہی بات مقصود ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ حکم عبارۃ النص سے ثابت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اقیمو الصّلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ** نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ گویا نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا عبارۃ النص سے ثابت ہو رہا ہے۔ اقتضاء النص کا معنی یہ ہے کہ جو حکم ثابت ہو رہا ہے وہ ظاہر کلام سے نہیں بلکہ ثبوت حکم کے لئے وہاں کسی لفظ کو محذوف ماننا ضروری ہے تا کہ وہ حکم سمجھ میں آ جائے۔ مثلاً خدائے تعالیٰ فرماتا ہے **حرمت علیکم المیتۃ** ۔ تم پر مردار حرام کیا گیا ہے۔ یہاں لفظ ''اکل'' محذوف ہے یعنے مردار جانور کا کھانا حرام ہے۔ اسی طرح **لیلۃ القدر خیر من الف شھر** میں عبارۃ النص سے لیلۃ القدر کا ہزار مہینوں سے بہتر ہونا ثابت ہے لیکن کسی لفظ کو محذوف مانے بغیر معنی سمجھ میں نہیں آتے کہ کس جہت سے بہتر ہے۔ وہ محذوف لفظ احادیث شریفہ کی روشنی میں ''عبادت'' ہے یعنی اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ پس ''**لیلۃ القدر خیر من الف شھر**'' سے شب قدر کی فضیلت عبارۃ النص سے اور اس میں عبادت کا امر معنوی اقتضاء النص سے ثابت ہے۔ یعنے خدائے تعالیٰ کا اس رات کی فضیلت کو جتانا اس رات میں عبادت کا حکم دینا ہے کیونکہ حاکم کا کسی امر کی تعریف کرنا گویا اس امر کا حکم دینا اور اس پر آمادہ کرنا اور کسی امر کی برائی بیان کرنا اس سے منع کرنا سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے کئی نظائر قرآن شریف ہی میں ملتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے علاوہ احادیث سے اس رات میں عبادت کرنے کی تاکید اور اس کے فضائل ثابت ہیں جن سے آیت کے مفہوم کی توضیح ہو جا رہی ہے۔ اور خود رسول اللہ ﷺ کے عمل سے اس کی اہمیت ثابت ہے کہ رمضان کا آخری دہا آتے ہی حضرت ﷺ عبادت میں خاص اہتمام فرماتے تھے، خود رات کو عبادت کرتے اور اپنے اہل وعیال کو بیدار فرماتے تھے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ ''غنیۃ الطالبین'' میں اس عشرہ اخیرہ کی عبادت کی تفصیل حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت سے اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

''ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ رمضان کی تئیسویں رات کو رسول اللہؐ تشریف لائے اور تہائی رات تک ہم کو نماز پڑھائی چوبیسویں رات کو آپ تشریف نہیں لائے پچیسویں رات کو تشریف لائے اور آدھی رات تک ہم کو نماز پڑھاتے رہے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اچھا ہوتا اگر آپ تمام رات ہم کو نماز پڑھاتے رہتے۔ فرمایا

جوشخص امام کے ساتھ نماز کو کھڑا رہے اور امام کے ساتھ ختم کرلے تو اس کو بھی پوری رات کی عبادت ہی کا ثواب ملتا ہے۔ پھر چھبیسویں رات کو آپ برآمد نہیں ہوئے۔ ستائیسویں رات کو تشریف لائے اور ہم سب کو اور اہل خانہ کو جمع فرمایا اور سب کو لے کر اتنی دیر تک نماز پڑھاتے رہے کہ ہم کو سحری کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہوگیا''

حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام نے اسی سنت کو زندہ کیا اور لیلۃ القدر میں اہل وعیال متعلقین اور دوسرے مومنین ومصدقین کو جمع کر کے نماز ادا کی اور اپنے متبعین کو ہمیشہ اس سنت کے مطابق عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔

یہ خیال نہ کیا جائے کہ ایک چھٹی نماز کی زیادتی سے شریعت کا نسخ لازم آتا ہے۔ کیونکہ جو امر اصول شرعیہ پر مبنی ہو اور انہی سے مستخرج ہو اس سے نسخ شریعت نہیں ہوتا ورنہ مجتہدین کے تمام اختلافی مسائل میں بھی نسخ شریعت لازم آجائے گا۔ حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ نیز دوگانۂ شب قدر کی فرضیت سے نہ کسی امر شرعی کا ازالہ ہوتا ہے نہ شریعت محمدیہ کے کسی حکم کی تبدیلی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ خود علمائے اصول نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی چھٹی نماز بھی فرض ہوجائے تو شریعت محمدیہ کا نسخ لازم نہیں آتا چنانچہ علامہ تفتازانی اصول فقہ کی مشہور کتاب ''تلویح'' میں لکھتے ہیں

فقد اختلفوا ان الزيادة على النص نسخ ام لا يعنى ان الزيادة ان كانت عبادة مستقلة كزيادة صلوٰة سادسية فلا نزاع بين الجمهور فى انها لا تكون نسخاً

یعنی ''علمائے اصول کو اس امر میں اختلاف ہے کہ نص پر زیادتی نسخ ہے یا نہیں۔ یعنے اگر یہ زیادتی عبادت مستقل ہے جیسے چھٹی نماز کی زیادتی تو اس کو جمہورِ علما نے نسخ نہیں قرار دیا ہے'' ولو بالفرض اگر دوگانۂ شبِ قدر کو چھٹی نماز بھی کہا جائے تو نہ اس سے شریعت کا نسخ لازم آتا ہے نہ اس پر کوئی اعتراض وارد ہوسکتا ہے۔

اس سے پہلے جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں کوئی خاص رکن بتایا گیا تھا کہ ایک مجتہد نے اس کو مستحب یا ناجائز کہا ہے تو دوسرے مجتہد نے اُس کو واجب یا فرض قرار دیا ہے۔ مثلاً امام اعظمؒ کے پاس وضو میں صرف چار فرض ہیں لیکن امام مالکؒ نے پے در پے اعضاء دھونے اور امام احمد بن حنبلؒ نے وضو کرتے وقت ''بسم اللہ'' کہنے کا ایک ایک فرض بڑھا کر پانچ اور امام شافعیؒ نے وضو میں ترتیب اور نیت کرنے کے دو فرض بڑھا کر چھ کر دیئے، یہ نسخ نہیں، شریعت میں تبدیلی نہیں، بدعت نہیں، یہ وہی ماخذ کا اختلاف ہے اور ہر ایک کا

استدلال بجائے خود صحیح ہے۔اس سے بھی واضح ایک اور مثال مستقل نماز ہی موجود ہے جو ظاہری طور پر نمازِ لیلۃ القدر سے پوری مشابہہ ہے۔وہ نماز وتر ہے۔نماز وتر کے بارے میں ائمہ مجتہدین مختلف القول ہیں۔امام مالکؒ ،امام شافعیؒ ،اور امام احمد حنبلؒ کے پاس نمازِ وتر سنت ہے۔امام اعظمؒ واجب فرماتے ہیں۔امام ابو یوسف اور امام محمد سنت اور امام زفرؒ ان سب کے خلاف نمازِ وتر کو فرض کہتے ہیں۔امام اعظمؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے جس کو امام زفرؒ نے اختیار کیا ہے۔ظاہر ہے کہ ایسی نماز جس کا ذکر قرآن میں نہیں جس کی فضیلت قرآن میں نہیں جس کی ادائی کا امرِ معنوی قرآن میں نہیں اور جس کی نوعیت بیان کرنے سے احادیث بھی ساکت ہیں۔تعداد رکعات کا بھی رسول اللہؐ نے تعین نہیں فرمایا نہ ہمیشہ آپ تین رکعت ہی پڑھتے رہے۔ **اوتر بواحدۃ** کے الفاظ بھی ملتے ہیں کہ آپ نے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہے۔غالباً یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وتر میں ایک رکعت سے گیارہ رکعت تک پڑھی جاسکتی ہیں لیکن امام اعظمؒ نے تین ہی رکعت مقرر کردی ہیں۔اور پھر امام مالک وشافعی واحمد رحمہم اللہ کی تحقیق کے خلاف اس کو واجب فرمایا اور امام زفرؒ تو اس کو فرض کہتے ہیں لیکن چونکہ یہ اختلافات ماخذ کے اختلاف پر مبنی ہیں اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ امام اعظمؒ نے ایک چھٹی نماز واجب اور امام زفرؒ نے ایک چھٹی نماز فرض قرار دے کر نسخ شریعت کیا یا نص پر زیادتی کی۔ کیونکہ مجتہدین نے قرآن وحدیث ہی سے ان مسائل کا استخراج کیا ہے۔

اس کے برخلاف لیلۃ القدر کا ذکر قرآن میں لیلۃ القدر کی فضیلت قرآن میں ،لیلۃ القدر کی عبادت کا امر معنوی قرآن میں ،قول وفعل رسول اللہ ﷺ سے عبادت لیلۃ القدر کی اہمیت اور ضرورت ثابت ہے۔یہاں بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس کی فرضیت کا حکم قرآن وحدیث ہی سے ماخوذ ہے۔خصوصاً جب کہ اس کو فرض کہنے والا اللہ کا خلیفہ،خطا سے معصوم اور حاکم شرعِ محمدی ہونے کی خصوصیات وامتیازات سے ممتاز بھی ہے۔جس طرح دوسرے فرائض واحکام مثلاً نماز،روزہ،حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی حکمت وفوائد سے بحث کی جاتی ہے کہ نماز کے فرض کرنے میں یہ حکمت ہے۔روزہ کے یہ فوائد ہیں،حج اور زکوٰۃ کے فرض ہونے میں یہ مصالح مضمر ہیں۔اسی طرح اس نماز کی حکمت اور فوائد پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فرضیت کے یہ معنی ہیں کہ ہر شخص اس رات میں،روزمرہ عبادت،فرض وسنت کے علاوہ کم از کم یہ دو رکعت بھی ادا کرے تاکہ اس کو اس رات کی عبادت کی فضیلت باتباعِ رسول کریمؐ حاصل ہو۔اور بفرمان

حضرت رسالتمآب ﷺ اس کو پوری رات کی عبادت کا ثواب ملے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی ۲۵ ویں رات میں آدھی رات تک نماز پڑھائی۔ ابوذرؓ نے عرض کیا اچھا ہوتا آپ ہم کو اور زیادہ نماز پڑھاتے۔ فرمایا

ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ینصرف حسب له قیام لیلة۔

یعنی ''جب کوئی شخص امام کے ساتھ نماز پڑھے یہاں تک امام واپس ہو جائے تو اس کو پوری رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے'' یہ پوری حدیث غنیۃ الطالبین مولفہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اوپر گذر چکی ہے۔

پس دوگانۂ شب قدر کی ظاہری صورت یہ ہے کہ جس طرح دوسرے بہت سے مسائل میں کسی امام یا مجتہد نے ایک ہی فعل یا ایک ہی عمل کو مستحب قرار دیا ہے اور دوسرے نے اسی کو واجب یا فرض کہا ہے۔ اسی طرح مجتہدین نے لیلۃ القدر کی عبادت کو مستحب قرار دیا اور حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام نے فضیلت لیلۃ القدر کی نسبت جو آیات قرانی نازل ہوئی ہیں اور جو احادیث رسالت پناہی وارد ہیں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کا جو خاص اہتمام عمل ثابت ہے ان سب کے نظر کرتے لیلۃ القدر کی عبادت کو فرض قرار دیا۔ اگر فرق ہے تو یہی کہ اہل سنت کے نزدیک ائمہ مجتہدین غیر معصوم ہیں اور مہدی علیہ السلام کا معصوم عن الخطا ہونا اہل سنت کا مسلمہ ہے۔ لہذا جب مجتہدین اور مہدی علیہ السلام کے احکام متضاد ہوں تو اس کا فیصلہ علمائے اہل سنت نے اس طرح کیا ہے کہ۔

یکون قول الامام المهدی الموعود حجة یخطی مخالفه (فواتح الرحموت مولانا بحرالعلوم)

یعنی ''امام مہدی موعود کا قول حجت ہے جو آپ کا مخالف ہے وہ برسر خطا ہے''

اور اس نماز کی فرضیت کے فوائد و نتائج کو دیکھو تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے برادران اسلام جو اس رات کے تعین میں مشتبہ ہوں یا جن کے پاس اس عبادت کی اہمیت نہ ہو ممکن ہے کہ وہ اس رات کو کھو دیتے ہوں۔ لیکن کسی مہدوی سے لیلۃ القدر کبھی فوت نہیں ہونے پاتی اور یہ ہر مہدوی کا ان دو رکعتوں کو اپنے آپ پر فرض جاننے کا نتیجہ ہے۔ **ذٰلک فضل الله یوته من یشاء.**

ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ ان تمام وجوہ سے دوگانۂ لیلۃ القدر کی فرضیت قرآنِ شریف۔ احادیث

رسول مقبول ﷺ اور اہل سنت کے مسلمہ اصول کے عین مطابق ہے اور کوئی مسلمان عبادت کو اور خاص کر نماز کو جو اسلامی احکام کی رو سے تمام عبادات کی مکمل صورت ہے اور پھر وہ ایسی رات میں جس کو خدائے تعالیٰ نے ''خیر من الف شھر'' فرمایا ہے مورد اعتراض نہیں ٹھیرا سکتا نہ اس کو غیر ضروری اور بدعت کہہ سکتا ہے۔

اس مختصر بحث کے بعد دوگانۂ شب قدر کی فرضیت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا اور کسی مہدوی کے دل میں کوئی خلجان باقی نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے حضرت مہدی علیہ السلام نے نماز پنجگانہ میں بہت کم امامت فرمائی ہے۔ میاں لاڑ شاہ رضی اللہ عنہ یا اور کوئی صحابیؓ امام ہوا کرتے تھے لیکن جب خدائے تعالیٰ نے مہدی علیہ السلام کو دوگانۂ شب قدر کی ادائی کا حکم دیا تو یہ بھی حکم محکم شرف صدور لایا کہ آپ خود اپنی امامت سے یہ دو رکعت ادا کریں چنانچہ پہلی مرتبہ اور اس کے بعد حیات طیبہ تک ہر شب قدر میں حضرتؑ ہی نے امامت فرمائی ہے۔ اور سلام کے بعد اُن آیاتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ابرار کی دعاؤں کا خلاصہ ہے اور جو قرآن مجید میں نقل کی گئی ہیں

بحکم خداوندی حضرت (مہدی موعود علیہ السلام) کی امامت کرنے سے اس نماز کی اہمیت ظاہر ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بزرگوں نے اس کو افعال ارشادی میں شمار کیا ہے۔ پانچسو سال سے یہی عملدرآمد جاری ہے۔ آج بھی ہر مہدوی کسی مجبوری کے سوا دوگانۂ شب قدر کو کسی ایسے مرشد، پیر طریقت اور ایسے بزرگ کی اقتدا میں ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے جس کی بیعت وخلافت کا سلسلہ مہدی علیہ السلام تک مسلسل پہنچتا ہے اور وہ ''جانشین مہدیؑ'' کہلانے کا مستحق ہے۔ اور یہ نماز کسی حالت میں بھی فوت نہ ہونی چاہئے کیونکہ اس کی قضا بھی نہیں ہے۔ اور پھر

دولت یہ نصیب سال بھر میں ہوگی

☆☆☆☆☆

دوگانہ تحیۃ الوضو

فقہاء نے دوگانہ تحیۃ الوضو کو مندوب و مستحب قرار دیا ہے۔ چنانچہ در المختار میں لکھا ہے کہ وندب رکعتان بعدا لوضؤ یعنی وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا مندوب و مستحب ہے' اسی شرح فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ ومنها رکعتان عقیب الوضو۔یعنی وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا بھی مندوبات سے ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ فقہاء کے پاس ایسے امور جن کی فضیلت شریعت میں ثابت ہو اور ان کے انجام دینے میں ثواب اور نہ کرنے کی صورت میں عذاب نہ ہو ان کو فقہی اصطلاح میں مستحب' مندوب اور تطوّع کہا جاتا ہے۔

چونکہ فقہاء کے پاس دوگانہ تحیۃ الوضو مندوب و مستحب ہے یعنی اس کی ادائی اختیاری ہے۔ اس لئے عوام تو عوام علماء نے بھی اس کی ادائیگی کی طرف زیادہ تر توجہ نہیں کی۔لیکن مہدویہ اصولی طور پر چونکہ مسائل شریعہ میں عالیت کو رخصت پر ترجیح دیتے ہیں اس لئے ان کے پاس اس نماز کی بڑی اہمیت ہے اور وہ نہایت سختی کے ساتھ اس پر پابند ہیں۔اس کے چند وجوہات ہیں ان میں پہلی وجہ وہ احادیث ہیں جن کی بناء پر دوگانہ تحیۃ الوضو کا عامل اجر بے پایاں کا مستحق ہے یعنی صرف یہ دو رکعت بھی بفضلہٖ تعالیٰ موجب دخول جنت ہیں۔ان احادیث میں سے ایک وہ ہے جو امام بخاری نے روایت کی ہے۔

" ان رسول الله ﷺ قال یا بلال حدثنی بار حبی عمل عملة فی الاسلام فانی سمعت دف نعلیک بین یدی فی الجنة قال ما عملت عملا ارجی عندی من انی لم اتطهر طهورا فی ساعة من اللیل والنهار الا صلیت بذالک الطهورا ما کتب لی ان اصلی"

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ تم کون سا بہترین عمل کرتے ہو میں تمہارے نعلین کی آواز جنت میں مجھ سے آگے آگے سنتا تھا۔عرض کیا ''یا رسول اللہ کچھ نہیں البتہ دن ہو یا رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو اس کے بعد حسب توفیق الٰہی کچھ نماز پڑھ لیتا ہوں''

چونکہ نماز کم از کم دو رکعت ہوتی ہے اس لئے ایک حدیث شریف میں صرف دو رکعتوں کی صراحت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ'' **ما من احد یتوضاء فیحسن الوضو ویصلی رکعتین یقین بقلبه ووجهه علیهما الا وجب له الجنة** یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص

اچھی طرح وضو کرے اور ظاہری و باطنی توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کی تصدیق و تعلیم کا حاصل جہاں مراتب حقیقت کو طئے کر کے عرفان و معرفت کے مرتبہ علیا پر فائز ہونا ہے۔ وہاں تصدیق مہدی علیہ السلام ،شریعت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو یہاں تک کہ ایک فعل مستحب بھی ترک نہ ہو مہدویت کا جزو لائینفک قرار دیتی ہے۔ درآنحالیکہ دوگانہ تحیۃ الوضو کی فضیلت اور اس کا اجر عظیم احادیث سے ثابت ہے۔ اس لئے دوگانہ تحیۃ الوضو مہدویہ سے متروک نہیں ہوسکتا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے نہایت پابندی کے ساتھ خود اس پر عمل فرمایا ہے اور اپنی قوم کو بھی اس کی ادائی کا بہ تاکید شدید حکم دیا ہے۔ چنانچہ دوگانہ تحیۃ الوضو کے بارے میں حضرت مہدی علیہ السلام سے یہ نقل بھی ملتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مہدی علیہ السلام نماز کے لئے تشریف لائے تو موذن نے اقامت کہہ دی۔ امامؑ نے فرمایا افسوس تم نے مجھے دو رکعت تحیۃ الوضو سے باز رکھا۔ نیز فرمایا جس نے تحیۃ الوضو کی ادائی سے غفلت کی وہ عبادت کا بخیل ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوگانہ تحیۃ الوضو امام مہدی علیہ السلام نے نہ صرف خود پابندی سے ادا فرمایا اور اپنی قوم کو بھی پابندی سے ادا کرنے کا حکم دیا۔ اور اس سے غفلت کرنے والے کے حق میں ''عبادت کا بخیل'' ہونے کی وعید سنائی ہے۔

غرض احادیث رسول اللہ ﷺ اور فرامین مہدی علیہ السلام کی وجہ سے مہدویہ میں دوگانہ تحیۃ الوضو کی پابندی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے بعض گوشوں سے یہ استفسار کیا جاتا ہے کہ جب تحیۃ الوضو کی ادائی مستحب اور مندوب ہے اور اس کا عمل حضور نبی کریم ﷺ کے دور ہی سے ملتا ہے تو پھر مہدویہ کے پاس اس کی نیت میں **متابعة المهدى الموعود** کیوں کہا جانا چاہئے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ نماز خواہ فرض ہو یا سنت ان کی نیت میں فرض اللہ یا سنت رسول اللہ کہنا شرط نہیں ہے۔ فقہی مسئلہ یہ ہے کہ فرائض کی نیت میں صرف نماز کا تعین ضروری ہے۔ چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب ''کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' میں لکھا ہے کہ اگر نمازِ فرض ہے تو صرف نماز کو معین کرنا واجب ہے۔ مثلاً نماز ظہر یا عصر پڑھتا ہوں۔ اس طرح نوافل اور سنتِ موکدہ میں مطلق نیت کافی ہے۔ درالمختار میں لکھا ہے کہ حنفیہ کا معتبر مذہب یہ ہے کہ نماز نفل، سنت موکدہ اور تراویح میں مطلق نیت کافی ہے۔

ان فقہی اقوال سے ثابت ہے کہ صرف نماز کو معین کرنا واجب ہے۔ یعنی نماز ظہر یا عصر وغیرہ

کی نیت کی جائے تو کافی ہے۔اس کے علاوہ ''فرض اللہ کہنا'' یا تعداد رکعت معین کرنا اور اسی طرح نوافل و سنن میں خواہ سنت موکدہ ہی کیوں نہ ہو سنت کی صراحت کرنا اور ''اصلی للّٰہ تعالیٰ'' کہنا ضروری نہیں ہے۔گوان تمام جزئیات کی صراحت ''اخوط'' ہے لیکن شرط نیت نہیں۔فقہائے حنفیہ کا اسی پر فتویٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام موکدہ سنتوں میں سنت فجر کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ظاہر ہے اس کے باوجود ایسی سنت موکدہ بھی بغیر تعین کے ادا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ''درالمختار'' میں لکھا ہے کہ اگر فجر کا وقت شروع ہو جانے کے بعد سنت کو معین کئے بغیر نفل کی بھی نیت کی تو وہ فجر کی سنت موکدہ ہو جائے گی۔اس قول کی شرح میں علامہ طحطاوی لکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ اس صحیح قول پر مبنی ہے کہ سنت اور مستحب نمازوں کی نیت میں تعین یعنی نماز کو معین کرنا شرط نہیں ہے بلکہ ان کے لئے مطلق نماز کی نیت کافی ہے۔پس دوگانہ تحیۃ الوضو کی نیت میں اس فقہی مسئلہ کی رو سے سنتِ رسول اللہ کہنا ضروری نہیں ہے۔

ثانیاً یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حضرت امامنا مہدی علیہ السلام کے عمل، حکم اور تاکید کی وجہ سے مہدوی اس نمازِ مسنون کی ادائی کے پابند ہیں۔اس نماز کے ادا کرنے کا طریقہ بھی خاص طور سے مہدی علیہ السلام سے روایت میں آیا ہے کہ حضرتؑ نے اس کی پہلی رکعت میں سورہ کی جگہ سورہ آل عمران کی ۱۳۵ ویں آیت جو چوتھے پارہ کے پانچویں رکوع میں ''والذین اذافعلوا'' سے شروع ہوکر ''وھم یعملون'' پر ختم ہوتی ہے اور دوسری رکعت میں سورہ نساء کی ۱۱۰ ویں آیت جو پانچویں پارے کے تیرھویں رکوع میں ''ومن یعمل سوء'' سے شروع ہوکر ''غفوراً رحیما'' پر ختم ہوتی ہے تلاوت فرمائی ہے اور پھر سجدہ مناجات میں حسب ذیل دعا پڑھی ہے۔

اَللّٰهُمَّ سَجَدَتُ لَکَ سُوَادِیُ وَآمَنَ بِکَ فُوَادِیُ وَاَقَرَّبِکَ لِسَانِیُ هَا اَنَا ذَالِکَ اَذَنُبَتُ ذَنُباً عَظِیُمًا وَمَنُ یَّغُفِرُ الذُّنُوبِ الُعَظِیُمِ اِلَّا الرَّبِ الُعَظِیُمِ اِلَّا الرَّبِ الُعَظِیُمِ اِلَّا الرَّبِ الُعَظِیُمِ

ترجمہ: تجھ کو سجدہ کیا میرے جسم نے اور تجھ پر ایمان لایا میرے دل نے اور تیرا اقرار کیا میری زبان نے۔افسوس میں نے بہت گناہ کئے ہیں اور گناہوں کو کون بخشے گا سوائے میرے بہت بزرگ پروردگار کے۔میرے بہت بزرگ پروردگار کے میرے بہت بزرگ پروردگار کے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے بطور تشکر و امتنان اس نماز کی نیت بمتابعۃ المھدی الموعود کہتے ہیں چونکہ حضرت کی ذاتِ مقدسہ خلیفۃ اللہ اور معصوم عن الخطاء ہے اس لئے اس کی نیت میں بمتابعۃ المھدی الموعود کہنے سے اس کے سنت رسول اللہ ہونے کی نفی لازم نہیں آتی۔فقط ooo

آداب الفقراء

فقرا کے لغوی واصطلاحی معنی

فقراء فقیر کی جمع ہے۔فقیر فقر سے مشتق ہے۔فقر کے معنی لغت میں احتیاج کے ہیں۔اصطلاح میں اشیائے مایحتاج کے فقدان کو فقر کہا جاتا ہے۔اگر کسی کو کسی چیز کی ضرورت نہ ہو تو اس شئے کی حد تک اس کو فقیر نہیں کہا جائے گا۔مگر چونکہ خدائے تعالیٰ کے مقابلے میں دنیا کا ہر آدمی فقر واحتیاج رکھتا ہے اور غنی صرف اس کی ایک ذات ہے اس لئے باعتبار اصل ہر شخص پر فقر کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔عام اس سے کہ اس کو کسی چیز کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔اسی معنی کے اعتبار سے خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔**واللہ الغنی وانتم الفقراء** (اللہ غنی ہے اور تم سب فقیر ہو) یہ فقر فقر مطلق کہلاتا ہے۔یہاں ہماری بحث صرف فقر اصطلاحی سے ہے۔

فضائلِ فقراء:۔ فقراء کے جو فضائل ومناقب قرآن وحدیث میں ملتے ہیں ان کی چند مثالیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ **خیر ھذہ الامۃ فقراء وھا واسرعھا تفجعا فی الجنۃ ضعفاء ھا** (اس امت کے بہترین لوگ فقراء اور جنت میں سب سے پہلے جانے والے اس امت کے ضعفاء ہیں) ایک اور حدیث میں آیا ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے جنت ودوزخ کی سیر کرائی گئی۔میں نے میری امت کے فقراء کو جنت کے اعلیٰ طبقات میں اور اغنیاء عورتوں کو اس کے زیریں حصے میں دیکھا۔میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو ارشاد ہوا کہ **اما النساء فاخرھن الاحمران الذھب والفضۃ واما الاغنیاء فاشتغلوا بطول الحساب** (عورتیں سونے چاندی کی محبت کی وجہ سے اور تونگر اپنے اموال کے حساب وکتاب میں مصروفیت کے سبب پیچھے رہ گئے)

غور کیا جائے تو اس کی ظاہری مثال یہ ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ

یارانِ تیز گام نے محمل کو جالیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا مقصد اصل محبوب ہوتا ہے وہ دوسرے فضولیات کی طرف توجہ

نہیں کرتے اور محمل محبوب تک پہنچ جاتے ہیں۔اور جولوگ محبوب کے سوا دوسری مشتبہیات میں لگ جاتے ہیں وہ پیچھے رہ جاتے ہیں ۔ بعینہ یہی صورت اغنیاء اور فقراء کی ہے کہ اغنیاء دنیا ولذائذ دنیا میں انہاک کے باعث حساب وکتاب میں پھنسے رہے اور فقراء دنیا و مافیہا سے یکسور ہنے کی وجہ سے آخرت میں فارغ الحساب یا سہل الحساب رہے۔اورانہوں نے اپنے منزلِ مقصود کو بہت جلد پالیا۔

ایک دوسری حدیث میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ **یدخل الفقراء الجنة قبل الاغنیاء بخمسه مائة عام** (فقراء اغنیاء سے پانچ سوسال پہلے جنت میں داخل ہوجائیں گے)

ایک مرتبہ صنادید قریش نے فقرائے مومنین مثل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مقدادؓ بلالؓ عمارؓ صہیب رضی اللہ عنہم کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ اگر آپ ان فقراء کو اپنی مجلس سے دور کردیں تو ہماری نشست وبرخاست آپ کے پاس ہوسکے گی ۔اور ہم آپ کی دعوتِ اسلام پرغور کرسکیں گے۔آنحضرت ﷺ نے کفار کی یہ درخواست مسترد فرمادی۔کفار نے کہا کہ ان فقراء کے ساتھ ایک جگہ بیٹھنا ہمارے لئے باعثِ ننگ وعار ہے۔کم ازکم ایک دن ان فقراء کے لئے اور ایک دن ہمارے لئے مقرر کردیجئے یا جس وقت ہم آئیں یہ آپ کی مجلس سے اُٹھ جایا کریں۔تفسیر معالم وغیرہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے اسلام لانے کی امید پران کے لئے اس قدر رعایت منظور فرمائی اور کفار کے حسبِ خواہش معاہدہ لکھا جارہا تھا کہ آیت نازل ہوئی۔اور رسول اللہ ﷺ کوحکم دیا گیا کہ آپ ان فقراء کو اپنے پاس سے دور نہ کریں اگر آپ ان کو دور کردیں تو آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہوں گے۔ چنانچہ حکم ہوا کہ **"ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغدواة والعشی یریدون وجھه ما علیک من حسابھم من شیء وما من حسابک علیھم من شیء فتطردھم فتکون من الظالمین(الانعام ۵۲)** (آپ اپنی مجلس سے ان لوگوں کو نہ نکالیئے جو صبح وشام اپنے پروردگار کا ذکر بوجہ اللہ کرتے ہیں ان کے اعمال کا حساب آپ سے اور آپ کے عمل کا حساب ان سے متعلق نہیں ہے کہ آپ ان کو نکال دیں۔اگر آپ ان کو نکال دیں تو آپ ظالمین سے ہوں گے)

ایک اور موقع پر کفار نے ان ہی فقرائے مومنین کے متعلق کہا تھا کہ آپ ان کمبل پوشوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیجئے تا کہ ہم آپ کے پاس بیٹھ سکیں کیونکہ ان کے کپڑوں کی بدبو سے ہم کو تکلیف ہوتی ہے۔اس پر خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو تاکید کی کہ آپ کو ان ہی فقیرانِ بےنوا کے ساتھ رہنا اور ان پر نظرِ التفات رکھنا چاہئے۔

فقیروں کو دور کر کے امیروں کو اپنے پاس بٹھانا گویا حیاتِ دنیا کی آرائش وزیبائش کی خواہش کرنا ہے۔ اور یہ آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ ان لوگوں کی درخواست قبول نہ فرمائیں جو ہماری یاد سے غافل' اپنی ہوا و ہوس کے بندے اور حد سے متجاوز ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ

''واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم تریدزینۃ الحیوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکر نا واتبع ھو نہ وکان امرہ فرطا''(الکھف ۲۸)

ترجمہ(آپ ان ہی لوگوں کے ساتھ رہئے جو صبح وشام اپنے پروردگار کا ذکر بوجہ اللہ کرتے ہیں۔ آپ اپنی نظرِ عنایت ان پر سے نہ ہٹائیں۔ کیا آپ حیاتِ دنیا کی زینت چاہتے ہیں۔ آپ اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کی ہے اور جو حد سے تجاوز کر گیا ہے)

قرآن شریف میں ایک اور مقام پر ان ہی فقراء کو خدائے تعالیٰ کے فضل وخوشنودی کے طالب' دین خدا و رسول کے ناصر اور ان کو صادقین کے خطاب سے یاد فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ

للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولئک ھم الصادقون(الحشر ۸)

ترجمہ(مالِ فی و غنیمت میں ان فقرائے مہاجرین کا حق ہے جو زبردستی اپنے دیار واموال سے نکالے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل ورضامندی کے طالب ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ صادق ہیں)

پس بوجہ اللہ محض خدائے تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے دیار وامصار اور مال ومتاع کو چھوڑ کر ہجرت کرنا' اپنی ذات ومال سے خدا اور رسولؐ کے دین کی نصرت وحفاظت کرنا اور صادق فی القول والعمل ہونا فقراء کے خاص مناقب ہیں۔

اوصاف فقراء:۔ خصائص ممیّزہ کے طور پر خدائے تعالیٰ نے فقراء کے اوصاف کو ایک آیت میں نہایت جامع طور پر اس طرح بیان فرمایا ہے کہ''للفقراء الذین احصر و فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیماھم لا یسالون الناس الحافا''(البقرۃ ۲۷۳)

ترجمہ (صدقات ان فقراء کے لئے ہیں جو فی سبیل اللہ محصور ہیں۔ وہ زمین پر چلتے پھرتے نہیں۔ ان کے تعفف کی وجہ سے ناواقف شخص ان کو غنی سمجھ لیتا ہے۔ تم ان کو ان کے علامات سے پہچان سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے)

خدائے تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فقراء کی پانچ صفتیں بیان فرمائی ہیں۔

فقراء کی پہلی صفت:۔ احصروا فی سبیل اللہ (وہ فی سبیل اللہ محصور یا مقید ہیں)

احصار کے معنی میں اختلاف ہے اس کے متعلق تین قول ہیں۔

(۱) ابوعبیدہ، زجاج وغیرہ کا قول ہے کہ احصار مرض سے مختص ہے جب کوئی شخص مرض کی وجہ سے سفر نہ کر سکے تو کہا جاتا ہے کہ ''احصر المرض'' یعنی وہ مرض کی وجہ سے سفر نہ کر سکا۔

(۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دشمن کے خوف سے کوئی شخص اپنے مقام سے نہ نکل سکے تو اس وقت احصار کا استعمال ہوتا ہے۔

(۳) دوسرے علماء کا قول ہے کہ احصار کے معنی مطلق حبس ومنع کے ہیں۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ بیماری، دشمن کا خوف، ضعیفی، تنگ دستی۔ غرض جس وجہ سے بھی آدمی ایک جگہ بیٹھ جائے ان سب صورتوں پر احصار کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت کی شانِ نزول پر غور کرنے سے بھی اسی تیسرے قول کی تائید ہوتی ہے۔ یہ آیت ان فقرائے مہاجرین کی شان میں نازل ہوئی ہے جن کو اصحابِ صفہ کہتے ہیں۔ جن کی تعداد باختلاف روایات کم وبیش چار سو تھی۔ اور جو ہجرت کر کے آئے ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کا گھر دار تھا نہ وہ مال ومتاع رکھتے تھے۔ وہ مسجد نبوی میں رہتے۔ جس قدر قرآن نازل ہوتا جاتا یاد کر لیا کرتے تھے۔ دن کو روزے رکھتے رات میں نمازیں پڑھتے۔ اور ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک رہتے تھے۔ ان اعمال کے سوا انہیں تجارت وزراعت وغیرہ دنیوی کاروبار سے سروکار تھا نہ طلب معاش ومعیشت میں سرگرداں تھے۔ احادیث میں ان کے فضائل مذکور ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''**وقف رسول اللہ ﷺ یوماً علی اصحاب الصفة فرای فقرهم وجهد هم فطیب قلوبهم فقال ابشروایا اصحاب الصفة فمن لقینی من امتی علی النوت الذی انتم علیه راضیا بما فیه فانه من رفاتی**'' ترجمہ (ایک روز رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ کے پاس تشریف لائے

ان کے فقر ومشقت کو ملاحظہ کیا اور فرمایا کہ اے اہل صفہ تم کو خوشخبری ہو کہ میری امت کا ہر وہ شخص جو تمہارے اوصاف سے متصف ہو اور اس تکلیف ومشقت پر راضی رہے تو وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا)

ظاہرً آیت پر غور کرنے سے بھی فقراء کا فی سبیل اللہ محصور ہونا یعنی خدائے تعالیٰ کی طاعت وبندگی کے لئے خود کو مقید کر لینا صرف بیماری یا دشمن کے خوف سے مخصوص نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے ان کے لئے جو حصار قرار دیا ہے وہ فی سبیل اللہ کا حصار ہے۔ جس میں وہ محصور اور رُکے ہوئے ہیں۔ محض دشمن یا بیماری کی وجہ سے محصور ہونے کا آیت میں کوئی قرینہ نہیں پایا جاتا اس کے علاوہ یہ آیت جس طرح اوپر ذکر کیا گیا ہے اصحابِ صفہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور خدائے تعالیٰ نے ان کو محصور فی سبیل اللہ فرمایا ہے۔ حالانکہ یہ سب کے سب اصحابِ صفہ الا ماشاء اللہ نہ بیماری کی وجہ سے مسجد نبوی میں مقیم تھے نہ کسی دشمن کے خوف سے وہ مسجد رسول اللہ ﷺ میں روپوش تھے بلکہ بقول امام رازیؒ ''**ھولاء قوم کانوا مشتغلیں بذکر اللہ و طاعتہ وعبودیتہ وکانت شدۃ استغراقھم فی تلک الحالۃ احصرتھم عن الاشتغال بسائر المھمات** (ترجمہ) یہ جماعت خدائے تعالیٰ کے ذکر اور اس کی طاعت وعبادت میں اس شدت کے ساتھ مشغول ومنہمک تھی کہ ان کا یہ استغراق دوسرے تمام کاروبار میں مشغول ہونے سے ان کو روک رہا تھا)

اس سے ثابت ہے کہ یہ حصار فی سبیل اللہ کا حصار ہے۔ پس جو بندہ خدا محض لوجہ اللہ خدائے تعالیٰ کی طاعت وعبادت اور ذکر وفکر کے لئے اپنے قدم کو قید کر لے وہ محصور فی سبیل اللہ ہے۔

فقراء کی دوسری صفت:۔ خدائے تعالیٰ نے دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ **لا یستطیعون ضرباً فی الارض** (وہ زمین پر چلتے پھرتے نہیں) یہ صفت پہلی صفت کا بیان واقع ہوئی ہے جب کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو پہلی صفت میں محصور فی سبیل اللہ فرمایا ہے تو **لا یستطیعون ضرباً فی الارض** کے معنی امام رازیؒ کے الفاظ میں یہ ہوں گے کہ **لان اشتغالھم بصلاح الدین وبامر الجھاد یمنعھم من الاشتغال بالکسب والتجارۃ** (ترجمہ) ان کی صلاح دین اور جہاد میں یہ مشغولیت کسب وتجارت وغیرہ امور میں مشغول ہونے کی مانع تھی)

یعنی وہ عبادت وریاضت، ذکر وفکر میں مصروفیت کے باعث اپنی مسجدوں اور عبادت گاہوں سے کسب معاش اور طلبِ رزق میں نہیں نکلتے۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلتے بھی ہیں تو جب اس سے فارغ ہوتے

ہیں۔ پھر خدائے تعالیٰ کی طاعت و بندگی اور ذکر وفکر میں مشغول ہو جاتے ہیں۔غرض کسی دنیوی مقصد کے لئے جو صلاح دین اور اشاعت وتبلیغ مذہب سے متعلق نہ ہو اپنے مقام سے نہیں نکلتے۔

بعض لوگ اس کو تعطل یعنی بے کاری اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دراصل ''ترکِ ادنیٰ واختیار اعلیٰ'' کا اصول ہے۔یعنی یہ ایک جذبۂ فطری ہے جو ہر انسان میں موجود ہے کہ وہ ادنیٰ کو چھوڑ کر اعلیٰ کو حاصل کرنے کا میلان رکھتا ہے۔مثلاً ہر شخص تمام پیشوں میں جس پیشے کو اچھا سمجھتا ہے اسی کو اختیار کرتا اور دوسروں کو چھوڑ دیتا ہے۔ایک ملازم ادنیٰ ملازمت کو چھوڑ کر اعلیٰ ملازمت حاصل کرنے کا ہر وقت خواہاں رہتا ہے۔انہیں دو مثالوں پر موقوف نہیں بلکہ دنیا بھر کے انسان اپنے اپنے کاروبار میں یہی اصول ملحوظ رکھتے۔اور اسی کے موافق عمل کرتے ہیں پس کسی کا عبادت وریاضت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینا اور ذکر وفکر وغیرہ اعمالِ عبادت میں ہمیشہ مشغول رہنا ہرگز بے کاری وتعطل نہیں بلکہ وہی ترکِ ادنیٰ واختیار اعلیٰ کی صورت ہے کہ انہوں نے دنیوی مشاغل کو جو ادنیٰ اور آخرت میں کام آنے والے نہیں ہیں چھوڑ کر وہ اعلیٰ مشاغل اختیار کئے جو آخرت میں کام آنے والے ہیں۔صاف ظاہر ہے کہ اس کو بیکاری وتعطل نہیں کہا جاتا۔

فقراء کی تیسری صفت:۔ خدائے تعالیٰ نے فقراء کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ ''**یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف**'' (**البقرۃ ۲۷۳**) (ترجمہ:۔ان کے تعفف کی وجہ سے ناواقف ان کو غنی سمجھ لیتا ہے)**تعفف** عفت سے ہے۔عفت کے معنی کسی چیز کو چھوڑ دینے یا اس سے باز رہنے کے ہیں۔اس آیت شریفہ میں تعفف سے ترک سوال اور ترکِ اختلاط مراد ہے۔یعنی ان فقراء کے سوال نہ کرنے اور دنیا واہل دنیا سے لاپروائی برتنے کی وجہ سے ایک جاہل اور ناواقف شخص ان کو توانگر سمجھ لیتا ہے۔

فقراء کی چوتھی صفت:۔ فقراء کی چوتھی صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے۔''**تعرفھم بسیماھم**'' (البقرۃ ۲۷۳) یعنی ایک جاہل وناواقف ان فقراء کو توانگر سمجھ لے تو سمجھ لے۔لیکن محمدؐ! آپ ان فقراء کو ان کی علامت سے پہچان لیں گے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں ''**سیما**'' (علامت) سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ ربیعؒ کے نزدیک ''**سیما**'' سے مراد تکلیف فقر وحاجت کے آثار وعلامات۔ضحاکؒ کے پاس بھوک کی شدت سے فقراء کے چہروں کی زردی۔ بقول ابن زیدؒ فقراء کے لباس کی فرسودگی مجاہدؒ کے نزدیک لوگوں کے ساتھ ان کی تواضع

وتخشع ۔یعنی تم ان فقراء کو تکلیف فقر کے اثرات یا بھوک سے چہروں کی زردی یا ان کے لباس کی کہنگی وفرسودگی یا ان کی تواضع (چاپلوسی) سے پہچان لوگے۔

اگر چہ یہ سب صورتیں فقراء کی علامات قرار دی جاسکتی ہیں اور عام فقراء کو ان علامات سے پہچانا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ علامتیں علانیہ فقر کو ظاہر کرتی ہیں۔ ایک نادان سے نادان بھی کسی کو اس حالت میں دیکھ کر یقیناً فقیر سمجھ سکتا ہے۔ لیکن خدائے تعالیٰ جن خاص فقراء کو ''تعفف'' سے موصوف فرمایا ہے اور جس کی وجہ سے ناواقف شخص کا ان کو غنی سمجھ لینا ظاہر کیا گیا ہے وہ تو ایسی صورتوں سے متصف نہیں قرار دیئے جاسکتے۔ جن سے ان کا فقر ظاہر ہوجاتا ہو۔ پس ان صورتوں میں سے ایک صورت بھی ان فقرائے خاص کی علامت نہیں ہوسکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں ''سیما'' سے یہ ظاہری وجسمانی علامتیں نہیں بلکہ وہ ادراکاتِ روحانیہ مراد ہیں جن کے اثرات بندگانِ خاص کے چہروں سے ٹپکتے ہیں۔ جن کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ان کی ہیبت ووقار جاگزیں ہوتے۔ لوگ ان سے متاثر ہونے لگتے اور ان کے ساتھ تواضع وانکسار سے پیش آتے ہیں اور دنیا کا سرکش سے سرکش انسان بھی ان کے سامنے گردن جھکانے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

پس ''سیما'' سے فقراء کی یہی ہیبت وجلال اور ان کی قوتِ روحانی کا رعب وداب مراد ہے۔ اور یہی معنی آیت میں ذکر کئے ہوئے دوسرے اوصاف سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ ورنہ ایسی علامتیں جو فقر وبے نوائی کو ظاہر کرتی ہوں ''یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف'' سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔

فقراء کی پانچویں صفت:۔ فقراء کی پانچویں صفت یہ ہے کہ'' **لا یسالون الناس الحافا** (البقرۃ ۲۷۳) (وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے)

علامۂ ابن منظور افریقی لسان العرب میں لکھتے ہیں کہ''**الالحاف شدۃ الا لحاح فی المسئلۃ**'' (سوال میں نہایت عاجزی اور لجاجت کرنے کو الحاف کہتے ہیں۔ اسی طرح وہ الحاف کے ایک اور معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ'' **الحف ولحف الرجل اذا جرازارہ علی الارض خیعلاء وبطراً** ''صاحب منتہی الارب اسی مطلب کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ

الحاف بناز دامن کشاں رفتن

الحاف کے لغوی معنی بیان کرنے کے بعد ایک ضروری بحث یہ رہ جاتی ہے کہ اس آیت میں

الحاف مصدر واقع ہوا ہے۔کلامِ عرب میں مصدر کبھی فاعل کے معنی میں آتا ہے اور کبھی مفعول لہ واقع ہوتا ہے۔ مثلاً جملۂ ''زید لا یجئی خوفاً'' میں ''خوف'' کو فاعل کے معنی میں لیں تو جملہ کی یہ تقدیر ہوگی۔''زید لا یجئی خائفا''یعنی زید آتا ہے لیکن ڈرتا ہوا نہیں آتا۔اور اگر ''خوف'' کو مفعول لہ قرار دیں تو جملہ کی تقدیر یہ ہوگی'' زید لا یجئی للخوف''یعنی زید ڈر کی وجہ سے آتا ہی نہیں۔یہی صورت آیۂ کریمہ'' لا یسالون الناس الحافا'' کی ہے کہ اس کے معنی میں بھی یہ دونوں احتمال پائے جاتے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ وہ فقراء سوال کرتے ہیں مگر لپٹ کر نہیں کرتے۔

(۲) دوسرا یہ کہ وہ فقراء مطلق سوال ہی نہیں کرتے۔

خدائے تعالیٰ نے اس سے قبل ان فقراء کی یہ صفتیں بیان فرمائی ہیں کہ:

(الف) وہ فی سبیل اللہ محصور وقدم قید ہیں۔

(ب) للّٰہی وسبیل اللّٰہی اغراض کے سوا دوسرے اغراض ومقاصد کی طلب میں زمین پر چلتے پھرتے نہیں۔

(ج) تعفف یعنی ان کی لاپرواہی اور بے اعتنائی کی وجہ سے ناواقف لوگ ان کو تونگر سمجھ لیتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ'' لا یسئالون الناس الحافا'' کا پہلا معنی اختیار کیا جائے تو ان تمام صفات سے عموماً اور صفت تعفف سے خصوصاً مخالفت وتضاد لازم آتا ہے۔کیونکہ اس تقدیر پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا وہ فقراء محصور فی سبیل اللہ اور للّٰہی اغراض ومقاصد کے سوا اپنے مقام سے نہ نکلنے اور تعفف وغیرہ اعلیٰ صفات سے متصف ہونے کے باوجود سوال بھی کرتے ہیں۔یہ اور بات ہے کہ لپٹ کر نہیں کرتے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان اعلیٰ صفات کے ساتھ یہ معنی کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔اگرچہ بعض مفسرین نے اس معنی کو بھی اختیار کیا ہے لیکن امام رازی نے اس کو کمزور ثابت کیا ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

وھوضعیف لان اللہ وصفھم بالتعفف عن السوال قبل ذلک فقال یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف وذلک ینا فی صدور السوال عنھم

(یہ معنی اختیار کرنا ضعیف ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے ان کو تعفف یعنی سوال سے بچنے کی صفت سے موصوف کیا۔اور فرمایا ہے کہ'' یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف''اور ان فقراء کا یہ وصف تعفف ان سے فعل سوال صادر ہونے کا منافی ہے)

پس فقراء کی صفت تعفف اور دوسرے صفات کو پیش نظر رکھا جائے تو ثابت ہے کہ'' **لا یسئالون الناس الحافا**'' کا دوسرا معنی یعنی'' وہ فقراء مطلق سوال نہیں کرتے'' ان مذکورہ صفات سے کامل مطابقت رکھتا ہے۔اور الحاف کے لغوی معنی'' **بنازدامن کشاں رفتن**'' سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

فقرائے مہدویہ ان تمام اوصاف سے متصف ہیں

خدائے تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں فقراء (اصحاب صفّہ) کے جن اوصاف کا ذکر فرمایا ہے قریباً ان کل اوصاف سے مشہور مشہور اولیاء اللہ متصف رہے ہیں۔اور یہی اوصاف فقرائے گروہ امامنا مہدی موعود علیہ الصلواۃ والسلام میں کامل ومکمل طور پر پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے ان فقراء کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ فی سبیل اللہ محصور ہیں۔ پس جس طرح اصحابِ صفّہ دنیا سے یکسو ہوکر مسجد رسول اللہ ﷺ میں خدائے تعالیٰ کی عبادت اور ذکر وفکر میں مشغول رہتے تھے۔اسی طرح فقرائے مہدویہ بھی زہد فی الدنیا اختیار کر کے اپنے اوقات کو ریاضت وعبادت' ذکر وفکر اور مذہب کی تبلیغ واشاعت وغیرہ للّٰہی اغراض میں صرف کرتے ہیں۔گویا انہوں نے خدائے تعالیٰ کی طاعت وعبادت اور خدمت دین کے لئے خود کو فی سبیل اللہ محصور ومقید کرلیا ہے۔

جس طرح اصحاب صفہ ضرورت کے وقت کفار ومشرکین کے ساتھ جہاد کرتے تھے اسی طرح فقرائے مہدویہ کی یہ گوشہ نشینی بھی مانع جہاد نہیں ہے۔جیسا کہ بعض ناواقف خیال کرتے ہیں کہ اس قسم کی گوشہ نشینی اور عزلت سے جہاد ترک ہوتا ہے۔ حالانکہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلنا اس حصار فی سبیل اللہ کے خلاف نہیں کیونکہ یہ بھی لوجہ اللہ اور عبادت ہے۔اسی لئے جہاں جہاد کا موقع پیش آتا ہے۔یہی فقرائے گوشہ نشین اس میں سب سے زیادہ حصہ لیتے ہیں۔

اس سے قطع نظر گوشہ عزلت میں ریاضت وعبادت' ذکر وفکر وغیرہ للّٰہی اغراض میں مصروف رہنا جہاد مع النفس اور جہاد اکبر کہلاتا ہے۔جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ'' **رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر**'' (ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف مراجعت کی)

جہاد مع النفس کو جہاد اکبر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جہاد مع الکفار ایک موقتی شئے اور اس میں موت آناً فاناً ہے۔ جو تکلیفات جہاد کا معاً خاتمہ کردیتی ہے۔اور جہاد مع النفس عمر بھر روزانہ ہوتا رہتا ہے۔جس میں ہر روز مرنا ہے اور ہر روز جینا ہے۔ جہاد مع الکفار اور جہاد مع النفس کے فرق مراتب کی اک بدیہی مثال یہ ہے کہ گویا

ایک چڑیا ذبح کر کے ڈالدی جائے۔ اور دوسری زندہ چڑیا کو آگ میں بھونا جائے جو نہ مرسکتی ہے اور نہ کسی طرح اس عذاب سے چھوٹ سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں چڑیوں کی مخالفِ نفس تکلیفات میں بہت فرق ہے۔ اسی طرح ایک مجاہد الکفار اور مجاہد النفس کی تکلیفات کی حالت ہے۔ پس جہاد مع النفس میں مخالفتِ نفس وہوا کی تکلیفات جہاد مع الکفار کی تکلیف سے شدید بلکہ شدید تر ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے کفار کے ساتھ جنگ کرنے کو جہاد اصغر اور نفس کے ساتھ جنگ کرنے کو جہادِ اکبر فرمایا ہے۔

غرض فقرائے گروہ مہدی علیہ السلام احصار فی سبیل اللہ کی صفت سے بہ ہمہ وجوہ متصف ہیں۔ وہ اپنے اپنے حجروں اور گوشوں میں تزکیۂ نفس اور نفس وہوا کی مخالفت کر کے جہادِ اکبر میں مشغول رہتے ہیں۔ اور جہادِ اصغر کے موقع پر اس فضیلت کو بھی حاصل کرتے اور دونوں فضیلتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

خدائے تعالیٰ کی فرمودہ دوسری صفت ''**لا یستطیعون ضرباً فی الارض**'' بھی فقرائے گروہ مہدی علیہ السلام کی خصوصیات سے ہے۔ وہ بھی اصحاب صفہ کی طرح اسی اصول کے پابند ہیں کہ عبادت وریاضت ترک کر کے کسب معیشت کے لئے جدوجہد کرنا اور اپنے معابد ومساکن سے طلب رزق میں نکلنا گویا اپنے آقا کی خدمت گزاری چھوڑ کر اپنے ذاتی کاروبار میں لگے رہنا اور توکل کے خلاف جانتے ہیں۔ کیونکہ توکل ایمان کی علامت اور ایمان کا منحصر علیہ ہے۔ جس طرح خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''**علی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین**'' (اگر تم مومن ہیں تو اللہ ہی پر توکل کرو) پس خدائے تعالیٰ پر کامل توکل ان کے پاس فرض۔ رضا بالقضا ان کا کام اور تسلیم و تفویض ان کا شیوہ ہے۔

فقرائے مہدویہ کی یہ وہ صفت ہے کہ اس پر امثال ونظائر پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ ان کی تسلیم ورضا کس پایے کی ہے اور وہ توکل وتفویض کے کس مرتبہ عالیہ پر فائز ہیں اور وہ ارشادِ خداوندی'' **لایستطیعون ضرباً فی الارض** '' کے کس حد تک مصداق ہیں۔

تیسری صفت ''**یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف**'' سے بھی فقرائے مہدویہ پورے متصف ہیں۔ ان کے استغنا' ان کی لاپرواہی' دنیا واہل دنیا سے بے غرضی وعدم اختلاط کی وجہ سے ایک ناواقف ان کو غنی سمجھ لیتا ہے۔ مشہور ہے کہ بعض ناواقف امراء نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ فقرائے مہدویہ کو یقیناً کیمیا آتی ہے۔ جب ہی تو وہ اس قدر مستغنی رہتے ہیں۔ حقیقت میں یہ بھی ایک طرح کی بدگمانی تھی ورنہ یہ ''**یحسبھم**

الجاھل اغنیاء من التعفف''ہی کے ظہور کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

چوتھی صفت ''**تعرفھم بسیماھم**'' بھی فقرائے مہدویہ میں خصوصیت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ لیکن ''**سیما**'' کی تفسیر میں جو متعدد اقوال اوپر ذکر کئے گئے ہیں مثلاً فقر واحتیاج کی کیفیت۔تواضع وتخشع'لباس کی فرسودگی' بھوک کی شدت سے چہرے کی زردی وغیرہ ظاہری علاماتِ فقر جیسا کہ ہم نے اوپر تحقیق کی ہے۔ عام فقیروں کی نشانیاں ہوسکتی ہوں مگر ان فقرائے متوکلین کے چنداں موزوں نہیں ہیں۔ جو صبر واستقلال اور رضا وتسلیم میں کامل ہیں۔ بلکہ ان فقرائے مہدویہ کے صبر وتوکل اور ان کے فقر وفاقہ کا اندازہ کرنا ہوتو ہندوستان کے ایک مشہور عالم متبحر کا قول بالکل حسبِ حال ثابت ہوتا ہے کہ(استغنا وقناعت کا یہ حال تھا کہ کئی کئی دن گزر جاتے اور کچھ میسر نہ آتا لیکن دلوں کی بےفکری اور چہروں کی خوش حالی دیکھ کر گمان ہوتا کہ ابھی شکم سیر ہوکر اٹھے ہیں۔ جاہل ان کے استغنا کی وجہ ان پر اغنیاء کا حکم کرتا ہے۔ بھوک کا بہت غلبہ ہوتا تو نماز شروع کردیتے اور سلام پھیر کر اٹھتے تو شہنشاہوں کی بے نیازی چہروں سے ٹپکتی)

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے حقیقت میں ''**سیما**'' سے مراد وہ نورانی تجلیات وکیفیات ہیں جو صفائی دل کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔اور دیکھنے والوں کی نظر چہرے پر پڑتے ہی دل خود بخود کمال باطنی کی گواہی دیتا ہے۔جس کی بہترین مثال حضرت رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں ملتی ہے کہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور عبداللہ بن سلام جو یہود کے بہت بڑے عالم تھے' خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضرت کے چہرۂ انور پر نظر پڑتے ہی وہ دل میں بے ساختہ کہہ اٹھے کہ

ما ھذا وجه کذاب (یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے)

اسی طرح امامنا حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت فرماتے ہوئے جب جیسلمیر تشریف لائے ہیں۔صحابہ میں سے کسی نے عرض کیا ایک بیل قریب مرگ ہے۔ لیکن یہ ایک ہندو حکومت ہے اور یہاں گاؤکشی ممنوع ہے۔حضرت نے توجہ الی اللہ کے بعد بیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ تھا کہ کفار کو تابِ مقاومت نہ تھی جب وہ آپ کو دیکھتے تو مطیع ومنقاد ہو جاتے یا راہِ فرار اختیار کرتے تھے۔اس وقت خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے تم کو''خاتم ولایت محمدیہ'' بنایا ہے۔اس لئے یہی معجزہ تمہیں بھی دیا گیا ہے۔اس ارشاد صداقت بنیاد پر بیل ذبح کر دیا گیا۔اور شدہ شدہ یہ خبر حاکم وقت کو پہنچی

۔ چنانچہ وہ غضب ناک وغضب آلود انتقام کی غرض سے فوج کثیر لے کر حضرت کی فرودگاہ پر چڑھ آیا۔ لیکن حضرت کے چہرۂ اقدس پر نظر پڑتے ہی حاکم جیسلمیر قدموں پر گر پڑا اور کہا۔ ''**آفرید گار گاؤ۔ گاؤ راکشته است ما بکه جنگ کنیم**'' یہی حالت ان پاکان قدسی صفات کی ہوتی ہے جو فیضانِ نبوت وولایت سے فیض یاب ہوتے اور رسول ومہدی علیہما السلام کے نقشِ قدم پر چل کر ظاہری وباطنی فضائل کے جامع ہوتے ہیں۔

چنانچہ فقرائے مہدویہ میں اس قسم کے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت بندگی میاں سید محمود سید نجی خاتم المرشدینؒ کا وہ واقعہ ہے کہ جب آپ ثبوتِ مہدیت کے لئے شہنشاہ اکبر کے دربار میں طلب کئے گئے تو حضرت کے چہرۂ مبارک پر نظر پڑتے ہی شہنشاہ اپنے اہلِ دربار کو مخاطب کر کے بول اٹھا کہ ''تم کہتے ہو کہ یہ مہدی کا نواسہ ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر یہ خود مہدی ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کے لئے سزاوار ہے''

قریبی زمانے میں حضرت منجا میاں صاحب قبلہؒ قوم کے ایک مشہور باخدا بزرگ گزرے ہیں آپ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی مہدوی جمعدار کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے حضرت بندگی میاں شاہ ابراہیمؒ کے حظیرے کو تشریف لائے۔ لوگ حضرت ہی کے انتظار میں حظیرے سے باہر ٹھہرے ہوئے تھے۔ جن میں بعض غیر مسلم عمائدین بلدہ حیدرآباد دکن بھی تھے۔ حضرت پیرانہ سالی کی وجہ سے میانے میں تشریف لائے اور حظیرے کے دروازے پر اترے تو دوسرے مہدویوں کی طرح راجہ مکھن لال جو'' تاریخ مکھن لال'' کے مولف ہیں' بے اختیار اٹھ کھڑے ہوگئے۔ لوگوں نے کہا کہ راجا صاحب! یہ ہمارے پیر ومرشد ہیں ہم تعظیماً آداب وقدم بوسی کے لئے اٹھے ہیں۔ آپ نے کیوں تکلیف کی؟ مکھن لال نے جواب دیا کہ حضرت کے چہرے پر نظر پڑتے ہی مجھے یہ معلوم ہوا کہ میانے سے آفتاب نکل آیا۔

پانچویں صفت ''**لایسالون ا لناس الحا فا**'' بھی فقرائے مہدویہ کی ایک مخصوص صفت ہے۔ اور اس شدت کے ساتھ اس پر عمل پیرا رہنا ان کا اصول ہے کہ وہ ہر صورت سوال سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ سوال کرنا یا بھیک مانگنا احکامِ اسلامی کے خلاف سخت معیوب اور ممنوع ہے۔ چنانچہ اس حکم قرآنی کے علاوہ احادیث حضرت رسالت پناہی میں بھی سوال کی ممانعت اور مذمت کثرت سے وارد ہے۔ مثلاً ارشاد فرمایا کہ

اذا بایعه قوم علی الاسلام فاشترط علیهم السمع والطاعة ثم قال لهم لا تسئا لوا الناس شیئاً'' (ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سے کوئی قوم بیعت کرتی تو آپ اس شرط پر بیعت لیتے کہ وہ خدااور رسول کی اطاعت کرے اور لوگوں سے کوئی سوال نہ کرے)

من سأ لنا اعطیناه ومن استغنی اغناه الله (جو شخص ہم سے مانگا اس کو ہم نے دیا۔ اور جس نے لاپرواہی کی اللہ نے اس کو غنی کیا)

من لم یسئا لنا فهوا حب الینا (جو ہم سے سوال نہ کرے وہ ہمارے پاس زیادہ محبوب ہے)

استعفوا عن السوال وما قل من السوال فهو خیر قالوا ومنک یا رسول الله قال ومنی (سوال سے بچتے رہو یہ جس قدر کم ہو بہتر ہے صحابہ نے کہا کیا آپ سے بھی سوال نہ کریں؟ فرمایا ہاں مجھ سے بھی)

سوال کو ممنوع قرار دینے میں جو فوائد ومصالح ہیں غور کیا جائے تو ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اس میں اپنی بے صبری وناشکر گزاری کے اظہار اور خدائے تعالیٰ کی ایک گونہ شکایت کا پہلو نکلتا ہے۔ کیوں کہ جب کوئی شخص سوال کرتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے فقر واحتیاج کو ظاہر کرتا اور یہ بتاتا ہے کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ نے اپنے افضال ونعم سے محروم رکھا' یا اس میں کمی کی ہے۔ گویا سوال کرنے والے کی مثال اس غلام کی سی ہے جو اپنے جیسے ایک غلام کے سامنے اپنے آقا کی شکایت کرتا ہے۔

سوال ممنوع ہونے کی دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ سوال کرنے والا اپنے ہی جیسے ایک مجبور بندے کے آگے دستِ طلب دراز کرتا ہے۔ اگر اس نے سوال رد کر دیا تو بھی یہ ذلیل ہوا۔ اور اگر'' دہن سگِ بلقمہ دو ختہ بہ'' پر عمل کر کے اس نے کچھ دے بھی دیا تو یہ ذلیل ہوا۔ سعدی علیہ الرحمہ نے ایک سائل کی زبان سے اس حقیقت کو اس طرح واضح کیا ہے۔

نانم افزود و آبرو یم کاست
بے نوائی بہ از مذلت خواست

صرف وہی ایک درگاہ قاضی الحاجات ہے کہ اس سے مانگنے پر وہ دے بھی تو ذلت نہیں اور نہ دے تو بھی ذلت نہیں۔ لسان العصر اکبرالہٰ آبادی نے بالکل سچ کہا ہے۔

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اے اکبؔر
یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

عارفین کے نزدیک سوال ممنوع ہونے کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ عارف کے نزدیک خدائے تعالیٰ کے سوا سب ہیچ محض ہے۔اسی لئے وہ غیراللہ کواس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ اس سے کچھ مانگا جائے۔

ان ہی وجوہ ظاہری و باطنی کی طرف امامنا حضرت مہدی موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ پُر از حکمت فرمان اشارہ کرتا ہے کہ ''ہر چہ خواہی از خدا خواہ'' اوپر بیان کیا گیا ہے کہ آیت'' **لا یسئالون الناس الحافا**'' کے معنی میں دو احتمال ہیں۔

(۱) وہ فقراء سوال کرتے ہیں مگر لپٹ کر نہیں کرتے۔

(۲) وہ فقراء مطلق سوال نہیں کرتے۔

چنانچہ پہلے معنی کے اعتبار کرتے ہوئے بعض علماء نے سوال کو بعض خاص صورتوں میں مباح قرار دیا ہے چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں کہ باعتبار سائل سوال کے چار صورتیں ہیں۔

(۱) ایک مضطر کہ اس کو سوال کے بغیر چارہ ہی نہ ہو۔مثلاً ایک بھوکا کہ بھوک کی شدت سے اس کو ہلاکت کا یقین ہو تو ایسی صورت میں اس کے لئے سوال مباح ہے۔

(۲) دوسرا مستغنی جو بلاضرورت سوال کرے یہ قطعاً حرام ہے۔

(۳) تیسرا جس کو حاجت شدید درپیش ہے لیکن اس کا دفعیہ یقینی نہیں بلکہ ظنی ہے۔مثلاً ایک شخص بیمار ہے اور اس کو دوا کی ضرورت ہے۔اگر دوا کا استعمال نہ کیا جائے تو ہلاکت کا ظن غالب ہے۔ایسی صورت میں سوال کی اباحت کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔لیکن صبر اور ترکِ سوال اولیٰ ہے۔اگر وہ سوال کرے تو اولویت کا تارک ہوگا۔اور نہ کرے تو یہ افضل و اعلیٰ ہے۔

(۴) چوتھا وہ ہے جو سوال کی خفیف ضرورت رکھتا ہو۔یعنی ادنیٰ حیثیت سے ضروریات کو پورا کرنے کو کافی نہ سمجھے اور اس سے اعلیٰ حیثیت سے ضروریات پورا کرنے کے لئے سوال کرے۔اس کی بہت سی مثالیں ہوسکتی ہیں۔مثلاً ایک شخص کے پاس کسی مقام تک جانے کے لئے معمولی ذرائع آمدورفت کے مصارف موجود ہوں اور وہ اس سے زیادہ آرام دہ ذرائع اختیار کرنے کے لئے سوال کرے اس قسم کی خفیف حاجتوں

اورضرورتوں کے لئے بھی سوال منع ہے۔

سوال کی ایک اورقسم ''سوال ماعون'' بھی ہے یعنی بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے دینے سے دینے والوں کا کوئی نمایاں نقصان متصور نہیں ہے اوران سے منع کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''و یمنعون الماعون'' (جولوگ ماعون سے منع کرتے ہیں ان کے لئے بدبختی ہے) بعض کے پاس ''ماعون'' سے دیگ' پیالہ' کلہاڑی' کدال' ڈول وغیرہ اشیائے ضروری مراد ہیں جو عاریۃً لی جائیں۔ بعض نے پانی' آگ اورنمک بیان کیا ہے۔ اس ''ماعون'' کی نوعیت رکھنے والے اشیاء کا مانگنا بھی جائز اور مباح ہے۔

عام اصول فقہی یہی ہے کہ ہر مباح فعل کا کرنا جائز اوراس کا ترک افضل ہوتا ہے پس اس ضابطے کے لحاظ سے جن صورتوں میں سوال شرعاً مباح ہے فقرائے مہدویہ کے نزدیک ان صورتوں میں بھی سوالِ رخصت اورترک سوال عالیت ہے۔ چنانچہ مضطر کے لئے بھی جب کہ وہ کسی قسم کا کسب کرسکتا ہوترک سوال ہی عالیت ہوگا۔ اسی وجہ سے حالتِ اضطرار میں سوال کرنے کے بجائے اس امر کی رخصت ہے کہ چیتل دوچیتل کی مزدوری کرلی جائے۔

اس کے بعد سوال کی ایک دوسری تقسیم بھی ضرور قابل ذکر ہے۔ وہ یہ کہ نفس سوال کی تین قسمیں ہیں۔

سوال قولی۔ سوال حالی۔ سوال فعلی

سوال قولی یہ ہے کہ صاف طور پر زبان سے کوئی چیز مانگی جائے یا کنایۃً خواہش کی جائے تحریری سوال بھی سوالِ قولی میں داخل ہے۔

سوال حالی یہ ہے کہ زبان سے سوال تو نہ کیا جائے لیکن حالت ایسی بنائی جائے جس سے صورت حال پیدا ہو۔ مثلاً کوئی شخص زبان سے کچھ نہ مانگے لیکن راستے پر دستِ طلب دراز کرکے بیٹھا رہے یا اس سے کوئی ایسی حرکات صادر ہوں جس سے کوئی طلب وسوال ظاہر ہوتا ہوتو یہ بھی سوال حالی ہے۔

سوال فعلی یہ ہے کہ کوئی ایسا فعل وعمل اختیار کرے جو قول سے یا حالت سے سوال پر دلالت نہ کرے۔ لیکن اس فعل سے فاعل کی نیت وارادے میں کچھ حاصل کرنے کی امید مضمر ہو جیسے کوئی حاجت مند کسی دولت مند سے ملنے کے لئے کسی للّٰہی غرض ومقصد کے تحت نہیں بلکہ اس غرض سے جائے کہ وہ کچھ دے گا۔ اگرچہ وہ زباں سے کچھ نہ مانگے۔ اور نہ اس سے کوئی حالت یا حرکت ایسی سرزد ہو جس سے سوال کا اشارہ سمجھا

جا سکے۔لیکن اس ملاقات سے اس کا مقصد کچھ ملنے کی امید ہو تو اس حاجتمند کا یہ جانا بھی سوال میں داخل ہے۔

جو آیات واحادیث سوال کی ممانعت میں وارد ہیں وہ مطلق ہیں۔اور مطلق ہونے کی جہت سے وہ بہ حسب مدارج سوال کی ان سب صورتوں کو حاوی ہیں؛ جن میں معنی سوال پایا جاتا ہے۔اس لئے فقرائے مہدویہ کے پاس سوال کی یہ سب قسمیں ممنوع ہیں۔اور وہ ہر قسم کے سوال سے احتراز کرتے ہیں۔سوال قولی وسوال حالی تو علانیہ سوال کی صورت رکھتے ہیں۔لیکن سوالِ فعلی جیسی نازک اور قریباً غیر اختیاری صورت سے بھی اجتناب فقرائے مہدویہ کا شعار رہا ہے۔انتہائی فقر وفاقہ اشیائے مایحتاج کی شدید ضرورت کے باوجود بھی ہر قسم کے سوال سے نہ صرف محترز رہتے ہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اس خاص سنت کی اتباع میں جو حالت فقر وفاقہ میں پیٹ پر پتھر باندھنے اور فقر کو چھپانے اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دینے کے لئے مختلف صورتیں اختیار کی جاتی تھیں۔فقرائے مہدویہ بھی اپنے فقر واحتیاج کو چھپانے کی مختلف صورتوں سے ممکنہ کوشش کرتے ہیں۔

چنانچہ بعض بزرگ فقر وفاقہ میں چہرے کو ہشاش بشاش رکھتے اور گھر میں لباس صد پارہ پہنتے۔لیکن سوال حالی سے بچنے کے لئے صاف ستھرا لباس اُتھار رکھتے اور وہی پہن کر باہر نکلا کرتے۔

بعض بزرگوں کا یہ عمل رہا ہے کہ گھر میں فاقہ ہوتا مگر اس خیال سے کہ کہیں کسی پر اپنا فاقہ ظاہر نہ ہو چولھوں پر خالی ہنڈیاں چڑھا دیتے اور خس و خاشاک جلا کر آگ روشن کردی جاتی تاکہ گھر سے باہر رہنے والوں کو گھر سے دھواں نکلتا دیکھ کر فاقہ کا خیال نہ گذرنے پائے۔اور گھر میں آنے جانے والوں کو چولھوں پر ہانڈیاں دیکھ کر یقین ہوجائے کہ ضرور کچھ پک رہا ہے۔غرض ان ہی صورتوں پر منحصر نہیں بلکہ جس طرح بھی ہوسکے اپنے فقر واحتیاج کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حاصل یہ کہ فقرائے مہدویہ جن حالات اور آداب کے پابند ہیں وہ پابندی احکام قرآنی کے ٹھیک مطابق اور سنت نبوی کی عین اتباع ہے۔اگر کوئی ناواقف اسکو''رہبانیت'' یا تعطل وبیکاری خیال کرے تو صحیح نہیں؛ کیونکہ یہی حالات جن بزرگانِ قرونِ اولیٰ ووسطیٰ یعنی صحابۂ رسول اللہ (اصحاب صفّہ) واولیائے کرام کے رہے ہیں کوئی مسلمان بھی رہبانیت نہیں کہہ سکتا۔

☆☆☆☆☆

حضرت شاہ یعقوب حسنِ ولایتؓ

سلسلۂ نسب: میراں سید یعقوب بن میراں سید محمود ثانی مہدی بن میراں سید محمد مہدی موعود علیہ السلام

میراں سید یعقوب بن بی بی کدبانو بنت ملک عثمان بن ملک عیسیٰ بن ملک یعقوب باڑیوال صوبہ دار پٹن المبشر بہ امرت بیل از لسان درفشانِ مہدی موعود علیہ السلام

بشاراتِ ولادت: حضرت بندگی میراں سید یعقوب حسن ولایتؓ اپنے جدِ امجد حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کے خاص مبشر ہیں۔ کیونکہ حضرت نے آپ کی ولادت کی بشارت دی ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ

حضرت بندگی میراں سید محمود ثانی مہدیؓ کو جب آپ کے بڑے فرزند بندگی میراں سید عبدالحیؓ تولد ہوئے ام المصدقین بی بی ملکانؓ نے حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت کو پوتا تولد ہوا ہے مبارک! لیکن سیاہ فام ہے' یہ سن کر حضرت مسکراتے ہوئے مکان میں تشریف لائے اور فرمایا بچہ کو میرے پاس لاؤ۔ جب نومولود کو حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت نے ایک کان میں اذاں دی' دوسرے کان میں اقامت کہی اور فرمایا بی بی! تم نے تو کہا تھا کہ یہ میرا بچہ سیاہ فام ہے حالانکہ یہ تو روشن منور ہے فرمایا ''ایں رتن راجتن کنید'' یہ ایک ہیرا ہے اس کی حفاظت کرو اور فرمایا کہ

> '' اس بچہ کا نام سید عبدالحیٔ یا سید یعقوب رکھو یہ سن کر حضرت ثانی مہدی نے یادداشت کے طور پر اپنے بند جامہ کو گرہ دی کہ یہ دوسرے فرزند مسمی سید یعقوب کی بشارت معلوم ہوتی ہے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا سید محمود! تم نے صحیح سمجھا تمہارے دو فرزند ہیں۔ ایک سید عبدالحیٔ جو ہو گیا ہے' دوسرا سید یعقوب ہے جو آئندہ ہوگا اور فرمایا تمہارے یہ دونوں فرزند ایسے ہیں جیسے آسمان پر زہرہ و مشتری''

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا کے مسافر اندھیری رات میں اپنے راستہ کو بھول جاتے ہیں اور زہرہ و مشتری کی روشنی میں راستہ پاتے اور اپنی سمت کو پہچان لیتے ہیں اسی طرح تمہارے ان دونوں فرزندوں کے ذریعہ دین کے بھٹکے ہوئے اور راہ گم کردہ مسافر ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور اپنی منزل مقصود

کو پہنچ جایا کریں گے ۔ یہ گویا اس حدیث شریف کی تضمین ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے کہ ''**اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** یعنی'' میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے''

حضرت روشن منورؓ کی ولادت کا واقعہ حضرت امام حسین شہید کربلاؓ کی ولایت سے پورا مشابہ ہے۔ جب آپ تولد ہوئے تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا'' **ارونی ابنی ما سمیتوہ**'' میرے بچہ کو مجھے دکھلاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے۔ جب امام حسینؓ کو خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ایک کان میں اذاں اور دوسرے میں اقامت کہی ۔حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے ' فرمایا نہیں اس کا نام حسین ہے۔ اور فرمایا ہارون علیہ السلام کے ایک فرزند کا نام شبیر تھا ہم بھی اس کو شبیر پکاریں گے۔

حضرت شاہ یعقوب حسن ولایتؓ کے مبشرِ مہدیؑ ہونے کی دوسری روایت یہ ہے کہ امامنا حضرت مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد جب ثانی مہدیؓ کو دوسرے فرزند پیدا ہوئے تو بی بی کدباتوؓ نے یہ خواب دیکھا کہ نہر فرہ میں تین بچے کھیل رہے ہیں جن میں سے دو بچے تو نہر میں کھیلتے اور تیرتے ہوئے اس کنارے سے اُس کنارے کو پہنچ گئے ہیں اور ایک بچہ نہر میں غرق ہو گیا ہے۔ بی بی نے دیکھا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس جلوہ افروز ہیں اور حضرت فرما رہے ہیں کہ یہ تینوں بچے تمہارے ہیں جو بچہ نہر میں غرق ہو گیا ہے یہ وہ ہے جو تم کو فی الوقت تولد ہوا ہے۔ میرے بڑے بھائی کا نام سید احمد تھا تم بھی اس فرزند کا نام سید احمد رکھو۔ دو بچے جو نہر کے پار ہو گئے ہیں ان میں سے ایک سید عبدالحئ ہے جو تم کو کچھ عرصہ پہلے تولد ہو چکا ہے اور دوسرا ہونے والا ہے جس کا نام سید یعقوب ہوگا''

اس معاملہ و مکاشفہ سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت شاہ یعقوبؓ کو مبشر مہدی موعود علیہ السلام ہونے کا شرف و افتخار حاصل ہے۔

ولادت: حضرت مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد جب ثانی مہدیؓ گجرات تشریف لائے تو بمقام بھیلوٹ ۹۱۳ھ میں حضرت ثانی مہدیؓ کو تیسرے فرزند تولد ہوئے اور حضرت امامنا علیہ السلام کی بشارت کے موافق اس مولود مسعود کا نام سید یعقوب رکھا گیا۔ ثانی مہدیؓ کے ان تینوں فرزندوں میں سید عبدالحئ اور سید

یعقوب تو عمر طبعی کو پہنچے اور مہدی علیہ السلام کی پیشین گوئی کے موافق طالبانِ خدا کے حق میں زہرہ ومشتری ثابت ہوئے اور تیسرے فرزند سید احمد بعمر ۹ ماہ میں فوت ہوگئے۔ اس طرح بی بی کدبانوؒ کے خواب کی تعبیر پوری ہوگئی۔

طفولیت: خاصانِ خدا کے ابتدائی حالات عموماً ان کی آنے والی زندگی کی تمہید اور پیش خیمہ ہوتے ہیں چنانچہ حضرت شاہ یعقوبؒ کے بچپن کے حالات اسی قسم کے ہیں کہ ان سے حضرت کی آئندہ بزرگی پر روشنی پڑتی ہے۔ اس وقت حضرت کے دو ایک واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت ثانی مہدیؑ کی عادت تھی کہ حضرت چارپائی پر لیٹے رہتے۔ مہاجرین میں سے کبھی میاں محمودؓ کبھی میاں بابنؓ کبھی میاں سومارؓ حضرت پر پنکھا جھیلتے تھے اور حضرت کو استغراق مع اللہ کی اس قدر حدّت تھی کہ پنکھا پانی میں تر کر کے حضرت پر ہلایا جاتا تھا اور پانی کے قطرات حضرت کے جسم اطہر پر پڑتے اور جذب ہو جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت ایک روز چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور حضرت کے دونوں فرزند بندگی میراں سید عبدالحئ اور بندگی میراں سید یعقوب جن کی عمر اس وقت ۸ اور ۵ سال کی تھی چارپائی کے نیچے کھیل رہے تھے اور حضرت سید عبدالحئ اپنے چھوٹے بھائی حضرت شاہ یعقوب کے پیٹ میں گدگدیاں کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت ثانی مہدیؑ نے فرمایا روشن منور! اگرچہ تم بھی مبشر مہدی ہو۔ لیکن یاد رکھو میاں جی بھائی بھی مبشر مہدی ہے اس کے ظہور کی بھی حضرت مہدی علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔ اس کے ساتھ ایسی سوء ادبی نہ کرو۔ اس کی برگزیدگی کا تم اس بات سے اندازہ کرلو کہ اس کے پیٹ سے خدائے تعالیٰ بندہ کے مقام کے لوگ پیدا کرے گا۔

بزرگوں کی عادت ہے کہ جب کسی کی بزرگی میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے تو صرف یہی نہیں کہا جاتا کہ فلاں بزرگ ہے بلکہ اس کی ذات سے دوسروں کی بزرگی وابستہ کی جاتی ہے۔

حضرت شاہ یعقوب کی طفولیت کا دوسرا واقعہ جو

بالائے سرش زھوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

کا مصداق ہے۔ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر اور جاذبِ قلوب ہے۔

حضرت شاہ یعقوبؒ کی عمر ابھی ۷ سال کی تھی کہ حضرت ثانی مہدیؑ کا سایہ آپ کے سر سے

اٹھ گیا۔ اسی زمانہ میں ایک مرتبہ شاہ یعقوبؓ جس طرح بچوں کی عادت ہے پاؤں پر گیلی مٹی ڈال کر گھروندا بنا رہے تھے۔ کپڑے مٹی میں بھرے ہوئے اور ہاتھ پاؤں گرد آلود تھے۔ اتفاقاً بندگی میاں بھائی مہاجرؓ اِدھر سے گزرے اور حضرت شاہ یعقوبؓ کی یہ حالت دیکھ کر آپ کا دل بھر آیا اور یہ خیال کرتے ہوئے گزر گئے کہ جس بچے کے سر پر باپ کا سایہ نہیں ہوتا اس کی یہی حالت ہوتی ہے۔ اب ان کی تعلیم وتربیت کون کرے گا' اور ان کی نگرانی ونگہداشت جیسی ہونی چاہئے کس سے ہوگی۔ حضرت بھائی مہاجرؓ دن بھر اسی افسوس میں رہے اور رات کو آپ نے معاملہ میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے اور میدانِ حشر میں ہر شخص حیران وپریشان اور اپنے حساب وکتاب میں گرفتار ہے' اور ہر شخص اپنا اپنا وسیلہ ڈھونڈ رہا ہے۔ حضرت بھائی مہاجرؓ بھی اسی پریشانی میں ہیں مگر چونکہ صحابیٔ مہدی موعود اور بارگاہِ ولایت محمدیہ کے فدوئ با اخلاص تھے' آپ کے دل میں خیال آتا ہے کہ مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس انبوہِ کثیر میں یہ پتہ لگانا چاہئے کہ ذاتِ پاک مہدی موعود کہاں جلوہ فرما ہے۔ لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ میراں سید محمد مہدی موعود کا خیمہ کہاں ہے اور حضرت کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ کسی نے کہا دیکھو حضرت کا خیمہ فلاں جگہ ہے لیکن ہجومِ خلائق کا یہ حال ہے کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں ہے۔ آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن راستہ نہیں ملتا۔ پریشان ہیں کہ کس طرح وہاں تک پہنچیں۔ عین اسی پریشانی کے عالم میں آپ نے دیکھا کہ شاہ یعقوب میدانِ حشر میں بھی اسی اطمینان اور بےفکری کے ساتھ جو بچپن کا لازمہ ہے اپنے پاؤں پر مٹی ڈال کر گھروندا بنا رہے ہیں اور بندگی میاں بھائی مہاجرؓ کو آواز دے رہے ہیں کہ میاں بھائی پریشان کیوں ہو اور کیا چاہتے ہو۔ عرض کیا خوندکار زادہ! آج مجھے کہیں ماویٰ وملجا نہیں ملتا۔ کہیں جائے امن نہیں ملتی۔ سنتا ہوں کہ یہیں کہیں مہدیٔ موعود کا خیمہ ہے۔ وہاں تک پہنچنا چاہتا ہوں مگر ہجوم خلائق سے راستہ نہیں ملتا مجبور ہوں۔ شاہ یعقوب نے فرمایا میاں بھائی وہ سبز خیمہ جو نظر آرہا ہے اسی میں خاتم الاولیاء حضرت مہدی موعود علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں میرے ساتھ آئیں میں آپ کو لے جاتا اور بارگاہ خاتم ولایت محمدیہ میں باریاب کرادیتا ہوں یہ کہکر شاہ یعقوب حضرت بھائی مہاجرؓ کو ساتھ لئے جدھر جاتے تھے لوگ ہٹ جاتے اور راستہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور ایک منادی آواز دے رہا تھا کہ شاہزادۂ ولایت آرہا ہے جگر گوشۂ خاتم الاولیاء آرہا ہے ایک طرف ہو جاؤ۔ اسی طرح ایک حدیث میں آیا

ہے کہ جب حضرت فاطمۃ الزہراؑ میدانِ حشر میں آئیں گی تو ایک فرشتہ آواز دے گا'' **نکسوروسکم وعضوا ابصارکم** ''یعنی سرنگوں ہوجاؤ اورنظریں نیچی کرلو کیونکہ رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ آرہی ہیں ۔ غرض جب شاہ یعقوبؓ خیمہ پر پہنچے تو دربان نے سرتسلیم خم کیا۔آپ اندرتشریف لے گئے ۔ بندگی میاں بھائی مہاجرؓ اپنے اعزاز ومرتبہ کے موافق اپنی جگہ کھڑے ہوئے اور حضرت شاہ یعقوبؓ اپنے گرد آلود کپڑوں کیچڑ بھرے ہوئے ہاتھ پاؤں سے دوڑتے ہوئے آئے اور حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے زانوئے اقدس پر بیٹھ گئے ۔اس خواب سے بیدار ہونے کے بعد حضرت میاں بھائی مہاجرؓ حضرت شاہ یعقوبؓ کی خدمت میں تشریف لائے اوراپنے اس خیال کی معافی چاہی ۔

عادتی بات ہے کہ ہم دنیا کے ہرکام کوکسی علت سے معلول اورکسی سبب سے مسبب کر لیتے ہیں ۔مثلاً ہم سمجھتے ہیں اور ایک حدتک یہ خیال بجائے خودصحیح ہے کہ بیٹے کی تربیت اورنگہداشت جس طرح باپ سے ہوتی ہے دوسروں سے نہیں ہوسکتی ۔لیکن یہ حکم وہاں نہیں لگایا جاسکتا جس کا ظہورمنجانب اللہ محض ہدایتِ خلق کے لئے ہوا ہواور جس کے بارے میں حضرت مہدی علیہ السلام نے ارشادفرمایا ہے کہ زمین پراس کا وجودِ باوجود وہ حیثیت رکھتا ہے جوآسمان پرزہرہ ومشتری کوحاصل ہے ۔وہ بچہ یتیمی کے باوجودطریقۂ رشدوہدایت سے برگشتہ نہیں ہوسکتا جومہدی علیہ السلام کی بشارت'' **اولاد بھائی سید محمود تاجِ سر ماست**'' کی مصداق ہے۔

استادی علامۃ العصراشرف العلماء بحرالعلوم مولانا سیداشرف صاحب سمنانی برّ داللہ مضجعہ نے حضرت شاہ یعقوبؓ کی منقبت میں ایک طویل قصیدہ لکھا ہے جس میں سے ہم صرف اس واقعہ کونقل کرتے ہیں جس میں علامہ نے اس کواپنے انداز میں نظم فرمایا ہے۔

زا حوال یعقوب فرّخ نژاد شنید ستم از را ویاں ایں چنیں
بطفلی بیاراں ہمسالِ خویش ببازی گرائیدے آں پاک دیں
ہمہ جامہ اش داشت داغِ خلاب تنش بود آلود از ماوطیں
کہ ناگہ برادر مہاجرؓ بدید در اطفال شہزادہ را ہمچنیں
بعبرت بفرمود ایں طفل ِخورد دریں خورد سالاں بگر دو چنیں

غمیں شد چوں ایں حالتِ او بدید سوئے خانہ برگشت اندوھگیں
دریں‌فکر پیچیدہ درخوابِ رخت بقلبِ فسردہ بجانِ جزیں
ھماں‌شب چنیں دید خوابے شگرف برادر مھاجر چو کشفِ مبیں
درآں خواب خوش سبزہ زا رے بدید دردبارگاھے چو چرخِ بریں
درآں قصر مردم درآیند شاد فرشتہ وشان وخجستہ جبیں
بپر سیدایں قصرِ رخشانِ کیست منور چوں ایوانِ خلد بریں
یکے گفت ایں قصرِ فرّخ شھے است کہ اوراست سلطانی ٔ ملکِدیں
چو ں بشنید خرم شتابیدجست سوئے بارگاہِ خداوندِ دیں
ھمی خواست تا باریا بددرو بخرّم دلی وکشادہ جبیں
بدو گفت حاحب کجا میروی کجامیخرامی بحال چنیں!
ندانی کہ ایں درگہ خسرو یست کہ اوراست فرماں بہ چرخ بریں
نشاید بحر حلمِ سلطاں برفت دریں درکہ شد آسمانش زمیں
دلت گر بخواھد کہ بینی فضاش دریں جانشین واز ینجابہ بیں
مھاجر برآں آستاں برنشست بقلب غمیں وبجان حزیں
کہ ناگاہ یعقوب از رہ رسید پپر سید چونی درینجا غمیں
بدوگفت حاجت مرا باز داشت ازیں جاولم ھست اندوھگیں
برآشفت وزد بانگ برپاسباں کہ نبود تراعقل انجام بیں
بفرمود بگزار او راکہ ھست از اصحابِ ایں خسرو وملک دیں
مھاجر بہ ھمراہ یعقوب رفت بہ بیشِ خداوند ِدنیا ودیں
سبک جست یعقوب تا برنشست درآغوشِ مھدی ٔ ھادیٔ دیں
بداں جامۂ چرکِ خود شا وبود در آغوشِ آں خسروِطاھریں
ھمیں است شایانِ ایں اھل بیت ھمان است شایانِ آں شاہ ِدیں

که هر جز واز کل نبا شد جدا که ایرا ست رائے سرانِ مهیں
خدا یاتواز فضل والطافِ خویش طفیل خداوند دنیا ودیں
به شمسی ؔ از فیضش فگن پر توے بروزِ حساب اے جهاں آفریں

تلقین وتربیت: حضرت ثانی مہدیؓ نے حضرت شاہ یعقوبؒ کو جب کہ آپ کی عمرے سال کی تھی تلقین وتربیت فرمائی اور ذکر خفی کی تعلیم دی اور فرمایا میانجی بھائی اگر میرے بعد تم کو اپنی تلقین وتربیت کو تازہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو تم کو جو صحابی مہدیؑ ملیں ان سے اپنی تلقین کی تجدید کرلو۔ اس حکم کی بناء پر حضرت شاہ یعقوبؒ سن شعور کو پہنچنے کے بعد حضرت بندگی میاں شاہ نعمتؒ کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوئے اور عرض کی خوندکار مجھے تلقین فرمایئے حضرت شاہ نعمت نے فرمایا خزادے! حضرت ثانی مہدیؓ نے تم کو مرید کیا ہے، تلقین فرمائی ہے اور اپنے انفاسِ قدسیہ سے تم کو ذکر خفی کی تعلیم دی ہے، میری مجال نہیں کہ ثانی مہدیؓ نے جس کو تلقین فرمائی ہے اس کو پھر تلقین کرسکوں اور میری طاقت نہیں کہ ثانی مہدیؓ کے دم پر دم دے سکوں۔ ثانی مہدیؓ نے تم کو مرید فرمایا ہے وہی تمہارے لئے کافی ہے۔ شاہ نعمتؒ کے اس ارشاد کے بعد شاہ یعقوبؒ وہاں سے مایوس چلے گئے اور اِدھر شاہ نعمتؒ کو حضرت ثانی مہدیؓ کی روح مبارک سے معلوم ہوا کہ آپ فرمارہے ہیں میاں نعمت! میانجی بھائی آپ سے اپنی تلقین کی تجدید اور اپنے ذکر خفی کی تعلیم کو تازہ کرنا چاہتا ہے اس کو مایوس نہ کیجئے۔ اس حکم کے بعد حضرت شاہ نعمتؒ نے شاہ یعقوبؒ کو واپس بلایا اور تلقین فرمائی۔

ارشاد المرشدین کی روایت ہے کہ جب حضرت شاہ یعقوبؒ دوبارہ شاہ نعمتؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو فرمایا خزادے! حضرت ثانی مہدیؓ کی روح مبارک موجود ہے، حضرت کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ حضرت شاہ نعمتؒ نے اپنا دست مبارک اپنے چہرۂ انور پر پھیرا اور فرمایا خزادے دیکھو یہ کس کا مشاہدہ ہے۔ عرض کیا یہ تو حضرت ثانی مہدیؓ کی ذات پاک ہے، تلقین کے بعد پھر اپنا ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیرا اور فرمایا یہ کس کا مشاہدہ ہے۔ عرض کیا یہ تو خوندکار کی ذات ہے۔ فرمایا بس تم ثانی مہدیؓ کے تلقین ہو میں نے حسب الحکم صرف تلقین کی تجدید کردی ہے۔

اس طرح شاہ یعقوبؒ کو حضرت ثانی مہدیؓ سے مرید ہونے کے بعد ایک اور جلیل القدر

صحابی حضرت شاہ نعمتؓ سے بھی تلقین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔اس کے بعد ایک عرصہ تک حضرت شاہ یعقوبؓ ' بندگی میاں شاہ نعمتؓ کے دائرہ میں اور آپ ہی کی صحبت بابرکت میں فیضان باطنی حاصل کرتے رہے۔

حضرت بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایتؓ کی شہادت کے بعد جب کہ حضرت شاہ یعقوبؓ کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔حضرت بندگی ملک الہداد خلیفۂ گروہؓ نے شاہ یعقوبؓ کو اپنے پاس بلایا اور بندگی میاںؓ کی صاحبزادی بی بی رقیہ سے آپ کا عقد کیا اور آپ حضرت خلیفۂ گروہؓ سے علاقہ کر کے حضرت کی صحبت میں رہے۔ایک مرتبہ رات کے وقت نوبت پر بیٹھے ہوئے آپ میں اور بندگی ملک پیر محمدؒ میں یہ گفتگو ہوئی کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے اصحاب میں بندگی میراں سید محمودؓ اور بندگی میاں سید خوندمیرؓ کو خاص امتیاز حاصل ہے۔لیکن ان دونوں میں بھی افضل کون ہے۔جب گفتگو طویل ہوئی تو آواز سن کر بندگی ملک الہدادؓ اپنے حجرے سے برآمد ہوئے۔شاہ یعقوبؓ کو پاس بلایا اور فرمایا کیا تذکرہ تھا۔شاہ یعقوبؓ نے ٹالنے کی کوشش کی لیکن بندگی ملکؓ کے اصرار پر عرض کیا کہ ثانی مہدیؓ اور بندگی میاںؓ کے فضائل کے بارے میں کچھ بحث ہو رہی تھی۔یہ سن کر بندگی ملک الہدادؓ نے دانتوں میں انگلی پکڑ لی اور فرمایا خوندکارزادہ! خدائے تعالیٰ نے تم کو خلق کے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے کہ تم سے لوگوں کو فائدہ پہنچنا چاہئے حالانکہ اس بحث میں لوگوں کو نقصان ہے۔یہ کہہ کر سمجھایا کہ خزادے! دیکھو مہدی علیہ السلام نے سیدینؓ کے بارے میں جو بشارتیں دی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ بشارتیں ہیں جو سیدینؓ میں مشترک ہیں۔دوسری وہ بشارتیں ہیں جو بندگی میراں سید محمودؓ سے مخصوص ہیں اور بندگی میاں سید خوندمیرؓ کو نہیں دی۔تیسری وہ بشارتیں ہیں جو بندگی میاں سید خوندمیرؓ سے خاص ہیں اور بندگی میراں سید محمودؓ کو نہیں دی۔جو بشارتیں ایک ایک سے مخصوص ہیں ان سے استدلال کر کے ایک کی فضیلت دوسرے پر ثابت نہیں کی جاسکتی۔صرف وہ بشارتیں جو سیدینؓ میں مشترک ہیں یعنی حضرت مہدی علیہ السلام نے ایک بشارت ثانی مہدیؓ کو دی اور پھر اسی مضمون کی بشارت بندگی میاں کو بھی دی تو اس قسم کی بشارتیں جو سیدین میں مشترک ہیں یہی بنائے تسویت ہیں۔انہی مشترکہ بشارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میراں سید محمود اور میاں سید خوندمیرؓ برابر ہیں۔اس تقریر کے بعد بندگی

ملک الہدادؓ نے شاہ یعقوب سے فرمایا کہ خزادے! ''تمہیں تو زیاں کو سرجے نہیں'' یعنی تم کو تو کوئی نقصان نہ ہوگا البتہ تمہارے بعد آنے والے اگر سیدینؓ میں فرق کریں گے تو ان کو نقصان ہوگا۔ یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ خدا کے حکم سے خاتمینؐ اور مہدیؑ کے حکم سے سیدینؓ برابر ہیں۔

اس واقعہ تک حضرت شاہ یعقوبؓ ' بندگی ملک الہدادؓ کی صحبت میں رہے اس کے بعد آپ نے خیال فرمایا کہ میں بندگی میاں شاہ نعمتؓ کا تلقین ہوں۔ مجھے وہیں جانا اور حضرت شاہ نعمتؓ ہی کی ذات قدسی صفات سے استفاضہ کرنا مناسب ہے۔ چنانچہ آپ گجرات سے نکلے اور احمد نگر پہنچے۔ رات کا وقت تھا لوگوں سے دریافت فرماتے تھے کہ میاں شاہ نعمتؓ کا دائرہ کہاں ہے۔ لیکن صحیح پتہ نہ ملتا تھا تلاش کرتے ہوئے آپ شاہ نعمتؓ کے دائرہ کے بجائے شاہ دلاورؒ کے دائرہ معلّٰی میں پہنچ جاتے ہیں۔ شاہ نعمتؓ کا دائرہ شہر احمد نگر میں اور اس سے قریب ہی مقام بھنکار میں شاہ دلاورؒ کا دائرہ تھا۔ یہاں حضرت بندگی میاں شاہ دلاورؒ کی یہ حالت تھی کہ رات کا زیادہ حصہ گزر گیا ہے۔ اندھیری رات ہے مگر آپ کسی کی آمد کے انتظار میں بیقرار ہیں۔ دست مبارک میں کھانے کے طبق لئے ہوئے کبھی گھر سے باہر آتے ہیں اور کبھی باہر سے گھر میں جاتے ہیں۔ فقرائے دائرہ یہ کیفیت دیکھ کر عرض کرتے ہیں کہ خوندکار کو کس کا انتظار ہے۔ کون آرہا ہے اور خدّام والا مقام کس کے استقبال کے لئے چشمِ براہ ہیں۔

دیدہ ودل منتظر ہیں سچ بتا
کون آتا ہے کہاں آنے کو ہے

فرمایا کیا پوچھتے ہو کہ کون آرہا ہے اور کیا بتاؤ کہ کس کے انتظار میں صبر وقرار کھو بیٹھا ہوں سن لو اور اپنے قلوب کو اس نوید مسرت سے معمور کرلو کہ ولایت کا شاہزادہ اور میرا خزادہ آرہا ہے مجھے اس کا انتظار ہے اور یہ اس کی ضیافت کا سامان ہے۔

سچ پوچھو تو اس میں خدا کی مصلحت تھی وہ اپنی تمام نعمتوں کو شاہ یعقوبؓ پر پورا کرنا چاہتا تھا۔ منشائے ایزدی یہی تھا کہ آپ کو بندگی میاں شاہ دلاورؒ کے جیسے زبردست صحابیٔ مہدی کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہوجائے۔ چنانچہ جب آپ شاہ دلاورؒ کے دائرہ میں پہنچے تو اس خیال سے کہ ایک جلیل القدر صحابی کی خدمت میں قدرۃً پہنچ کر دوسری جگہ جانا بے ادبی ہے۔ آپ نے شاہ دلاورؒ سے علاقہ دینی کرلیا۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ دلاورؓ سے رخصت ہوکر شاہ نعمتؓ کے دائرہ میں گئے تو حضرت نے فرمایا کہ خزادے تم میاں دلاور ہی کے پاس رہو۔ چنانچہ اس حکم کی بنا پر شاہ یعقوب، شاہ دلاور کی صحبت وخدمت میں فیوض وبرکات مہدیؑ کا اکتساب کرتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد بندگی میاں شاہ نعمتؓ بندگی میاں شاہ دلاورؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھے خدائے تعالیٰ کا حکم ہوا ہے کہ خزادے کو علیحدہ دائرہ میں رکھا جائے تا کہ ان کی رشد وہدایت سے لوگ مستفید ہوں اور دینِ مہدی کو تقویت پہنچے۔ شاہ دلاورؓ نے فرمایا آپ نے صحیح کہا مجھے بھی یہی حکم ہوا ہے۔ چنانچہ دونوں اصحاب کرام مہدی علیہ السلام نے حضرت شاہ یعقوبؓ کو ارشاد کی اجازت دی۔ اور حضرت علیحدہ دائرہ میں مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے۔

ان اصحاب کرام نے نہ صرف زبانی افعالِ ارشادی کی اجازت دی بلکہ حضرت بندگی میاں شاہ نعمتؓ نے تلقین وتربیت جیسے اہم فعلِ ارشاد کی عملاً رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ میاں سید منجو میاں سید میرانجی فرزندانِ بندگی میراں سید حمیدؓ ابن امام علیہ السلام نے حضرت شاہ نعمتؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر تلقین ہونے کی خواہش کی تو حضرت نے ان دونوں بھائیوں کو لے کر اپنے دائرہ احمد نگر سے شاہ یعقوبؓ کے دائرہ واقع جیور گاؤں میں تشریف لائے اور فرمایا خزادے تم اپنے ان دونوں بھائیوں کو مرید کرو عرض کیا خوندکار کی موجودگی میں میری کیا مجال ہے کہ میں ان کی تلقین کروں۔ خوندکار تلقین فرمائیں۔ شاہ نعمتؓ نے فرمایا حضرت مہدی علیہ السلام کے حکم سے میں تم کو کہہ رہا ہوں اور اس وقت ذاتِ اقدس موجود ہے۔ چنانچہ بحکم'' **الامر فوق الادب**'' حضرت شاہ یعقوبؓ نے ان دونوں بھائیوں کو تلقین وتربیت فرمائی۔

ہجرت: غالبًا حضرت شاہ دلاورؓ کی وفات کے بعد شاہ یعقوبؓ گجرات تشریف لے گئے ہیں۔ گجرات کے مختلف مقامات پر دائرہ رہا ہے۔ آخری دائرہ بلاسر اور پھر نگرہ میں تھا۔ نگرہ ہی سے حضرت نے اپنے دونوں فرزند بندگی میاں سید یوسفؒ اور بندگی میاں سید خوندمیرؒ کو حضرت خواجۂ دنیا ودین بندگی میاں سید محمود سید نجی خاتم المرشدینؓ کی خدمت میں اکتساب فیض کے لئے بھیجا ہے۔ حضرت خاتم المرشد نے ان دونوں بھائیوں کو بندگی میاں بھائی مہاجرؒ کے مشاہدہ سے تلقین فرمائی ہے۔ اور حضرت ہی کے دست مبارک پر دونوں بھائیوں نے ترک دنیا کر کے ۱۸ سال خاتم المرشدینؓ کی صحبت کیمیا

خاصّیت میں حقِ فقیری ادا کیا۔

نگرہ کنبایت کے قریب ہے یہاں سے ہجرت کر کے حضرت شاہ یعقوبؒ احمد نگر تشریف لائے اور یہاں مختلف مواضعات میں دائرہ رہا۔ ہر جگہ دنیا اپنا منہ دکھاتی رہی اور آپ دائرہ بدلتے رہے۔فرمان رسالت مآب ﷺ ''مالی وللدنیا'' (مجھے دنیا سے کیا واسطہ) پر حضرت کا عمل رہا۔

حضرت مہدی علیہ السلام کے معجزہ سے جب جنگل کی ریت زر و جواہر بن گئی تو کسی نے توجہ نہ کی' فرمایا جو خدا کا طالب ہے وہ مال و زر کا طالب نہیں ہوتا۔حضرت ثانی مہدیؓ بھیلوٹ تشریف لانے سے پہلے جہاں دائرہ باندھتے وہاں خزانہ نکلتا اور آپ فوراً وہاں سے ہجرت فرماتے۔حضرت شاہ یعقوبؒ نے جب موضع لاکھ مضافات احمد نگر میں دائرہ باندھا تو یہاں بھی کثیر فتوح ہونے لگی۔فرمایا یہ مقام بھی فقیروں کے لائق نہیں۔ لاکھ سے ہجرت کر کے جیور گاؤں تشریف لائے اور بہت عرصہ تک یہاں دائرہ رہا۔حضرت کی حرم محترم بی بی رقیہؓ کا جو حضرت صدیق ولایتؓ کی صاحبزادی تھیں۔یہیں وصال ہوا۔جیور گاؤں علاقہ احمد نگر میں آسودہ ہیں۔جیور گاؤں سے ہجرت کر کے پھر حضرت دولت آباد تشریف لائے۔

یہ دولت آباد کی تھی قسمت کہ جس نے پائی ہے تجھ سی دولت
او دولت آباد! کیا بتاؤں کہ کیا ہی موزوں ہے نام تیرا

<u>**فیوض بہ دولت آباد**</u>: دولت آباد میں اولیائے کرام اور بزرگان دین کثرت سے آسودہ ہیں۔حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام یہاں تشریف لائے ہیں۔اور دولت آباد وخلد آباد کے بزرگوں کی زیارت فرمائی ہے۔ایک مقام پر انگوٹھوں کے بل چلے ہیں اور فرمایا اس احتیاط کے باوجود بھی بندہ کا پاؤں کسی بھائی کے سر پر کسی کے ہاتھ پر کسی کے پاؤں پر ہے۔حضرت نے ارشاد فرمایا کہ'' دولت آباد مکہ خورد ہے یہ ایسی مقدس سرزمین ہے کہ قیامت کے روز آسمان پر اٹھائی جائے گی'' حضرت شاہ یعقوبؒ نے بھی اسی پاک زمین کو اپنی آرام گاہ کے لئے منتخب فرمایا اور سرزمین جیور گاؤں سے ہجرت کر کے دولت آباد تشریف لائے۔یہی مقدس مقام حضرت کی منزلِ آخریں ہے۔

دولت آباد! شاہ یعقوبؒ کی آمد تجھ کو مبارک فخر کر اپنے مقدر پر

کہ تیری عظمت دیرینہ کا سرمایہ دار آیا

وفات: دولت آباد میں اس وقت مہدوی کثرت سے آباد تھے اور شاہ علی دولت آبادی جو اپنا سلسلۂ نا مربوط حضرت بندگی میاں شاہ نعمتؒ تک پہنچاتے تھے۔ ایک مہدوی صاحب ارشاد فقیر تھے۔ اور وہاں کے اکثر مہدوی انہیں سے متوسل تھے۔ جب حضرت شاہ یعقوبؒ یہاں تشریف لائے تو آفتاب کے مقابلہ میں ذرہ بمقدار کی کیا قدر ومنزلت ہوسکتی تھی؛ تمام مہدوی حضرت کی طرف رجوع ہوئے۔ حضرت کی تشریف آوری کے بعد دولت خاں علی زئی ایک مہدوی امیر جو شاہ علی کے مرید تھے حضرت کے معتقد ہوگئے۔ اولاً حضرت کو اپنے گھر میں مہمان رکھا اور پھر زمین خرید کر علیحدہ دائرہ بنا کر للہ دیا۔ اسی وقت سے شاہ علی اور اس کے فرزند شاہ مرتضٰی وشاہ روح اللہ وغیرہ آتشِ حسد میں جلنے لگے۔ حضرت کی جناب میں لوگوں کی عقیدت اور حضرت کی ذات سے اس کا بغض وفساد یوماً فیوماً زیادہ ہونے لگا۔ اسی اثناء میں شاہ یعقوبؒ نے حضرت مہدی علیہ السلام کا عرسِ مبارک کر کے تمام مہدویانِ دولت آباد کو دعوت دی۔ اور ایک جم غفیر کی ضیافت فرمائی۔ لوگوں کے ہجوم اور ان کی رجوع وعقیدت کو دیکھ کر اس کی آتش حسد بھڑک اٹھی اور حضرت کو اپنے راستہ سے ہٹانے کا تہیہ کرلیا۔ چنانچہ ۲۹/ذیقعدہ کو اس نے خود مہدی علیہ السلام کا عرس کیا۔ حضرت کو دعوت دی؛ اور زہر آمیز طعام سے ضیافت کی جس کا اثر بتدریج ہوتا رہا۔ بالآخر ۲۰۔۲۲ روز کے بعد اسی زہر کے اثر سے ۶۷ سال کی عمر میں ۲۳/ذی الحجہ ۹۸۰ھ میں واصلِ حق ہوئے۔ حضرت کے فرزند بندگی میاں سید ابراہیمؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مزار مقدس دولت آباد میں زیارت گاہ خاص وعوام ہے۔ مہبطِ رحمتِ باری اور استجابیت دعا میں کبریتِ احمر ہے۔

انبیاء وصالحین کو وسیلہ بنانا جائز ہے یا نہیں۔ اس میں علمائے امت کو شدید اختلاف ہے۔ بعض جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں اور طرفین نے اپنے اپنے دلائل دل کھول کر بیان کئے ہیں۔ جن آیات واحادیث سے وسیلہ کو ناجائز کہا جاتا ہے وہ سب صحیح ہیں لیکن تاویل وتوجیہ کا میدان نہایت وسیع ہے۔ ابن تیمیہ اور ابن قیّم کو وسیلہ سے شدید انکار ہے۔ متقدمین میں شیخ عزیز الدین عبدالسلام المتوفی ۶۶۷ھ نے صرف رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ بنانا جائز رکھا ہے۔ متاخرین میں شوکانی (ف ۱۲۵۰ھ) بھی اس کو جائز رکھتے ہیں۔ جب ''**اللھم انی اتوسل الیک بنبیک**'' یا ''**اللھم انی اسئلک**

بجاہ نبیک'' کہہ سکتے ہیں تو دوسرے انبیاء واولیاء واصفیاء کو وسیلہ بنانے میں کیا امر مانع ہے۔لیکن مطلقاً وسیلہ کو جائز یا ناجائز کہنے والے دونوں گروہ افراط وتفریط میں مبتلا ہیں اور دونوں طرف بڑے بڑے لوگ ہیں۔لیکن ہم کو اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں' ہمارے لئے ان سب سے بزرگ ہستی حضرت امام شافعیؒ کی تقلید کافی ہے اس کے مقابلہ میں' خواہ متقدمین ہوں' خواہ متاخرین' ہم کسی کے قول کو مرجح نہیں سمجھتے۔امام شافعیؒ جب بغداد تشریف لائے تو فرمایا۔

''میں امام ابوحنیفہ کی قبر سے برکت لیتا ہوں' جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو انکی قبر پر آتا' دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور میری حاجت پوری ہوجاتی ہے'' گویا حضرت امام اعظمؒ کی ذات اور اس مقام کی برکت سے خدائے تعالیٰ دعا کو قبول فرمالیتا ہے۔

پس اگر بزرگانِ دین کو وسیلہ بنایا جائے تو میرا ناقص خیال ہے کہ غالباً کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے امام انام حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے فرمان واجب الاذعان''**ہر چہ خواہی از خدا خواہ**'' کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی کیونکہ اس وسیلہ کے باوجود بھی استمداد واستعانت تو ذاتِ باریٔ تعالیٰ ہی سے ہے جو معطیٔ حقیقی ہے۔

حضرت کے فرزندوں میں بندگی میاں سید اسحاقؒ حضرت کے فقیر ہیں مرید نہیں' بندگی میاں سید ابراہیمؒ اور بندگی میاں سید محمودؒ حضرت کے مرید بھی ہیں اور فقیر بھی۔ باقی فرزنداں دوسرے بزرگوں کے مرید وفقیر ہیں۔جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔اسی خصوصیت کی وجہ سے بندگی میاں سید ابراہیم نے نماز جنازہ میں امامت فرمائی ہے۔

القاب: اسرائیل' شجرۃ المرشدین اور حسنِ ولایت شاہ یعقوبؓ کے مخصوص القاب ہیں۔اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے۔شاہ یعقوبؓ کو خدائے تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تم کو مقام یعقوب دیا گیا ہے۔آپ کو خیال آیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو بارہ فرزند تھے اور مجھے آٹھ فرزند ہیں حکم ہوا کہ تمہاری چار دختراں بھی فرزندوں کے ہمسر وہم پایہ ہیں اسی وجہ سے جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے اسی طرح حضرت شاہ یعقوبؓ کے فرزندوں کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔بزرگوں نے شاہ یعقوبؓ کو شجرۃ المرشدین اور حسنِ ولایت لکھا ہے جو فی الواقعی صحیح ہے۔صاحب

دفتر کا یہ بیان کہ حضرت شہاب الحقؓ حسنِ ولایت ہیں اور آپ کی دوسری تالیف شواہد الولایت کی یہ روایت کہ شاہ یعقوبؓ بندگی ملک الہدادؓ کے مرید ہیں۔ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں۔

حضرت شہاب الحقؓ ' مہدی علیہ السلام کے پوتے ہیں نہ نواسے نہ زہر سے شہید ہوئے ہیں۔ البتہ حضرت خاتم المرشدینؓ مہدی علیہ السلام کے نبسہ اور اس جراحت سے شہید ہوئے ہیں جو روح یزید نے (بصورت سگ متمثل ہوکر پہنچائی تھی) تھی۔ اور حضرت شاہ یعقوبؓ مہدی علیہ السلام کے نبیرہ اور مثل امام حسنؓ زہر سے شہید ہوئے ہیں۔ پس گروہ مبارک کا اتفاق ہے کہ حضرت شاہ یعقوبؓ شجرۃ المرشدین اور حسنِ ولایت' اور حضرت سید نجی خاتم المرشدینؓ حسینِ ولایت ہیں۔

در اهلِ بیت حسینِ ولا یتش گویند
اگر به سید یعقوب گفته اند حسنؓ
یکے شهید شد از تیغِ جورِ روحِ یزید
دگر شهید زسم گشت چوں امام حسینؓ

اسی طرح شاہ یعقوبؓ کی مریدی بھی حضرت خلیفۂ گروہ سے ثابت نہیں ہے۔ شاہ یعقوبؓ کی پوری اولاد واحفاد کا اتفاق ہے کہ آپ حضرت ثانی مہدیؓ کے تلقین ہیں اور حضرت شاہ نعمتؓ سے تجدیدِ تلقین ہے۔ حضرت شاہ برہانؓ کے علم وفضل اور قربِ زمانہ کے نظر کرتے یقین نہیں آتا کہ ان روایتوں کی نسبت حضرت کی طرف صحیح ہوسکتی ہے۔ واللہ اعلم

<u>ازواج واولاد:</u> حضرت شاہ یعقوب حسن ولایتؓ کو زوجۂ اول بی بی رقیہ بنت حضرت صدیق ولایتؓ سے دو فرزند ہوئے (۱) میاں سید اشرفؒ (۲) میاں سید اسحاقؒ۔ میاں سید اشرفؒ ' حضرت شہاب الحقؓ کے مرید وفقیر ہیں۔ والد محترم کے حینِ حیات خلد آباد میں محلّہ کاغذی پورہ میں دائرہ تھا۔ شاہ یعقوبؓ کے دفن کے بعد تشریف لائے ہیں۔ میاں سید اسحاق کو شاہ یعقوبؓ نے بندگی میاں شاہ عبدالکریم نوریؓ سے تربیت کروایا ہے۔ فقیر پر وصحبت شاہ یعقوبؓ سے ہے۔

زوجہ دوم بی بی بوا بنت ملک گوہر شاہ پولادی سے (۳) میاں سید یوسفؒ (۴) میاں سید خوندمیرؒ (۵) راجہ فاطمہ زوجہ میاں عبدالمومن بن شاہ عبدالرحمٰن بن بندگی میاں شاہ نظامؒ (۶) راجے

دولت زوجہ میاں نور محمد گجراتیؒ ۔فقیر راقم الحروف کی خاندانی روایت یہ ہے کہ راجے فاطمہ میاں سید اشرف ومیاں سید اسحاق کی حقیقی ہمشیرہ ہیں واللہ اعلم ۔حال میں شائع شدہ ایک کتاب فتح مبین میں صفحہ (۱۶۱) پر راجے فاطمہ کو زوجہ میاں فرید محمدؒ بن میاں عبدالفتح لکھا ہے۔اورنقشہ میں بی بی کی قبر بھی چچونڈ میں بتلائی ہے۔یہ روایت قطعاً غلط ہے۔بی بی راجے فاطمہ بنت شاہ یعقوبؓ ،میاں عبدالمومن کی زوجہ ہیں اورانوندرہ میں حضرت بندگی میاں شاہ نظامؒ کے پائین اپنے شوہر میاں عبدالمومن کے پہلو میں دفن ہیں۔راجے فاطمہ زوجہ میاں فرید محمد کسی اور کی دختر ہوسکتی ہیں۔

زوجہ سوم بی بی سارہ میاں عالم خاں میواتی سے (۷) سید ابراہیم عرف بڑے میاںؒ (۸) میاں سید محمود عرف ننھے میراںؒ۔یہ دونوں بھائی حضرت شاہ یعقوبؓ کے مرید وفقیر ہیں۔میاں سید ابراہیم کو حضرت نے بشارت دی ہے کہ وہ جس میت پر نماز پڑھے اس پر آتشِ دوزخ حرام ہے (۹) مناجی بی بی زوجہ میاں ابوبکر بن میاں ابوالفتح بن میاں ابوبکر داماد امام علیہ السلام (۱۰) خونزا بزرگ زوجہ میاں ابوبکر مذکور بعد وفات مناجی بی بی (۱۱) بواجی بی بی زوجہ اشرف محمد بن کبیر محمد۔بروائیتے زوجہ سید جی میاں بن میاں سید قادن بن بندگی میاںؒ

زوجہ چہارم بی بی سارہ بنت ننھے میاں سے (۱۲) میاں سید عالمؒ جو بندگی میاں سید نور محمد خاتم کارؒ کے مرید وفقیر ہیں۔

زوجہ پنجم بوا منجھلے بنت ملک اسماعیل بن بندگی ملک حمادؒ سے (۱۳) میاں سید مصطفیٰؒ جو اپنے بڑے بھائی میاں سید اشرفؒ کے مرید وفقیر ہیں۔مناجی بی بی زوجہ اول میاں ابوبکر بنت شاہ یعقوبؓ کی بہت پہلے رحلت ہوگئی ہے۔حضرت کی وفات کے وقت ۸ فرزند، چار دختر موجود تھے انہی کو بارہ بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

حضرت شاہ یعقوبؓ کے آٹھوں فرزنداں اس منزلت علیا اور مرتبۂ عظمیٰ پر فائز ہیں جن کے بارے میں حضرت ثانی مہدیؓ نے پیشین گوئی فرمائی تھی اوراس بشارت سے معزز ومفتخر فرمایا تھا کہ میانجی بھائی کی اولاد بندہ کے قائم مقام ہوگی۔بزرگوں نے شاہ یعقوبؓ کے پوتوں کو بھی اس بشارت کا مصداق قرار دیا ہے۔

خدا نے فرزند تجھ کو جتنے عطا کئے بارگہ سے اپنی
سبھوں نے رکھا قدم وہیں پر جہاں کہ پڑتا تھا گام تیرا
تجھی سے چمکا ہے حسنِ یوسفؑ تجھی سے قاسمؒ کی جاگی قسمت

تجھی سے ہیں خوندمیرؒ ونصرتؒ ، کہ جن سے روشن ہے نام تیرا
مئی حقیقت کے مست یوں تو سبھی تھے بے کیف وکم برابر
ادائے تازہ سے دستِ قاسمؒ میں آ کے چھلکا ہے جام تیرا

نہ صرف حضرت شاہ یعقوبؒ کے فرزنداں بلکہ دختراں بھی اس مقام پر فائز ہیں جو فرزندوں کا مقام تھا۔ چنانچہ شاہ یعقوبؒ کے پوتے بندگی میاں سید حیدرؒ اپنے والد بندگی میاں سید ابراہیم (۷) کی وفات کے بعد اپنے عم محترم بندگی میاں سید محمودؒ (۸) سے علاقہ کیا ہے۔ میاں سید محمود کی وفات کے بعد اپنی پھوپی بوا صاحبہ بی بی (۱۱) بنت شاہ یعقوبؒ سے عرض کیا کہ آپ میرا علاقہ قبول کیجئے۔ بی بی نے کہا یہ کام مردوں کا ہے ہمارے لئے زیبا نہیں۔ میاں سید حیدرؒ نے اس واقعہ کو یاد دلایا کہ خدائے تعالیٰ کا شاہ یعقوبؒ کو حکم ہوا تھا کہ تمہاری دختراں بھی فرزندوں کے ہم پایہ ہیں۔ اور حضرت شاہ یعقوبؒ نے مکاشفہ میں ملاحظہ فرمایا تھا کہ دختراں بھی پاجامہ وعمامۂ باریش وبردت بلکہ ان کی دستاریں فرزندوں کی دستار سے بلند وبالا ہیں۔ بی بی نے یہ سن کر بھتیجے کا علاقہ قبول کیا۔ اور پھر ایک سال کے بعد اپنے بڑے بھائی بندگی میاں سید اشرفؒ سے میاں سید حیدر کا علاقہ کروایا ہے۔ غرض حضرت شاہ یعقوبؒ کے سب فرزند ودختر مبشر حضرت ثانی مہدیؑ وبرگزیدۂ بارگاہِ الٰہی ہیں۔

ایں سلسلۂ طلائے ناب است
ایں خانہ تمام آفتاب است

☆☆☆☆☆

بندگی میاں حضرت سید علی ستونِ دینؒ

نسب: واقفِ اسرار خفی وجلی حضرت بندگی میاں سید علیؒ حضرت بندگی میاں سید محمود سید نجی خاتم المرشدینؓ کے دوسرے فرزند اور حضرت بدرِ منیر بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایتؓ کے حقیقی پوتے ہیں۔

ولادت: راجے فاطمہ عرف بوبو صاحبہ بی بی بنت ملک زین الدین الملقب ملک میٹھا عرف ملک شاہ جی جاگیردار موضع جھن جھواڑہ کے بطن سے ۹۶۳ھ میں کھانبیل میں ولادت ہوئی۔ عم محترم حضرت شہاب الدین شہاب الحقؓ کے منظورِ نظر ہیں۔ حضرت کی وفات ۹۷۲ھ کے وقت قریباً نو سال کی عمر تھی۔

مریدی: بندگی میاں سید علی ستون دین اپنے والد محترم حضرت خاتم المرشدینؓ کے مرید ہیں اور حضرت نے بندگی میاں بھائی مہاجرؓ کے مشاہدہ سے مرید فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت بندگی میاںؓ نے خاتم المرشدؓ کو اوائل عمر میں حضرت میاں بھائی مہاجرؓ سے تلقین کروایا ہے اور حضرت خاتم المرشدؓ نے بلوغ کے بعد حضرت ملک الہداد خلیفہ گروہؓ سے تجدید تلقین فرمائی ہے۔ حضرت خاتم المرشدؓ کو بندگی میاں بھائی مہاجرؓ سے بڑی عقیدت تھی۔ چھ مہینے میں ایک مرتبہ کھانبیل سے میاں بھائی مہاجرؓ کی خدمت میں دساڑہ تشریف لے جاتے تھے۔ اور حضرت خاتم المرشدؓ کو دونوں مرشدوں کا مشاہدہ حاصل تھا اسی وجہ سے حضرت نے اپنے بعض فرزندوں اور خلفاء کو بندگی میاں بھائی مہاجرؓ کا اور بعض کو حضرت خلیفہ گروہؓ کا سلسلہ پڑھایا ہے۔ چنانچہ حضرت خاتم المرشدؓ نے اپنے دونوں فرزند بندگی میاں سید علیؒ اور بندگی میاں سید میرانؒ کو اور خلفاء میں بندگی میاں سید یوسفؒ (والد حضرت شاہ قاسمؒ) اور بندگی میاں سید خوندمیرؒ (والد حضرت شاہ نصرتؒ) کو حضرت میاں بھائی مہاجرؓ کے مشاہدہ سے اور حضرت بندگی میاں سید نور محمدؒ کو حضرت خلیفہ گروہؓ کے مشاہدہ سے تلقین فرمایا ہے۔ کسی نے اس اختلاف کی وجہ دریافت کی تو فرمایا جس بزرگ کا مشاہدہ غالب رہا میں نے ان کا نام لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بندگی میاں شاہ نصرتؒ کی پوری اولاد اور بہرہ مندوں میں اور بندگی میاں شاہ قاسمؒ کے ایک فرزند بندگی میاں سید یعقوبؒ کی اولاد میں سلسلۂ مریدی میاں بھائی مہاجرؓ سے حضرت مہدی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ بندگی میاں سید علی ستون

دینؒ بھی حضرت میاں بھائی مہاجرؒ کے مشاہدہ سے مرید ہوئے ہیں۔ بندگی میاں سید میراںؒ نے تصدیق کی کہ مجھے اور بھائی سید علیؒ کو خاتم المرشدؒ نے میاں بھائی مہاجرؒ کے سلسلہ سے مرید فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت شاہ نصرتؒ کے خاندان میں یہ روایت مشہور ومتعارف ہے کہ بندگی میاں شاہ ابراہیمؒ بچپن میں بندگی میاں سید علی ستون دینؒ کے مرید ہوئے ہیں۔ اور حضرت شاہ ابراہیمؒ کو بندگی میاں بھائی مہاجرؒ کے سلسلہ سے مرید فرمایا ہے۔ غرض حضرت خاتم المرشدؒ کا بندگی میاں سید علیؒ کو حضرت میاں بھائی مہاجرؒ کا سلسلہ پڑھانا ثابت ہے۔ حضرت شاہ قاسمؒ کے فرزند اکبر میاں سید یعقوبؒ کے سلسلہ میں اور حضرت شاہ نصرتؒ کے بہرہ مندوں کے جملہ سلسلوں میں حضرت خاتم المرشدؒ کے بعد بندگی میاں بھائی مہاجرؒ کا اسم مبارک ہی آتا ہے۔ خاندانی تحقیق، خاندانی روایات اور خاندانی عمل درآمد پر کسی کو کسی قسم کے اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ بندگی میاں سید علیؒ کے حضرت میاں بھائی مہاجرؒ کے مشاہدہ سے مرید ہونے میں اگر کسی کو اختلاف ہے تو ہم کو اس اختلاف سے اختلاف نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے علم وتحقیق اور خاندانی عمل درآمد کے موافق اپنے اعتقاد وعمل کا پابند ہے۔

فقیری: بندگی میاں سید علی ستون دینؒ کی فقیری میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سب کو اتفاق ہے کہ حضرت اپنے والد بزرگوار بندگی میاں سید نجی خاتم المرشدینؒ کے دست حق پرست پر فقیر ہوئے ہیں۔ اور یہ امر متفق علیہ ہے کہ حضرت خاتم المرشدؒ حضرت خلیفۂ گروہؒ کے فقیر ہیں۔ حضرت ستونِ دینؒ خاتم المرشدؒ کی حیات طیبہ تک حضرت کی صحبت کیمیاء خاصیت میں رہے اور حضرت نے آپ کو بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں۔

بشارات: ایک مرتبہ بندگی میاں سید علیؒ حضرت خاتم المرشدینؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے دو آدمی کسی معاملہ میں حلف لینے کے لئے حضرت خاتم المرشدؒ کے حضور میں آئے حضرت نے فرمایا علی جی کے ان دونوں پاؤں کی قسم کھاؤ۔

حضرت خاتم المرشدؒ نے آپ کو ستونِ دین فرمایا ہے۔ اس بشارت میں حضرت کے تینوں فرزند میاں سید علیؒ میاں سید نور محمدؒ میاں سید میراںؒ کے علاوہ حضرت کے پوتے میاں سید غیاث الدینؒ بن میاں سید ابراہیمؒ بھی شریک ہیں۔ میاں سید ابراہیمؒ کی حضرت خاتم المرشدؒ کی حیات میں وفات ہوگئی ہے۔ حضرت نے پوتے کو فرزند قرار دیا اور فرمایا ''میرے چاروں بیٹے دین کے ستون ہیں''

میاں سید غیاث الدینؒ حضرت خاتم المرشدؒ کے مرید وفقیر ہیں۔ حضرت کی وفات کے وقت ۱۸

سال کی عمر تھی۔ حضرت نے ایک قرآن مجید عنایت کیا اور ستون ہائے دین میں شمار فرمایا۔ میاں سید میرانؒ بن خاتم المرشدؓ نے اپنے فرزند میاں سید اشرفؒ کی شادی کے لئے آپ کو دکن بھیجا ہے۔ میاں سید اشرف کی شادی میاں سید عالم بنی اسرائیلؒ کی دختر سے طئے ہوئی تھی اور میاں سید عالمؒ حضرت خاتم کارؒ کی صحبت میں گنجوٹی میں تھے۔ شادی سے فارغ ہوکر ابھی جالور کو واپسی نہیں ہوئی تھی کہ میاں سید غیاث الدینؒ علیل ہوئے۔ ۳۰ سال کی عمر میں ۳؍صفر ۱۰۰۸ھ میں وفات پائی۔ بندگی میاں سید نور محمد خاتم کارؒ نے تجہیز و تکفین کی اور فرمایا ''دین کے چوتھے ستون سید گا چوتھے'' گنجوٹی میں آسودہ ہیں۔

بندگی میاں سید علی ستون دینؒ کے حق میں حضرت خاتم المرشدینؓ نے ایک مخصوص بشارت یہ دی ہے کہ ''بندہ جہاں جاتا ہے علی جی انگلی پکڑے ہوئے ساتھ رہتے ہیں''

یہ بشارت گنجینۂ معانی ہے جاننے والے اس کی ماہیت کو جانتے ہیں۔ خاتم المرشدؓ حضرت مہدی علیہ السلام کے مبشر ہیں۔ چنانچہ زمانۂ طفلی میں حضرت ثانی مہدیؓ اپنی چھوٹی بہن بی بی فاطمہ کے پیٹ میں گُد گدیاں کررہے تھے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا سید محمود ایسا نہ کرو خدائے تعالیٰ اس کے شکم میں ایک ایسا فرزند دے گا کہ بندہ کے زمانہ کا عمل اس کے زمانہ میں پھر قائم ہوگا۔ بروایتے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ بندہ کو اس کے شکم میں پیدا کرے گا۔ یہ بھی روایت ہے فرمایا یہ داڑھی پھر ظہور کرے گی۔ مہدی علیہ السلام کی ان بشارات قدسیہ کی مصداق حضرت خاتم المرشدینؓ کی ذات ہے اور خاتم المرشدینؓ کے اس فرمان سے بندگی میاں سید علیؒ کی علوئے منزلت ظاہر ہوتی ہے۔

مراتب روحانی میں دو شخصوں میں مماثلت ہو یا منازل سلوک میں سے کوئی خاص منزل مراد ہو تو صوفیائے کرام اس کو قائم مقام، بردل قدم برقدم، شان، منزل وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کسی ولی کو کسی نبی کا قائم مقام کہا جاتا ہے تو مقصود یہی ہوتا ہے کہ جو ظہور یا فیضان اس نبی میں تھا وہی اس ولی میں ہے۔ چنانچہ حضرت مہدی علیہ السلام نے اپنے بعض اصحاب و مہاجرین کو انبیاء علیہم السلام کا قائم مقام فرمایا ہے۔ مثلاً میاں بھیکؓ کو مقام عیسیٰؑ کی بشارت دی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ میاں بھیکؓ نبی بن گئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ میاں بھیکؓ میں بھی وہی ظہور و فیضان تھا جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس متصف تھی۔ اس سے مساوات مراد نہیں ہوتی اس کو منقبت کہا جاتا ہے۔

حضرت خاتم المرشدؒ نے اپنی اور بندگی میاں سید علیؒ کی مماثلت کو ان الفاظ میں ادا فرمایا کہ ''علی جی میرے ساتھ ساتھ رہتے ہیں'' اس کا مطلب محققین کے اصول پر یہ ہے کہ سیر وسلوک اور عرفان ومعرفت میں بندگی میاں سید علیؒ کو وہی مقام حاصل ہے جہاں حضرت خاتم المرشدینؒ کی ذات ستودہ صفات فائز تھی۔

ہجرت: حضرت خاتم المرشدینؒ کی وفت کے بعد بندگی میاں سید علی ستون دینؒ نے سیر وہی سے ہجرت کی اور سب بھائیوں کے ساتھ بڈھاسن تشریف لائے۔ پھر یہاں سے ہجرت کر کے موضع نگرہ میں دائرہ باندھا اور بہت عرصہ تک یہاں اقامت فرمائی۔ پھر اکل کوٹ اور مدک پلی میں دائرہ رہا۔

خوارقِ عادات: ایک مرتبہ بندگی میاں سید علی ستون دینؒ سفر میں تھے کسی قبرستان پر سے گزر ہوا۔ ایک مردہ پر بچھو بیٹھا ہوا تھا کسی نے اس کو لکڑی سے مارا۔ بچھو نے مردہ کو چھوڑ کر اس شخص کا تعاقب کیا اور وہ دوڑتا ہوا حضرت کی پناہ میں آ گیا' حضرت نے اپنے دست مبارک سے بچھو کو اشارہ کیا' مطلب یہ تھا کہ اس کا قصور معاف کر اور اپنے مقام پر چلا جا۔ اشارہ کے ساتھ ہی بچھو رک گیا اور جہاں مسلط تھا وہاں چلا گیا۔

جس زمانہ میں حضرت کا قیام نگرہ میں تھا ایک بھورا جو آپ کا مرید ومعتقد تھا کنویں میں گر پڑا اور اس حالت میں اس نے حضرت سے استمداد کیا۔ حضرت نگرہ میں تشریف رکھتے تھے یہاں سے سینکڑوں میل دور از روئے وطن وہاں پہنچے اور اس کو کنویں سے نکالا۔ یہاں نگرہ میں حضرت کی خدمت میں بیٹھے ہوئے حاضرین نے دیکھا کہ حضرت کی آستین تر ہوگئی ہے اور آپ اس کو نچوڑ رہے ہیں۔ دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ فلاں مقام پر فلاں شخص کنویں میں گر پڑا تھا اس نے مجھے یاد کیا اور میں نے اس کو کنویں سے نکال لیا۔ ایک عرصہ کے بعد وہ بھورہ حضرت کی خدمت میں آیا اور عرض کیا میں کنویں میں گر گیا تھا آپ تشریف لائے اور ہاتھ بڑھا کر آپ نے مجھے اوپر کھینچ لیا۔

نگرہ سے ہجرت کر کے دکن کا ارادہ فرمایا کچھ عرصہ تک اکل کوٹ میں دائرہ رہا پھر مدک پلی تشریف لائے۔

وفات: ۴؍رجب المرجب ۱۰۲۶ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں واصل حق ہوئے۔ مزار پُر انوار مدک پلی (ضلع نظام آباد آندھرا پردیش) میں زیارت گاہ خواص وعوام ہے۔

اولاد: میاں منجو جی خطائی حضرت بندگی میاں شاہ نظامؒ کے مرید ومعتقد اور موضع انوندرہ کے جاگیردار تھے۔ ان کے فرزند میاں تاجو جی کی دختر بی بی دولا جی زوجۂ اول سے بندگی میاں سید علی ستون دینؒ کو

تین فرزند ہوئے ۔(۱) میاں سید عطنؒ (۲) میاں سید محمود سید نجیؒ (۳) میاں سید خوندمیرؒ۔ بندگی میاں سید عطنؒ پدر عالی قدر کے مرید وفقیر نہایت عالی ہمت، توکل وتقویٰ میں مستقیم، پدر بزرگوار کے مبشر اور جانشین تھے۔ایک موقع پر حضرت شاہ قاسم مجتہد گروہؒ نے فرمایا کہ خزانۂ عرفان سے مالا مال ہیں۔ بندگی میاں سید محمود سید نجیؒ اور بندگی میاں سید خوندمیرؒ بھی والد مکرم کے مرید وفقیر ہیں۔میاں سید محمود سید نجیؒ کا علاقہ بندگی میاں سید نور محمد خاتم کارؒ سے بھی رہا ہے۔

جس زمانہ میں حضرت کا دائرہ نگرہ میں تھا بی بی دولاجی کی وفات ہوئی وہیں آسودہ ہیں۔

حضرت کو زوجہ دوم سے (۴) میاں سید جعفر اور زوجہ سوم سے (۵) میاں سید خاں (۶) میاں سید عبداللہ (۷) میاں سید عبدالمنان عرف سیدن میاں تولد ہوئے۔

حضرت کی اولاد کی تفصیل اس وقت مقصود نہیں ہے البتہ ایک غلط بیانی کی جو پچاس پون سو برس سے قوم میں خلفشار کا باعث بنی ہوئی ہے تصحیح کی جاتی ہے۔

بندگی میاں سید علی کے ساتویں فرزند میاں سید عبدالمنان عرف سیدن میاں حضرت کی وفات کے بعد مدک پلی سے قریب ایک مقام گندھاری میں اقامت گزیں ہوئے اور سیدن میاں گندھاری مشہور ہوئے۔سیدن میاں گندھاری کے فرزند میاں سید علی نے جو حاجی حرمین شریفین ہیں دکن سے ہجرت کی اور اعظم نگر (بارہ بستی) علاقہ جئے پور میں دائرہ باندھا۔اس وقت بندگی میاں سید نجم الدینؒ کے ہمشیرہ زادے اور خلیفہ میاں سید عبدالحئ عرف شاہ صاحب میاں (مدفون در چیتا پور) کا دائرہ بھی بارہ بستی علاقہ جئے پور کے کسی مقام میں تھا۔میاں سید علی ساکن اعظم نگر نے میاں سید عبدالحئ کی دختر سے شادی کی جن کے بطن سے دو فرزند خوب صاحب میاں اور روشن میاں اور ایک دختر ہوئی۔خوب صاحب میاں، میاں سید نور محمد بن میرانجی سید ومیاںؒ کے اور روشن میاں میاں سید جعفر بن حضرت بڑے شاہ میاںؒ کے داماد ہیں۔میاں سید علی ساکن اعظم نگر کی دختر مانصاحبہ بی بی جو حضرت شاہ صاحب میاںؒ چیتا پوری کی نواسی ہیں۔میاں سید عبداللہ عرف سید اصاحبؒ سجادہ دائرہ نو واقع جئے پور کی زوجۂ دوم ہیں۔

حاجی میاں سید علی ساکن اعظم نگر کی ایسی باعظمت شخصیت کو جو حضرت بندگی میاں سید علی ستونِ دین کے حقیقی پوتے اور حضرت میاں سید عبدالحئ شاہ صاحب میاںؒ چیتا پوری کے داماد ہیں۔

☆☆☆☆☆

قدوم ماہ رمضان

خدائے تعالیٰ ارشادفرماتا ہے۔**شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس وبینات من الهدی والفرقان فمن شهد منکم الشهر فلیصمه**(البقرۃ۱۸۵)

یعنی ماہ رمضان میں قرآن اتارا گیا ہے اس میں لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت کی کھلی کھلی دلیلیں ہیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے پس تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے تو ضرور اس مہینے کے روزے رکھے''

رمضان رمضاء سے مشتق ہے رمضاء اس بارش کو کہتے ہیں جو فصل خریف سے پہلے برستی ہے اور زمین کو پاک وصاف کردیتی ہے ۔ رمضان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ بارش زمین کو پاک وصاف کرتی ہے اسی طرح رمضان کا مہینہ امت مسلمہ کے گناہوں کو پاک وصاف کردیتا ہے۔

بعض کہتے ہیں رمضان رمض سے مشتق ہے ۔ رمض کے معنی شدتِ حرارت کے ہیں ۔ آفتاب کی تپش سے جب پتھر گرم ہوجاتا ہے تو اس کو رمض کہتے ہیں۔اسی وجہ سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ رمضان کا مہینہ بندگانِ خدا کے گناہوں کو جلا دیتا ہے۔رمضان خدائے تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مت کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا بلکہ یہ کہو کہ ماہِ رمضان آیا اور ماہ رمضان گیا۔اور فرمایا سیدالشہو رشہر رمضان وسیدالایام یوم الجمعہ یعنی تمام مہینوں کا سردار ماہ رمضان ہے اور سب دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے۔فرمایا جو شخص ماہِ رمضان کی آمد سے خوش ہوگا تو اس پر آتشِ دوزخ حرام ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے بروایتے جنت کے دروازے اور بروایتے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور ایک منادی پکارتا ہے کہ اے طالب خیر نیکی کر اور اے عاصی وآثم گناہ سے باز رہ۔

محدث بیہقی نے سلمانؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان کے اواخر میں خطبہ

دیا فرمایا تمہارے پاس عظمت و برکت والا مہینہ آیا ہے۔اس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے اللہ نے اس میں دن کے روزے فرض فرمائے ہیں اور رات کی عبادت مطبوع (نفل) ہے اس مہینہ میں اگر کوئی نیکی کرے تو ایسا ہے گویا دوسرے مہینے میں فرض ادا کیا۔ اور جس نے فرض ادا کیا تو ایسا ہے جیسا دوسرے دنوں میں ستر فرض ادا کیا۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ یہ مہینہ مواسات (ہمدردی) کا ہے اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے جو شخص اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہوں کی مغفرت ہوگی اور افطار کرانے والے کو اسی قدر ثواب ملے گا جتنا روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر شخص اس قدر استطاعت نہیں رکھتا جس سے روزہ دار کو افطار کرایا جائے۔فرمایا یہ ثواب اس شخص کو بھی ملے گا جو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے افطار کرائے اور جس نے روزہ دار کو پیٹ بھر کھلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پانی پلائے گا اور وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جائے۔اس مہینہ کا پہلا حصہ رحمت اس کا وسط مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے۔

امام نسائیؒ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماہ رمضان آیا ہے یہ برکت کا مہینہ ہے اللہ نے اس مہینہ کے روزے تم پر فرض کئے ہیں۔اس مہینہ میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور سرکش شیطانوں کو طوق ڈالدیئے جاتے ہیں اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو اس کی بھلائی سے محروم رہا وہ بے شک محروم ہے۔

بیہقی نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کو ماہ رمضان میں پانچ باتیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملیں۔اول یہ کہ رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو خدائے تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت فرماتا ہے اور جس کی طرف نظر فرمائے گا اس کو کبھی عذاب نہ دے گا۔دوسری یہ کہ شام کے وقت روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔تیسری یہ کہ ملائکہ دن رات ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔چوتھی یہ کہ خدائے تعالیٰ جنت کو حکم فرماتا ہے کہ تو تیار رہ میرے بندے عنقریب دنیا کی تکلیف سے رہا ہو کر یہاں آرام کریں گے۔ پانچویں یہ کہ رمضان کی آخر رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرما دیتا ہے۔کسی

نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ شب قدر ہے؟ فرمایا نہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ کام کرنے والے جب اپنے کام سے فارغ ہوجاتے ہیں تو اپنی مزدوری پاتے ہیں۔

فرمایا جب رمضان آتا ہے تو خدائے تعالیٰ عاملینِ عرش کو حکم دیتا ہے کہ اُمت محمدؐ کی مغفرت کی دعا کرو۔ فرمایا جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات یا ماہِ رمضان میں مرجائے تو ملائکہ اسکو عذاب نہیں دیتے۔

فرمایا رمضان قیامت کے روز ایک حسین صورت میں خدائے تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا اور سجدہ میں گر پڑے گا حکم ہوگا جس نے تیرا حق پہچانا ہے اس کا ہاتھ پکڑ لے۔ وہ ہر اس شخص کا ہاتھ پکڑے گا جس نے اس کا حق پہنچانا تھا (یعنی اس طرح روزہ رکھا جس طرح روزہ رکھنے کا حق) اور پھر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوگا حکم ہوگا اب کیا چاہتا ہے عرض کرے گا اس کو اپنی عزت و کرامت کا تاج پہنادے۔ اللہ تعالیٰ اس کو تاجِ کرامت سے تاجدار کرے گا اور اس کے سوا اتنا اور زیادہ دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

فرمایا ''اگر میری امت کو علم ہوتا کہ رمضان میں کس قدر برکتیں ہیں تو وہ آرزو کرتی کہ اگر پورا سال رمضان ہی رہتا تو اچھا ہوتا''۔ روزہ بہترین عبادت ہے اس کی فضیلت میں کثرت سے احادیث شریفہ وارد ہیں فرمایا جس نے حالتِ ایمان میں طلب ثواب کے لئے رمضان کا روزہ رکھا تو اس نے جتنے گناہ کئے ہیں سب معاف ہوجائیں گے۔

فرمایا روزہ دوزخ سے بچانے کی ایک سپر ہے جب تک کہ اس کو جلا نہ دو۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ روزہ جلتا کس طرح ہے فرمایا جھوٹ سے غیبت سے۔

فرمایا ہر شئے کی زکوٰۃ ہے اور بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے اور روزہ نصف صبر ہے۔

ایک روایت میں فرمایا کہ صبر نصف ایمان ہے تو ثابت ہوا کہ روزہ ربع ایمان ہے۔

فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں ایک کا نام رَیّان ہے اس دروازے سے وہی لوگ جنت میں جائیں گے جو روزہ دار ہیں۔

امام بخاری و مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیک کام کا بدلہ دس گنا سے سات سو گنا تک دیا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اس کا بدلہ میں دوں گا۔ کیونکہ بندہ اپنی خواہش اور کھانے پینے کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے اور فرمایا روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور ایک اپنے رب سے ملنے کے وقت۔

بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ فرمایا کہ اللہ کی راہ میں روزہ رکھا جائے تو روزہ دار جہنم سے ستر برس کی مسافت پر رہتا ہے۔ابوداؤد کی روایت ہے کہ اس کے اور جہنم کے درمیان خدائے تعالیٰ اتنی بڑی خندق کردے گا جتنا آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے۔طبرانی کی روایت ہے کہ دوزخ اس سے سو برس کی مسافت پر ہوگی۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا روزہ دار کی خاموشی تسبیح ہے۔اس کی نیند عبادت دعا مستجاب اس کا عمل مضاعف اور اس کا گناہ مغفور ہے یعنی بخش دیئے جائیں گے۔

ترمذی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔روزہ دار کی دعا جب کہ وہ افطار کے وقت کرتا ہے، بادشاہِ عادل اور مظلوم کی دعا کہ یہ دونوں بھی رد نہیں ہوتے۔

ابن حبان نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان کے روزے رکھے جس طرح روزہ رکھنے کا حق ہے اور حالتِ روزہ میں جس چیز سے بچنا ہے بچا تو جتنے گناہ کر چکا ہے یہ روزہ ان سب کا کفارہ ہو جائے گا۔

طبرانی وبیہقی نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اعمال سات قسم کے ہیں۔

دو عمل واجب کرنے والے ہیں۔دو عمل کا بدلہ ان کے برابر ہے ایک عمل کا بدلہ دس گنا ہے۔ایک عمل کا بدلہ سات سو گنا ہے ایک عمل ایسا ہے کہ اس کا بدلہ اللہ ہی جانتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ

(۱) جو شخص اللہ سے اس حال میں ملا کہ عبادت میں کسی کو شریک نہ کرتا تھا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

(۲) جو شخص اللہ سے اس حال میں ملا کہ عبادت میں کسی کو شریک کرتا تھا تو اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی۔

(۳) جس نے ایک برائی کی تو اس کو اسی قدر سزا دی جائے گی۔

(۴) جس نے نیکی کا ارادہ کیا مگر عمل نہ کر سکا تو اس کو ایک نیکی کا ثواب دیا جائے گا۔

(۵) جس نے ایک نیکی کی اس کو دس گنا ثواب دیا جائے گا۔

(۶) جس نے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اس کو سات سو گنا ثواب دیا جائے گا۔یعنی اگر ایک

روپیہ دیا تو سات سو روپیوں کا ثواب ملے گا۔

(۷) روزہ اللہ ہی کے لئے ہے اس کا ثواب اللہ کے سواء کوئی نہیں جانتا کہ کس قدر ہے۔

عبادت رمضان، صیام نہار اور قیام لیل کے مجموعہ کا نام ہے۔ یعنی دن کو روزہ رکھا جائے اور رات کو تراویح پڑھی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ میں فرمایا تھا تمہارے پاس ایک ایسا مہینہ آیا ہے جس میں دن کے روزے فرض اور رات کی عبادت تطوع ہے۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا ''کہ دن کے روزے اللہ نے فرض کر دیئے ہیں اور رات کی عبادت میں نے مسنون کی ہے''۔ ارشاد فرمایا ''جس نے رمضان کی رات میں فرائض کے علاوہ ایک سجدہ بھی کرے تو ایک سجدہ کا ثواب پندرہ سو گنا دیا جائے گا۔''

چونکہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور ہر رکعت میں دو سجدے ہوتے ہی اس طرح جملہ (۴۰) سجدے ہوئے۔ (۴۰) کو (۱۵۰۰) سے ضرب دیا جائے تو (۶۰،۰۰۰) ساٹھ ہزار حاصل ہوئے گویا تراویح پڑھنے والے کو صرف ایک شب کی تراویح کے ساٹھ ہزار ثواب ملیں گے۔ **الحمد للہ علی ذالک**

ارشاد فرمایا کہ خدائے تعالیٰ افطار میں تعجیل اور سحر میں تاخیر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اور فرمایا مجھے وہ شخص زیادہ محبوب ہے جو افطار میں تعجیل کرتا ہے۔ محدثین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی افطار سے پہلے نماز مغرب نہیں پڑھی۔

ارشاد فرمایا سحری کر لیا کرو سحری کرنا نہ چھوڑو یہ باعث برکت ہے۔ خواہ پانی کا ایک گھونٹ ہی سہی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سحری کرنے والوں پر نظرِ رحمت فرمائے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ روزہ کے تین درجے ہیں۔

(۱) ایک روزہ عوام کا ہے وہ یہی ہے کہ پیٹ اور شرمگاہ کو کھانے پینے اور خواہشات نفسانی سے باز رکھنا۔

(۲) دوسرا روزہ خواص کا ہے کہ ان کی آنکھ، زبان اور ہاتھ پاؤں بھی روزہ رکھتے ہیں یعنی ان اعضاء سے جو گناہ صادر ہو سکتے ہیں ان سے باز رہتے ہیں۔

(۳) تیسرا روزہ خاص الخاص لوگوں کا ہے کہ وہ اپنے کو جمیع ماسوی اللہ سے منقطع کر کے صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆